مسئلہ وحی و نبوت کے متعلق اِسلامی نظریہ

(اسلامک آئیڈیالوجی)

از

افاضات

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

" اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ۔ھُوَ النَّاصِرُ

اسلام کا بنیادی نظریہ متعلق مسئلہ نبوّت

(از افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی۔ یہ اس دستاویز کا ابتدائی حصہ ہے جو تحقیقاتی عدالت، فسادات پنجاب 1953ء میں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے داخل کی گئی تھی)

اسلام ایک کلیاتی مذہب ہے یعنی وہ صرف متفرق احکام نہیں دیتا بلکہ وہ دُنیا کی پیدائش کے مقصد اور شریعت کی ضرورت اور انسانی ذمّہ داریوں کی حد بندیوں اور انسانی پیدائش کی غرض اور اُس کی فطرت کی حقیقت اور سوسائٹی کے مقابلہ میں اُس کا مقام اور اُس کے مقابلہ میں سوسائٹی کا مقام اور اُس کے آخری انجام کو بھی بیان کرتا ہے۔ وہ اس پر بحث کرتا ہے کہ دُنیا بِلا وجہ اور بِلا مقصد پیدا نہیں کی گئی۔ کائنات کی پیدائش ایک بشر کامل کی پیدائش کے لئے تھی۔

بشر کامل سے مُراد

اور بشر کامل سے مُراد ایسا وجود تھا جو خدا تعالیٰ کی صفات کو دُنیا میں ظاہر کرنے والا ہو اور جو خدا تعالیٰ کی طرف جھکے اور خدا جس کی طرف جھکے اور اس طرح دو محبتوں کی وجہ سے وہ انسان کہلائے جو اصل میں "اُنْسَانِ" ہے یعنی دو محبتوں کا مجموعہ۔ اوّل اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اُس سے۔ دوم اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ سے بھی محبت کرتا ہے اور اُس کی مخلوق سے بھی۔ پھر وہ یہ بتاتا ہے کہ کمال کے معنے یہ نہیں کہ اُس سے قصور نہیں ہو سکتا کیونکہ قائم وَ حَیّ بِالذَّات تو ان معنوں میں بے عیب ہو کر بھی کامل کہلا سکتا ہے مگر مخلوق اِن معنوں میں بے عیب ہو کر کامل نہیں کہلا سکتی بلکہ بوجہ مخلوق ہونے کے مجبور کہلائے گی

اور مجبوری حسنِ کمال سے محروم کر دیتی ہے۔ پس اس کے کامل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اَور طریق اختیار کیا کہ اُس کے اندر خیر و شر کے دونوں مادے پیدا کر دیئے اور اس کی راہنمائی کے لئے اُسے دو مددگار طبعی اور دو مددگار فوق الطبعیات عطا فرمائے تا وہ اُن کی مدد سے خدا تعالیٰ تک پہنچے اور اپنے اخلاق کو کامل کرے اور اپنی ذمّہ داری کو ادا کرے۔ **پہلا طبعی مددگار** وہ معائنہ اور فکر کو قرار دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ[1] یعنی زمین اور آسمان کی پیدائش اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں عقلمندوں کے لئے بہت سے نشانات مخفی ہیں۔ اُن لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش پر غور کرتے ہیں۔ یعنی طبعیات پر غور اور اُس کے تغیر و تبدل پر فکر کرنا بھی ہدایت اور صحیح علم کا ایک ذریعہ ہے۔

دوسرا ذریعہ فرماتا ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا[2] یعنی انسان کے اندر اُس نے ایک ایسا مادہ رکھ دیا ہے جس سے وہ اچھے اور بُرے میں تمیز کرتا اور ہدایت کی راہیں معلوم کرتا ہے یعنی انسان کے اندر شعور اور تمیز پیدا کی گئی ہے جس سے وہ صدق و باطل میں فرق کر سکتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس آیت میں کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا[3] اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی فطرت وہی ہے جسے لے کر انسان پیدا ہوتا ہے جو بعد میں اس پر رنگ آمیزی کی جاتی ہے اور اُس پر تعصب کا رنگ چڑھایا جاتا ہے وہ خدا کی دین نہیں۔ صحیح نتیجے پر پہنچنے کے لئے صرف بیرونی اثرات سے خالی اور آزاد دماغ ہی کام دیتا ہے جسے لے کر بچہ پیدا ہوتا ہے۔

دو مافوق الطبعیات ذرائع اُس نے الہام اور نبوت پیدا کئے ہیں یعنی انسان جب خدا تعالیٰ کی طرف متوجّہ ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے راہنمائی ملتی ہے۔ جیسے فرمایا وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔[4] جو لوگ سچے طور پر ہماری ملاقات کے لئے کوشش کرتے ہیں ہم اُن کے لئے اپنی طرف راہنمائی کرنے والے اسباب پیدا

کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تفصیلی راہنمائی کے لئے نبوت کا مقام جاری کیا جس کے ذریعہ سے وہ شریعتیں اور قانون ملتے ہیں یا شریعت اور قانون کے راز معلوم ہوتے ہیں جو کسی مخصوص زمانے کے لئے ضروری ہوں۔ اِسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔[5] اگر تمہاری طرف تم میں سے ہی رسول آئیں جو تم کو میرے نشانات بتائیں تو جو شخص تقویٰ اور اصلاح سے کام لے گا اُسے نہ آئندہ کا خوف لاحق ہو گا نہ ماضی کا غم۔

قرآن کریم یہ چار ذرائع انسان کی تکمیل کے لئے بتاتا ہے جن میں سے دو طبعی ہیں اور دو فوق الطبعیات۔ اور غور کر کے دیکھا جائے تو دنیا کی ترقی انہیں چاروں ذریعوں سے وابستہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ہم نے یہ چار راستے تو انسان کے لئے کھولے ہیں لیکن اُن پر چلنے کے لئے اُسے مجبور نہیں کیا صرف اُسے قبول کرنے یا ردّ کرنے کی مقدرت دی ہے۔ اور محبتِ الٰہی کے پیدا کرنے کے لئے شریعت کی بنیاد انسان کے فائدہ پر رکھی ہے جبر اور زور پر نہیں رکھی۔ چونکہ انسانی فطرت اپنے کمال کے لئے تین سہاروں کی محتاج ہے ایک صحیح عمل پر اور ایک صحیح فکر پر اور ایک شوق و رغبت پر اس لئے صحیح عمل کے لئے اُس نے شریعت نازل کی۔ صحیح فکر کے لئے تمیز اور معائنہ قدرت کے سامان پیدا کئے۔ اور شوق اور رغبت کی تکمیل کے لئے الہام و وحی کا دروازہ کھولا۔ مگر چونکہ شریعت کا مکمل ہو جانا انسانی دماغ کے مکمل ہونے پر موقوف تھا اِس لئے شریعت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کے ساتھ مکمل کر دیا لیکن محبتِ الٰہی کی خواہش کمالِ ذہنی سے بڑھتی ہے۔ اس لئے دوسرا راستہ الہام و رضا کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہلے سے بھی زیادہ کھول دیا۔ اگر پہلے نبیوں کے ذریعہ سے ایک مُلک اور قوم میں محدود لوگ اُس مرتبہ کو پاتے تھے تو آپ کے بعد آپ کے ذریعہ سے یہ فیض اور بھی بڑھ گیا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رَسُوْلُکَ الْخَاتمُ لِمَا سَبَقَ وَ الْفَاتِحُ لِمَا انْغَلَقَ۔[6] یعنی اے خدا تیرا رسولؐ ایسا ہے کہ سابق انعامات کو اُس نے کمال تک پہنچا دیا اور وہ دروازے رحمتِ الٰہی کے جو پہلے بند تھے

اُس نے کھول دیئے۔ یہ وہ اسلامی آئیڈیالوجی ہے جسے مَیں تمہید کے طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اسی پس منظر میں یہ امر سمجھ میں آسکتا ہے کہ آیا احمدیت نے اسلام میں کوئی نئی بات نکالی ہے یا اُس آئیڈیالوجی کی تشریح کی ہے۔ اَب میں اُوپر کے مختصر بیان کی تصدیق میں قرآن کریم اور احادیث اور اقوالِ اولیاء و صلحاء بیان کر کے کسی قدر تفصیل سے اس مضمون کو بیان کرتا ہوں۔

مذکورہ بالا مختصر بیان کی تصدیق قرآن مجید سے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ [7] یعنی زمین و آسمان بِلا وجہ نہیں پیدا کئے گئے بلکہ اُن کی پیدائش میں حکمت تھی اور وہ اعلیٰ درجہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔

پھر فرماتا ہے اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا [8] آسمان اور زمین یقیناً پہلے بند تھے پھر ہم نے اُن کو کھول دیا۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ تمام عالم پہلے ایک واحد شکل میں تھا پھر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف وجود بنائے گئے۔ جیسا علم ہیئت اور علم تخلیقِ ارض سے ثابت ہوتا ہے کہ دُنیا بننے سے پہلے ہیولائی حالت میں ہوتی ہے، پھر وہ پہلے تو زیادہ گھنی ہوتی جاتی ہے اور پھر بعض دفعہ اندرونی تغیّرات سے متاثر ہو کر وہ جھٹکا کھاتی ہے اور اس کے کچھ حصّے الگ ہو کر ایک نظامِ شمسی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر دوسرے معنے اس کے یہ بھی ہیں کہ دُنیا بغیر ہدایت اور رہنمائی کے ہوتی ہے پھر خدا تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے کلام کے نزول کا راستہ کھول دیتا ہے اور تاریکیوں میں سے نکل کر مخلوق روشنی کی طرف آجاتی ہے۔

پھر انسان کی طرف متوجّہ ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا۔ [9] کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو بغیر کسی مقصد اور بغیر کسی مُدعا کے پیدا کیا تھا۔ پھر اس اشارہ سے وضاحت کی طرف رجوع کرتے ہوئے فرماتا ہے وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ [10] ہم نے تمام بڑے لوگوں اور عوام النّاس کو

صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اپنے نفس کو مہذب بنائیں اور قُربِ الٰہی حاصل کریں۔ دوسری جگہ اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔ [11] یعنی اللہ تعالیٰ کے رنگ کو اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے بہتر رنگ کون دے سکتا ہے۔

حدیث میں اس رنگ کی تشریح یوں آئی ہے خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ [12] اللہ تعالیٰ نے آدم کو ایسی شکل میں پیدا کیا ہے کہ الٰہی صفات کو ظاہر کر سکے۔

بائبل میں ہے کہ "خدا تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا"۔ [13] پھر اس مقصد کے پورا کرنے کا طریقہ بیان کرتا ہے کہ وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً [14] ؕ اور یاد کرو جب کہ تمہارے ربّ نے ملائکہ سے کہا کہ مَیں دُنیا میں اپنی صفات کو ظاہر کرنے والا ایک وجود پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ گویا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ میں جو غرض انسان کی پیدائش کی بتائی گئی تھی اِس آیت میں اُس غرض کے پورا کرنے کا اعلان کیا گیا۔ پھر انسان کو اس غرض کے پورا کرنے کے لئے چننے کی وجہ یہ بتائی کہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ ۙ [15] یعنی شریعت کا حامل انسان کے سوا اَور کوئی وجود مخلوقات میں سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس کے اندر اپنے ارادہ سے اپنے نفس پر ظلم کرنے اور اُسے مجبور کر کے کام لینے اور عواقب کو بُھلا کر کام کرنے کی طاقت رکھی گئی ہے۔

امانت کا لفظ جو اس جگہ آیا ہے اس کی تشریح ایک دوسری آیت سے ہوتی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا۔ [16] یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم حکومت کی امانت اُن لوگوں کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہیں۔ ایک اور آیت میں انسان کی اس طاقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا [17] ہم نے انسان میں یہ مادہ پیدا کیا ہے کہ وہ چاہے تو شکر گزار بندہ بن جائے اور چاہے تو نافرمان بن جائے۔ یعنی اس پر جبر نہیں کیا صرف اسے مقدرت بخشی ہے تا کہ وہ انعام کا مستحق بنے

اور جبر کی وجہ سے ایک آلۂ بے جان قرار نہ پائے۔ اسی طرح فرماتا ہے اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ۔ۙ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ۔ۙ وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ۚ[18] کیا ہم نے انسان کے لئے دو آنکھیں دیکھنے کو نہیں بنائیں؟ اور زبان اور ہونٹ اپنی شبہات کے اظہار کے لئے نہیں بنائے؟ اور اُس کو نیکی اور بدی دونوں کا راستہ نہیں دکھایا؟

پھر ایک اور جگہ فرماتا ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا۔ۙ[19] انسان کے اندر بُری باتوں اور نیک باتوں کے سمجھنے کا مادہ رکھا گیا ہے۔

پیدائشِ عالَم کا ایک مقصد

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن کریم اور اسلام کی رُو سے پیدائشِ عالَم ایک مقصد کے مطابق ہے اور وہ ہے ایک ایسے وجود کو ظاہر کرنا جو صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہو۔ اور اس کے لئے انسان چُنا گیا ہے جس میں بِالارادہ خیر و شر کو اختیار کرنے کی طاقت رکھی گئی ہے اور انسان کے وجود کو ظاہر کرنا پھر ایک مقصد کے مطابق ہے اور اُسے آزاد بنایا گیا ہے کہ وہ اپنی عقل اور فہم سے کام لے کر ان دونوں طریق میں سے کسی ایک کو اختیار کرے۔

پھر اس کے بعد فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۔ۙ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔ؕ[20] جو شخص اپنی فطرتِ صحیحہ کو پاک رکھے گا اور اسے خرابیوں میں مبتلا ہونے سے بچائے گا وہ اپنے مقصد اور مُدعا کو پالے گا۔ اور جو شخص اپنی فطرتِ صحیحہ کو خاک اور مٹی میں مسل دے گا وہ اپنی پیدائش کے مقصد اور مدعا میں ناکام رہے گا۔ یعنی صفاتِ الٰہیہ کا ظہور اُس کے ذریعہ سے نہیں ہوگا اور وہ ایک سڑے ہوئے پھل کی طرح ہو جائے گا جس کا نام تو پھل ہے لیکن وہ کام نہیں آسکتا۔

اس فطرتی راہنمائی کے علاوہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کی راہنمائی کے لئے ہم نے یہ طریق بھی جاری کیا ہے کہ ہم انسانوں میں سے بعض لوگوں کو چُن لیتے ہیں اور اُن پر اپنا کلام نازل کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ۔[21] اللہ تعالیٰ ملائکہ اور انسانوں میں سے رسول چُن لیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ دُعاؤں کا سُننے والا اور انسانوں کی حالتوں کو دیکھنے والا ہے۔ یعنی

انسانوں کی حالتوں میں جب کبھی خرابی پیدا ہوتی اور اُن کی حالت اصلاح طلب ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کچھ فرشتوں کو اصلاح کے لئے مبعوث کرتا ہے جو آگے اپنے جیسے وجودوں پر خدا تعالیٰ کی مرضی کو ظاہر کرتے ہیں اور وہ بنی نوع انسان کی اصلاح کے کام میں لگ جاتے ہیں۔

اسی طرح فرماتا ہے فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ 22 یعنی اے بنی آدم! جب تمہاری طرف ہدایت آئے تو جو میری ہدایت پر عمل کرے گا وہ خوف اور غم سے محفوظ رہے گا۔ اس جگہ ہدایت کا ذکر ہے رسالت کا نہیں جس میں رسالت اور عام الہام دونوں شامل ہیں۔ اور حضرت آدمؑ کے زمانے میں ہی قیامت تک کے لئے انزالِ وحی کا جو کبھی رسالت کی شکل میں ہو گی، کبھی بغیر رسالت کے ہو گی وعدہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مومنون میں اس بات کا ذکر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اُس کو اپنی ہدایت کا وارث بنایا اور نوحؑ اور اس کے بعد دوسرے رسول پے درپے بھیجے۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آگیا۔ اور سورۂ حدید میں فرماتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۔ 23 اور ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو رسول بنا کر بھیجا اور اُن کی اولاد میں بھی نبوّت اور کتاب کا سلسلہ جاری کیا۔ اُن میں سے کچھ تو ہدایت یافتہ ہو گئے اور اکثر اُن میں سے نافرمان ہو گئے۔ اس کے بعد موسیٰؑ کے زمانے کا ذکر یوں فرماتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۔ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ 24 یعنی موسیٰؑ کو بھی کتاب ملی اور اُن کے بعد بھی خدا تعالیٰ نے پے درپے رسول بھیجے یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم دُنیا میں ظاہر ہوئے اور اُن کے بعد خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

مبعوث فرمایا جن پر قرآن کریم نازل ہوا جس نے پہلی کتابوں کی تصدیق کر دی۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاء کا سلسلہ متواتر جاری رہا اور بغیر کسی معتدبہ وقفہ کے اللہ تعالیٰ کی طرف بُلانے والے لوگ آتے رہے۔

بے شک قرآن کریم میں صرف ان نبیوں کے نام لئے گئے ہیں جن سے عرب واقف تھے لیکن دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔ 25 اسی طرح فرماتا ہے وَّ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ۔ 26 یعنی دُنیا کی ہر قوم میں خدا تعالیٰ کے رسول اور ہادی گزرے ہیں۔ پس بنی نوع انسان کا اس کے ساتھ تعلق بذریعہ الہام آدم سے لے کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود تک برابر چلا آیا ہے۔

خدا تعالیٰ کے وجود اور قیامِ نبوّت کے متعلق اسلامی نظریہ کے مقابل دوسرے مذاہب کا نظریہ

اِس اسلامی نظریہ کے خلاف دوسرے مذاہب اور دوسری اقوام میں خدا تعالیٰ کا وجود اور نبوّت کا قیام صرف اپنی اپنی قوم کے دائرہ میں محصور کیا گیا ہے۔ ہندو مذہب غیر اقوام میں مرسلانِ الٰہی کے متعلق بالکل خاموش ہے بلکہ اپنے نسلی نظریہ کے لحاظ سے اُس کے خلاف ہے۔ مشرقی ایشیائی اقوام بھی اس نظریہ سے بالکل کوری نظر آتی ہیں اور یہی حال بُدھوں کا ہے۔ ایرانی، بابلی اور یونانی بھی مذہبی نظر سے اس بارہ میں بالکل خاموش ہیں بلکہ جو شہادت ملتی ہے وہ اس کے خلاف ملتی ہے۔ بنی اسرائیل بھی خدا کو ایک قومی خدا قرار دیتے ہیں اور نبوت کو ابراہیم کی نسل کا ورثہ سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی آتا ہے کہ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِھِمَا النُّبُوَّۃَ۔ 27 یعنی ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کی ذرّیت میں نبوت رکھ دی ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نوحؑ اور ابراہیمؑ کی ذرّیت میں سے نبی آتے رہے اور اُن کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ یہ معنے نہیں کہ دوسری قوموں میں نبی نہیں آئے کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔ وَّ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو کسی زمانے سے مخصوص نہیں کرتا

بلکہ ان آیات کے مدِّ نظر وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ کے معنے سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتے کہ نوحؑ اور ابراہیمؑ کی اولاد میں نبوت جاری رہی اور یہ معنے نہیں نکالے جاسکتے کہ اُن کی قوموں کے سوا باہر کوئی نبی کبھی نہیں آیا۔ جو قومیں کسی نبی کو نہیں مانتیں اُن کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ۔ [28] یعنی اُن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی طاقتوں کا اندازہ نہیں کیا کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی بندے پر کوئی وحی نازل نہیں کی۔ گویا وہ لوگ الہامِ الٰہی کے قطعاً منکر تھے۔

دوسرا گروہ وہ تھا جو نبوت کا تو قائل تھا لیکن ہر قوم پر اسے یہ خیال ہوتا تھا کہ نبوت کا سلسلہ بند ہونا چاہئے اور آئندہ کسی قسم کا کوئی پیغام خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں آنا چاہئے۔ ان کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا۔ [29] پھر فرماتا ہے قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا۔ [30] یعنی جو کچھ ہمارے باپ دادوں کے پاس تعلیم تھی وہی ہمارے لئے کافی ہے کسی نئی تعلیم کی ضرورت نہیں۔

ہندو قوم کے عقیدہ کی بنیاد اِسی پر ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ویدوں کے رِشیوں پر اُتارا۔ اُس کے بعد دُنیا میں اُس کا کلام آنا بند ہو گیا اور اس تعلیم کے بعد کسی اور تعلیم کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگ اس بات کے تو قائل نہیں تھے کہ ابتدائے عالَم میں جو وحی نازل ہوئی وہی کافی تھی لیکن وہ وحی کے تسلسل کو بند کرنے والے ضرور تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے متعلق فرماتا ہے وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ یُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ۔ [31] اور تمہارے پاس یقیناً یوسفؑ بھی اس سے پہلے کھلے کھلے نشانات لے کر آیا تھا لیکن اُس کی لائی ہوئی تعلیم کے متعلق متواتر شُبہ میں رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گیا تو تم یوں کہنے لگ گئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ حدّ سے بڑھنے والوں اور شک میں پڑنے والوں کو گمراہ قرار دیا کرتا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل اپنے زمانے میں نبوّت کے اجراء کو روکنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ حتّٰی کہ یوسف علیہ السلام بھی جو نہ کسی سلسلے کے بانی تھے نہ کسی سلسلہ کے خاتم، نبوت کے روکنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

اسی طرح قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی لوگوں کا یہ خیال ہو گیا تھا کہ اب کوئی رسول نہیں آئے گا۔ چنانچہ سورۂ جنّ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن جِنّوں نے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سُننے کے لئے آئے تھے (ہمارے نزدیک وہ نصیبین کے یہودی تھے اور جِنّ کا لفظ غیر قوموں کے لئے اور باغی قوموں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔) واپس جا کر اپنی قوم سے کہا کہ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا۔[32] کہ جس مُلک سے ہم آئے ہیں وہ لوگ بھی تمہاری طرح یہ یقین رکھتے تھے کہ خدا تعالیٰ آئندہ کسی کو نبی بنا کر نہیں بھیجے گا۔ چونکہ سورۂ احقاف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ موسیٰؑ پر ایمان لانے والے لوگ تھے۔[33] پس اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

حضرت مسیحؑ کے نزول کے بعد عیسائی لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہو گیا کہ گو عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آئیں گے لیکن آئندہ کوئی اَور نبی مبعوث نہیں ہو گا۔[34]

ان دونوں نظریوں کو مقابل میں رکھ کر یہ نتائج نکلتے ہیں کہ اسلام کے نزدیک تو تمام بنی نوع انسان روحانی ترقی اور قُربِ الٰہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کرتا رہے گا کہ انسان کو قُربِ الٰہی کے اعلیٰ درجے کے مقامات حاصل ہوتے رہیں لیکن اس کے مقابل پر باقی دُنیا اس نظریہ کی قائل رہی ہے کہ خدا تعالیٰ ساری دُنیا کا خدا نہیں بلکہ وہ مخصوص قوموں کا خدا ہے۔ گویا اُن کے نظریہ میں خدا تعالیٰ کی حیثیت ایک بُت کی حیثیت تھی جسے ہر ایک قوم نے اپنے لئے خدا ٹھہرا لیا تھا اور پھر یا تو وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے قُربِ الٰہی کے حصول کے لئے کوئی آسمانی ذریعہ کبھی پیدا ہی نہیں کیا اور یا یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ذریعہ پیدا تو کیا مگر صرف انہی کی قوم کے لئے پیدا کیا۔ اور پھر بعض لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے کہ خدا تعالیٰ نے

آسمانی ذرائع کو ایک زمانے تک پیدا کیا اور آئندہ آسمانی برکتوں کے رستے بند کر دیئے۔ کسی نے تو یہ رستہ حضرت یوسفؑ تک بند کر دیا، کسی نے حضرت موسیٰؑ تک اور کسی نے حضرت عیسیٰؑ تک اور قرآن کریم ان میں سے ہر ایک کو ملامت کرتا اور جھوٹا قرار دیتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت دُنیا کا یہ روحانی نقشہ مکمل ہو گیا۔ قرآن کے رُو سے ابتدائے آفرینش میں ایک نبی تھا یعنی حضرت آدمؑ۔ نسلِ انسانی اُس وقت محدود تھی اور سب کی سب حضرت آدمؑ پر ایمان لانے کے لئے مدعو۔ حضرت نوحؑ تک یہ سلسلہ چلا۔ آپ کے بعد بنی نوع انسان کثرت سے ہو گئے اور دُنیا میں پھیل گئے۔ اُس وقت سے الگ الگ قوموں میں الگ الگ نبی آتے رہے۔ لیکن جب انسانی ذہن ارتقاء کو پہنچ گیا اور وہ زمانہ قریب آ گیا جس میں بنی نوع انسان کے آپس میں ملنے اور ایک دوسرے سے تعلقات قائم کرنے کے سامان کثرت سے پیدا ہو جانے والے تھے تو خدا تعالیٰ نے پھر بنی نوع انسان کی وحدت کے لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کو حکم دیا کہ آپ تمام بنی نوع انسان کو دعوتِ حقّہ دیں۔ چنانچہ فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ[35] ہم نے تجھے صرف اِس غرض سے بھیجا ہے کہ تُو تمام بنی نوع انسان کو ایک مذہب اور ایک عقیدہ پر جمع کر دے۔ اور پھر فرماتا ہے قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا [36] اے لوگو! مَیں تم سب انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اِسی طرح فرماتا ہے وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا [37] ہم نے تجھے تمام بنی نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دُنیا کے لئے کیوں مبعوث کئے گئے

یہاں سوال ہوتا تھا کہ آپ ساری دُنیا اور سب زمانوں کے لوگوں کی طرف کیوں مبعوث کئے گئے ہیں؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[38] یعنی آج سے مَیں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے چُن لیا۔ یعنی

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تو انسانی حالات اور زمانی کیفیات ایسی تھیں کہ مختلف علاقوں کے لئے مختلف قسم کے اصولی احکام دیئے جائیں لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دُنیا اِس حد تک ترقی کر چکی تھی اور آپس میں میل جول کے ذرائع اِس حد تک پیدا ہو گئے تھے کہ اب تمام دُنیا کے لئے ایک ہی قسم کے اصولی احکام دینا ضروری ہو گیا تھا۔ اسی طرح آپ کے زمانہ سے پہلے انسانی دماغ نے اس قدر نشوونما نہیں پائی تھی کہ وہ شریعت کی تمام باریکیوں سے واقفیت کا متحمل ہو سکے مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انسانی دماغ اتنا کامل ہو چکا تھا کہ شریعت کے رازوں اور حکمتوں سے واقفیت حاصل کر سکے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کتاب دی جو شریعت کے تمام ضروری احکام پر مشتمل تھی اور وہ ایسے الفاظ میں تھی جو شریعت کے رازوں اور حکمتوں کو تفصیل کے ساتھ واضح کر دینے پر کَمَا حَقُّہٗ حاوی تھی۔ اِسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَ یُزَكِّیْكُمْ وَ یُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔[39] فرماتا ہے (تم میرا خوف کرو) تا مَیں تم پر اپنی نعمت کامل کر دوں اور تم ہدایت پا جاؤ۔ اس لئے کہ مَیں نے تمہاری طرف وہ رسول بھیجا ہے جو تم میں سے ہی ہے، جو تمہیں میرے نشان پڑھ کر سُناتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے اور تمہیں شریعت بھی سکھاتا ہے اور اُس کی حکمتیں بھی تم پر واضح کرتا ہے۔

اس آیت میں اُوپر والی آیت کی تشریح کر دی ہے کہ اتمامِ نعمت کے لئے یہ ضروری ہے کہ شریعت کی حکمتیں بیان کی جائیں کیونکہ شریعت کا کامل ہونا انسانی دماغ کے تنوّر کے لئے ضروری نہیں۔ شریعت صرف ہمارے خیال، ہمارے افکار اور ہمارے اعمال کو درست کرتی ہے مگر ہمارے ذہن کو بُلندی تبھی حاصل ہوتی ہے جب کہ اُس شریعت کے بیان کرنے کا پسِ منظر بھی ہمارے سامنے کھولا جائے اور اُس کی حکمتیں بھی ہم پر ظاہر کی جائیں۔ تب ہمیں صرف ایک قانون ہی نہیں ملتا بلکہ ہم ایک رنگ میں اُس قانون کے بنانے والے ہو جاتے ہیں کیونکہ جب اُس قانون کے بنانے کی حکمتیں

ہم پر ظاہر کر دی جاتی ہیں اور ہم ان سے متفق ہو جاتے ہیں تو ہمارا دِل یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر یہ علم ہمیں حاصل ہوتا اور ہم پر قانون بنانے کی ذمّہ داری ڈال دی جاتی تو ہم بھی یہی قانون بناتے۔ پس گو قانون بنا بنایا ہمیں مِلا ہے لیکن جو علم اُس کے ساتھ دیا گیا ہے اُس کے ساتھ ہم محسوس کرتے ہیں کہ اگر ہم قانون بناتے تو یہی قانون بناتے اور یہی ہمارے لئے بہتر ہوتا۔ جب تک شریعت اس مقام پر نہ پہنچے اُس وقت تک وہ عالمگیر شریعت نہیں بن سکتی اور نہ ہمیشگی کی شریعت بن سکتی ہے۔ پس ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ گزشتہ زمانے میں بنی نوع انسان کے متفرق ہو جانے کے بعد پھر آدم کی طرح تمام دُنیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کیوں جمع کر دی گئی ہے اور کیوں اس سے پہلے جمع نہیں کی گئی۔

اُوپر کی تمہید سے ظاہر ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جو کمالِ انسانی ظاہر کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ ایک ایسی شریعت آپ کو دی گئی جو تمام اصولی و ضروری احکام پر مشتمل تھی جو تمام بنی نوع انسان کی ضرورتیں پوری کرنے والی تھی اور جس کے ساتھ اُن احکام کا پس منظر بھی دے دیا گیا جو اُن احکام کے دینے کی وجہ تھا تا بنی نوع انسان بشاشت کے ساتھ اُن احکام پر عمل کر سکے۔ حضرت مسیح ناصریؑ بھی اپنے اِس قول میں اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ:۔

"مجھے تم سے اَور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اَب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا رُوح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا"۔ 40

قرآن مجید ہر حکم کی حکمت بیان کرتا ہے

قرآن کریم کا یہ دعویٰ کہ وہ نہ صرف ضروری تعلیم بیان کرتا ہے بلکہ تعلیم کی غرض و غایت اور موجبات اور اس کا پس منظر بھی بیان کرتا ہے۔ اس نے مذہب کی تاریخ بالکل بدل دی۔ قرآن کریم سے پہلے شرائع تو آئی تھیں مگر

ہر حکم کی حکمت نہیں بیان کی جاتی تھی۔ اس وجہ سے انسان اطاعت تو کرتا تھا مگر خدا تعالیٰ کی محبت اس کے دِل میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ اپنے آپ کو ایک غلام محسوس کرتا تھا۔ وہ یہ نہیں سمجھتا تھا کہ اُس کا باپ یا اُس کی ماں اُس کے فائدہ کے لئے اور اُس کو نفع پہنچانے اور ترقی دینے کے لئے اُس کی خدمت کر رہے ہیں بلکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ ایک جابر آقا اُس پر اپنی حکومت جتانے کے لئے اُسے اندھا دُھند حکم دے رہا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اِس اصول کو پیش کیا کہ خدا تعالیٰ بھی بِلاوجہ کوئی حکم نہیں دیتا اور ہر حکم کی کوئی ایسی وجہ ہوتی ہے جس میں خود انسان کا فائدہ مضمر ہوتا ہے اور وہ اس کی ترقی کو مدِّنظر رکھ کر دیا جاتا ہے۔ پس گو اسلام سے پہلے بھی بعض مذاہب نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق محبت کی بناء پر ہونا چاہئے لیکن انہوں نے محبت پیدا کرنے کے لئے سمجھ میں نہ آنے والے صرف چند احسانات گنا دینے پر بس کیا ہے۔ محبت پیدا کرنے کے حقیقی ذرائع مہیا نہیں کئے۔ صرف اسلام ہی ہے جس نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو حکم دیتا ہے انسان کے فائدہ کے لئے دیتا ہے اور کوئی حکم ایسا نہیں دیتا جس میں انسان کے لئے مضرّت ہو۔ وہ فرماتا ہے طٰهٰ ۚ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی۔ 41 ہم نے تجھ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تُو شریعت کے احکام کے نیچے دَب جائے بلکہ اس لئے نازل کیا ہے کہ دِلوں کے وساوس دُور ہو جائیں اور اُن کے شبہات کا ازالہ ہو جائے اور شریعت کی حکمتیں اُن پر ظاہر ہو جائیں۔ یہاں تک کہ قرآن کریم ماننے والوں کے لئے رحمت کا موجب ہو جائے۔ تکلیف، دُکھ یا دباؤ کا مؤجب نہ بنے۔ چنانچہ فرماتا ہے وَ نُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔ 42 اور ہم قرآن مجید کی وہ تعلیم بھی نازل کرتے ہیں جو دِلوں اور رُوحوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے اور شبہات کو دُور کرتی ہے اور اسی طرح نہ صرف مسلمانوں کے لئے یا موجودہ زمانے کے لوگوں کے لئے بلکہ تمام انسانوں اور تمام زمانوں کے لئے رحمت اور فضل ہے۔ قرآن کریم کی یہ خوبی ایسی ظاہر ہے کہ آخر قرآن کریم نے یہ دعویٰ بھی کر دیا ہے کہ تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ۔ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ۔ 43 اس کتاب میں شریعت کے احکام بیان کئے گئے ہیں بلکہ احکام

اس طرح کھول کھول کر بیان کئے گئے ہیں اور اُن کی حکمت اس طرح واضح کی گئی ہے کہ کئی دفعہ کفّار بھی ان حکمتوں کو سُن کر دِل میں خواہش کرنے لگتے ہیں کہ کاش! وہ بھی مسلمان ہوتے اور اُس شریعت پر عمل کرنے والے ہوتے جو انسانوں کے لئے رحمت و برکت اور ترقی کا موجب ہے نہ کہ جبر اور سختی کا موجب۔ غرض اسلام نے پہلی دفعہ مذہب کی بنیاد عقل اور محبت پر رکھی۔ قرآن کے بعد انسان خدا کو ایک غضب کا دیوتا نہیں سمجھتا بلکہ وہ اُس کو ایک رُوحانی باپ اور رُوحانی ماں کے طور پر سمجھتا ہے جو اُس کے فائدے کے لئے اور اُس کے آرام کے لئے اور اُس کی ترقیات کے لئے اُس کو ایسی نصیحتیں دیتا ہے کہ جن پر چل کر وہ سُکھ اور آرام دیکھ سکتا ہے۔ اس کی تشریح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک جنگ میں ایک کافر عورت جس کا بچہ کھو گیا تھا جب وہ مِل گیا تو وہ دُنیا ومافیہا سے غافل ہو کر اُسے پیار کرنے لگ گئی۔ آپ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تم اس عورت کو دیکھتے ہو کہ یہ کتنی خوش ہے، کیونکہ اس کا بچہ اسے مل گیا ہے۔ اِسی طرح جب خدا کا کوئی بندہ ہدایت پاکر اُس کی طرف لَوٹتا ہے تو وہ اُس ماں سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس نے اپنے کھوئے ہوئے بچے کو پالیا ہو۔[44]

اور اِسی مضمون کی طرف قرآن کریم نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [45] تُو کہہ دے کہ اے لوگو! اگر تمہارے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت ہے تو تم میری شریعت پر عمل کرو کیونکہ یہی شریعت سچی محبت پیدا کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ تم اگر اس شریعت پر عمل کرو گے تو وہ تمہاری محبت کو اتنا بڑھا دے گی کہ اُس کے نتیجہ میں خدا بھی تم سے محبت کرنے لگے گا اور تم مُحِبّ سے محبوب بن جاؤ گے۔

افسوس دُنیا نے اِس پُر حکمت تعلیم کی قدر نہ کی۔ مسلمان علماء میں سے غزالیؒ نے پردہ اُٹھا کر ایک جھلک اُس کی دیکھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس سے زیادہ اس کی جلوت کا معائنہ کیا۔ اور احمدیت نے اِس خوبی کو ایسے کامل طور پر واضح کیا کہ دُنیا کے دلوں کی پھر ایک دفعہ یہ حالت ہو گئی کہ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۔[46]

مگر ایسی اعلیٰ اور اکمل تعلیم کے آنے کے ہر گز یہ معنے نہ تھے کہ اُس کے نزول کے بعد جو خیر و شر کے قبول کرنے کا مادہ انسان میں رکھا گیا تھا وہ باطل کر دیا جائے۔ کیونکہ قرآن کریم سے واضح ہے کہ انسان کو دوسری مخلوقات پر ترجیح دینے کی اور کلامِ الٰہی کا حامل بنانے کی صرف اور صرف یہ وجہ تھی کہ انسان اپنے نفس پر جبر کر کے اپنی مرضی اور اپنے ارادہ سے خدا تک پہنچنے کی کوشش کر سکتا تھا اور اپنی مرضی اور اپنے ارادہ سے اس کو چھوڑ بھی سکتا تھا۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انسان میں خیر و شر کی مقدرت نہیں رہی تھی اور وہ ایک مقررہ رستہ پر چلنے پر مجبور تھا تو پھر اُسی دن سے انسان اپنی انسانیت بھی کھو بیٹھا تھا اور اب وہ نہ کسی انعام کا مستحق تھا نہ کسی سزا کا مستوجب۔ لیکن ایسا نہیں۔ قرآن کریم تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی انسان کو سزا اور جزا کا مستحق قرار دیتا ہے اور جب تک انسان خیر و شر پر عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور جب تک اُس کا ارادہ آزاد ہے اُس وقت تک جہاں اُس کے نیکی میں بڑھنے کا امکان موجود ہے وہاں اُس کے شرارت میں ترقی کرنے کے امکانات بھی موجود ہیں اور اگر اُس کے اندر تغیّر و تبدیلی کی طاقت موجود ہے، اگر وہ بدعت نکال سکتا ہے، اگر وہ تحریفِ معانی کر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے آدمیوں کے آنے کا بھی رستہ کھلا رہے گا جو ان باتوں سے اُسے روکیں اور صحیح رستہ کی طرف لائیں۔ اگر ایسا ہونا نہیں تھا تو قرآن کریم یہ نہ فرماتا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا۔ 47 یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کُفر کیا پھر ایمان لائے پھر کُفر کیا اور پھر کُفر میں اَور بھی بڑھ گئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اُن کے گناہوں کو معاف نہیں کرے گا اور وہ انہیں سیدھے راستے کی طرف نہیں لے جائے گا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد بھی کُفر کا دروازہ کھلا ہے۔

مسلمانوں کے بگڑنے کے متعلق پیشگوئیاں

اِسی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

کہ قیامت کے دن مَیں دیکھوں گا کہ بعض لوگ حوضِ کوثر سے ہٹا کر دوسری طرف لے جائے جائیں گے۔ اُس وقت مَیں کہوں گا کہ اُصَیْحَابِیْ۔ یہ تو میری جماعت کے لوگ ہیں۔ اِس پر خدا تعالیٰ فرمائے گا ''اِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ''۔[48] تجھے کیا معلوم کہ تیرے بعد ان لوگوں نے کیا کیا ہے۔

اِسی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ''۔[49] یعنی کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو بظاہر نمازیں بھی پڑھیں گے، قرآن بھی پڑھیں گے اور بظاہر دوسرے لوگوں سے زیادہ اچھی نمازیں بھی پڑھیں گے لیکن پھر بھی وہ دینِ اسلام سے اِسی طرح نِکل جائیں گے جس طرح تیر نشان گاہ سے باہر نِکل جاتا ہے۔

کثرت سے احادیث ایسی پائی جاتی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان بھی بگڑ سکتے ہیں اور بگڑیں گے اور آہستہ آہستہ اُن کی حالت ایسی ہو جائے گی جیسے یہود اور نصاریٰ کی ہوئی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لَتَتْبِعُنَّ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا فِیْ جُحْرِ ضَبٍّ لَاتَّبَعْتُمُوْھُمْ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلْیَھُوْدُ وَ النَّصَارٰی؟ قَالَ فَمَنْ''۔[50] یعنی ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جب کہ تم لوگ گزشتہ اقوام کے قدم بقدم چلو گے۔ یہاں تک کہ اگر انہوں نے گوہ کے سوراخ میں بھی اپنا ہاتھ ڈالا ہو گا تو تم بھی ویسا ہی کرو گے۔ صحابہؓ کہتے ہیں ہم نے پوچھا یارسول اللہ! کیا ان پہلے لوگوں سے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا اور کون۔ گویا آخر میں مسلمانوں میں یہود اور نصاریٰ والی غلطیاں پیدا ہو جائیں گی۔

قرآن کریم بھی اس کے متعلق فرماتا ہے یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔[51] اللہ تعالیٰ اس امر کو یعنی اسلام کو آسمان سے زمین کی طرف لائے گا اور مضبوطی سے قائم کرے گا۔ پھر ایک مدّت کے بعد وہ آسمان کی طرف چڑھنا شروع ہو جائے گا۔ اتنے لمبے زمانے میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ہزار سال ہو گی۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد کچھ عرصہ تک اسلام کی خوبیاں اور اُس کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم حقیقی معنوں میں دُنیا میں قائم ہوتی چلی جائے گی لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ حالت بدل جائے گی اور ایک ہزار سال تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی یہی تشریح فرماتے ہیں جو ہم نے اس وقت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَفْشُو الْکَذِبُ۔[52] یعنی سب سے بہتر تو وہ صدی ہے جس میں مَیں ہوں۔ پھر اس کے بعد دوسری صدی اچھی ہو گی، پھر تیسری صدی اچھی ہو گی، پھر جھوٹ، فریب اور خرابیاں دُنیا میں پھیل جائیں گی۔ اور آخری زمانہ کا نقشہ بھی آپ اس آیت کے مطابق کھینچتے ہیں اور فرماتے ہیں لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُہٗ وَ لَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ۔[53] کہ اُس زمانے میں اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کے صرف حرف باقی رہ جائیں گے۔ یعنی قرآن تو نہیں بدلے گا۔ قرآن تو موجود رہے گا لیکن قرآن کے سمجھنے والے مِٹ جائیں گے۔ اور اسلام تو نہیں بدلے گا اسلام تو موجود رہے گا لیکن اس پر عمل کرنے والے مِٹ جائیں گے۔ یہی سورۂ سجدہ میں بتایا گیا ہے کہ اسلام اُس وقت سمٹ کر آسمان پر چلا جائے گا۔

پھر اس سے بڑھ کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ عُلَمَاءُ ھُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَآءِ۔[54] یعنی عوام الناس تو الگ رہے علماء بھی اُس زمانے میں ایسے گر جائیں گے کہ آسمان کے نیچے اُن سے بدتر اور کوئی مخلوق نہ ہو گی۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ اسلام گرتے گرتے ایسی خطرناک حد تک پہنچ جائے گا اور اس کے دُشمن اتنی قوت پکڑ جائیں گے کہ حضرت نوحؑ سے لے کر آج تک کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اس فتنہ سے لوگوں کو نہ ڈرایا ہو۔[55] اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ ایمان اس قدر متزلزل ہو جائیں گے کہ یُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَیُمْسِیْ کَافِرًا اَوْ یُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَ یُصْبِحُ کَافِرًا۔[56] انسان صبح کے وقت اُٹھے گا تو مومن ہو گا اور شام کے وقت سوئے گا تو کافر ہو گا اور شام کو مومن سوئے گا اور صبح کے وقت کافر اُٹھے گا۔

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات اور احادیث سے صاف ثابت ہے کہ

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ اور آپ کی تعلیمِ کاملہ کے ہرگز یہ معنے نہیں کہ اِس کی موجودگی میں انسان بگڑ نہیں سکتے بلکہ قرآن کریم اور احادیث اس پر شاہد ہیں کہ نہ صرف یہ کہ اِس کی موجودگی میں لوگ بگڑ سکتے ہیں بلکہ وہ بگڑیں گے اور ایسے بگڑیں گے کہ اسلام کی عمارت متزلزل ہو جائے گی اور اسلام کا نام ہی دُنیا میں باقی رہ جائے گا اور قرآن کے حروف ہی دُنیا میں باقی رہ جائیں گے۔ حقیقت بالکل غائب ہو جائے گی حتّٰی کہ علماء عوام الناس سے بھی بدتر ہوں گے اور وہ دین کی حفاظت کی بجائے دین کو تباہ کرنے والے بن جائیں گے۔ اور جب یہ بات قرآن اور احادیث سے ثابت ہے تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑے گی۔ یاتو یہ کہ اسلام کے متعلق یہ عقیدہ کہ وہ قیامت تک جائے گا غلط ہے اور یا پھر یہ ماننا پڑے گا کہ ایسی غلطیوں کو دُور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگ آتے رہیں گے جو کہ اسلام کی عمارت پھر مرمّت کریں اور پھر اُس کو اپنی اصل شکل میں دُنیا کے سامنے پیش کریں۔ پہلا خیال تو قرآن اور حدیث کی رُو سے بالکل باطل اور غلط ہے۔ قرآن و حدیث اِس پر شاہد ہیں اور گواہ ہیں اور پہلی کتب بھی کہ قرآن کریم کی تعلیم قیامت تک ہے۔

مسلمانوں کی اصلاح کے لئے مردانِ خدا کے ظہور کے متعلق پیشگوئیاں

پس صرف ایک ہی رستہ کھلا رہتا ہے اور وہ یہ تسلیم کر لینا کہ جب کبھی مسلمانوں میں خرابی پیدا ہو گی اور وہ اسلام سے دُور چلے جائیں گے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسے آدمی آئیں گے جو اسلام کو اُس کی اصل شکل میں لوگوں کے سامنے ظاہر کریں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ۔ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔[57] اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تُو اپنے لوگوں سے کہہ دے کہ میرے خدا نے اسلام

کے ذریعہ سے تمام وہ باتیں جن کی بُرائی فطرت پر گراں ہے خواہ وہ نمایاں طور پر بُری ہوں یا اُن کی بُرائی کسی قدر مخفی ہو اُن سب کو حرام کر دیا ہے اور اِسی طرح اُس نے انتہائی درجہ کے گناہوں کو بھی حرام کر دیا ہے اور ایک دوسرے پر ظلم کو بھی حرام کر دیا ہے جو بغیر کسی قانونی یا اخلاقی وجہ کے ہو۔ اور اس سے بھی اُس نے منع کیا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنائے جس کے لئے کوئی آسمانی دلیل موجود نہیں۔ اور اس سے بھی اُس نے منع فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی ایسی بات کہو جس کو تم نہیں جانتے۔ اور اے لوگو! ہر قوم کے لئے ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آتا ہے تو وہ ایک گھڑی بھی مقررہ میعاد سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے اور ایک گھڑی بھی اُس مقررہ میعاد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اے آدم کی اولاد! اگر تمہاری طرف کوئی رسول آئیں جو تمہیں میرے نشانات پڑھ کر سُنائیں تو یاد رکھو کہ جو کوئی تقویٰ اختیار کرے گا اور اصلاح کو مدِّ نظر رکھے گا تو ایسے لوگوں کو نہ آئندہ کسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ گزشتہ غلطیوں پر کسی قسم کا غم پہنچے گا۔

یہ آیت قطعی طور پر مسلمانوں کے متعلق ہے۔ اس سے پہلے کی آیتیں بھی اور بعد کی آیتیں بھی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمّت کے متعلق ہیں اور اس آیت میں صاف کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی خرابی کے وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسے انسان کھڑے کئے جاتے رہیں گے جو اُن کو خدا تعالیٰ کی باتیں سُنائیں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف واپس لانے کی کوشش کریں گے۔ جو لوگ اُن کی باتوں پر کان دھریں گے اور فساد اور فتنہ کی باتوں کو ترک کریں گے اور تقویٰ اور اصلاح کے رستوں کو اختیار کریں گے اُن کے لئے خدا کی طرف سے برکتیں اور رحمتیں ہوں گی اور خدا اُن کا خود محافظ ہو گا۔ اسی کی تصدیق میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا**۔[58] اللہ تعالیٰ اِس اُمّت میں ہر صدی کے سر پر ایسا آدمی مبعوث کرے گا جو اُمّت کی خاطر اور اُس کے فائدہ کے لئے اور اُس کے دین کو پھر نئے سرے سے اُجاگر اور روشن اور غلطیوں سے پاک کر دے گا۔

اِس حدیث کے ہم نے دو حوالے لکھے ہیں۔ شیعوں اور سُنیوں دونوں کی کُتب سے جس سے ہمارا منشاء یہ ہے کہ یہ حدیث تمام مسلمانوں میں متفق علیہ ہے۔

مصلحین اور مجددین کی مخالفت

یہ ظاہر ہے کہ جو شخص بھی تجدیدِ دین کرے گا وہ زیادہ یا کم رائج الوقت خیالات یا عقائد کے خلاف باتیں کرے گا تو اُس وقت کے تمام وہ علماء جو اُس کے ساتھ متفق نہیں ہوں گے اس کی تردید اور تکذیب کریں گے۔ چنانچہ اس اُمّت میں ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ حضرت جُنید ؒ بغدادی پر کُفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے۔[59]

حضرت محی الدین ابن عربی کو علماء نے کافر اور زندیق کہا۔ آپ خود تحریر فرماتے ہیں ’’لَقَدْ وَقَعَ لَنَا وَ لِلْعَارِفِیْنَ اُمُوْرٌ وَ مِحَنٌ بِوَاسِطَةِ اِظْهَارِنَا الْمَعَارِفَ وَ الْاَسْرَارَ وَ شَهِدُوْا فِیْنَا بِالزَّنْدَقَةِ وَ اٰذُوْنَا اَشَدَّ الْاَذٰی وَ صِرْنَا کَرَسُوْلٍ کَذَّبَهٗ قَوْمُهٗ وَ مَا اٰمَنَ مَعَهٗ اِلَّا قَلِیْلٌ وَ اَعْدٰی عَدُوٌّ لَّنَا الْمُقَلِّدُوْنَ لِاَفْکَارِهِمْ۔[60] یعنی ہمیں اور خدا کے دوسرے عارف بندوں کو دین کے معارف اور اسرار کے ظاہر کرنے پر بڑی بھاری مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ لوگوں نے ہمیں کافر اور زندیق قرار دیا ہے اور اُنہوں نے ہمیں شدید ترین تکالیف پہنچائی ہیں۔ اور ہم اُس رسول کی طرح ہو گئے ہیں جسے اس کی قوم نے جھٹلا دیا ہے اور جس پر صرف چند لوگ ایمان لائے۔ اور اِس بارہ میں ہمارے شدید ترین دُشمن وہ لوگ ہیں جو اپنے خیالات اور افکار کے مقلّد ہیں۔

اسی طرح حضرت امام غزالیؒ پر کُفر کا فتویٰ لگایا گیا اور اُن کی کتابوں کو جلا دینا اور اُن پر لعنت کرنا ثواب سمجھا گیا۔[61]

حضرت امام ابو حنیفہؒ کو کافر، زندیق اور بدعتی کہا گیا۔ ان پر طرح طرح کی سختیاں کی گئیں اور انہیں قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔

حضرت امام شافعیؒ کو لوگوں نے رافضی کہہ کر قید کروا دیا۔[62]

حضرت امام مالکؒ پر کئی قسم کی سختیاں کی گئیں۔ ایک دفعہ اُن کی ایسی بے دردی سے مُشکیں باندھی گئیں کہ اُن کا بازو اُکھڑ گیا۔ پھر اُنہیں کوڑے مارے گئے اور وہ قید

میں ڈالے گئے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی قید کئے گئے اور اُن کے پاؤں میں بھاری بھاری بیڑیاں ڈالی گئیں۔ انہیں ذلیل کرنے کے لئے لوگ اُن کو تھپڑ مارتے اور اُن کے مُنہ پر تھوکتے تھے۔ حضرت امام بخاری وطن سے نکالے گئے۔ 63

حضرت بایزید بسطامیؒ سات دفعہ اپنے شہر سے نکالے گئے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ مشکیں باندھ کر بغداد بھیجے گئے اور علماء کی ایک جماعت اُن کے کُفر کی گواہی دینے کے لئے اُن کے ساتھ گئی۔ 64

حضرت سیّد عبد القادر جیلانیؒ پر اُس وقت کے علماء و فقہاء نے کُفر کا فتویٰ لگایا۔ 65 حضرت شیخ احمد صاحب سرہندیؒ نے مجدّدیت کا دعویٰ کیا اور اُن کے ساتھ یہ سلوک ہؤا کہ کافر ٹھہرائے گئے اور قید میں ڈالے گئے۔ 66

حضرت شاہ ولی اللہؒ محدّث دہلوی نے مجدّدیت کا دعویٰ کیا اور اُن کے زمانے میں بھی اُن کے ساتھ بہت کچھ سختیاں کی گئیں اور انہیں بدعتی اور گمراہ کہا گیا۔ پھر حضرت سیّد احمد بریلویؒ نے مجدّدیت کا دعویٰ کیا اور خود مسلمانوں نے سکھوں کے ساتھ مل کر اُن کو قتل کرادیا۔ 67

حقیقت یہ ہے کہ اصلاح بغیر تجدید کے نہیں ہو سکتی اور تجدید پر اُس وقت کے علماء میں انقباض پیدا ہونا طبعی امر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰحَسۡرَةً عَلَی الۡعِبَادِ ۚ مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا کَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ۔ 68 اے افسوس انسانوں پر کہ کبھی کوئی رسول اُن کی طرف نہیں آیا جس کے ساتھ اُنہوں نے ہنسی اور تمسخر کا سلوک نہ کیا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے سارے طریقوں کو بند کر دیا۔ اب تمام روحانی طریقے آپ ہی سے جاری ہو سکتے تھے اور ہونے والے تھے۔ اسی طرح پہلے زمانوں میں جو مختلف نبیوں کے زمانہ میں خرابیاں ہوئیں وہ بھی مجموعی طور پر آپ کی اُمّت میں پیدا ہونی تھیں کیونکہ اَب خدا اور وسواس دونوں کی جولانگاہ صرف ایک ہی اُمّت ہو گئی تھی۔ اس قاعدہ کُلّیہ کے ماتحت جو ہم نے اُوپر لکھا ہے اور جس کی

تصدیق قرآن اور حدیث سے ہوتی ہے یہ لازمی بات تھی کہ حضرت مرزا صاحبؑ کے دعوے کی بھی مخالفت ہوتی اور علماء آپ کے خلاف کھڑے ہو جاتے لیکن دیکھنے والی بات یہ نہیں کہ علماء ان کے خلاف کھڑے ہیں دیکھنے والی بات صرف یہ ہے کہ:۔

(1) کیا مسلمان کبھی بگڑ سکتے ہیں یا نہیں؟

(2) کیا علماء کبھی بگڑ سکتے ہیں یا نہیں؟

(3) کیا مسلمانوں کے بگڑنے کی کوئی خبر قرآن نے دی ہے یا نہیں؟

(4) کیا علماء کے بگڑنے کی کوئی خبر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے یا نہیں؟

(5) کیا اسلام سے غافل ہو جانے اور اس کی تعلیم کو چھوڑ دینے کی کوئی خبر قرآن اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے یا نہیں؟

اگر یہ خبریں قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں تو پھر حضرت مرزا صاحبؑ یا اور کسی گزشتہ بزرگ کی مخالفت اسلامی اصول سے جائز نہیں ہو سکتی اور نہ یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلام نے ایسی تحریکوں کو بزور منع کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم یہ قطعی طور پر ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن اور حدیث کے مطابق مسلمانوں کے لئے مختلف زمانوں میں بگڑنا ضروری تھا اور اس حد تک بگڑنا ضروری تھا کہ وہ اسلام اور قرآن کی تعلیم سے بالکل غافل ہو جائیں۔ اور یہ بھی ضروری تھا کہ اِس زمانے کی اصلاح کے لئے خدا کی طرف سے کوئی شخص کھڑا کیا جائے۔ اِن دونوں صورتوں کی موجودگی میں کوئی انسان یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ اکثریت اُس شخص کے خلاف نہیں ہوگی جو اصلاح کے لئے کھڑا کیا جائے گا۔

اگر اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ اکثریت اپنے مذہب کو زور سے منوا لے اور اگر اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ اکثریت اپنے مخالف کو مٹانے کا اختیار رکھتی ہے اور وہ اس بات کی مجاز ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ اسلام ایک ہی مُنہ سے تو یہ کہتا ہے کہ مسلمان بگڑیں گے اور اُن کی اصلاح کے لئے خدا کی طرف سے آدمی آئیں گے اور اُسی مُنہ سے وہ یہ کہتا ہے کہ اکثریت کو اختیار ہے کہ وہ ایسی اقلّیت کو کچل ڈالے اور اس کو تباہ کر دے۔ گویا خدا تعالیٰ خود اپنے بنائے ہوئے گھر کے گرانے کا سامان کرتا ہے۔ آخر وہ کونسی

آسمانی طاقت آئے گی جو یہ بتائے گی کہ یہ اصلاح کا مُدعی سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ کیا یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ آدم سے لے کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کو تو اُن کے مخالف تکلیف دینے پر قادر ہو سکے اور اُن کو طرح طرح کے دکھوں میں مُبتلا کیا گیا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کو بھی کہنا پڑا کہ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ کہنا پڑا کہ سب سے زیادہ مشکلات اور مصائب خدا تعالیٰ کے انبیاء پر آیا کرتے ہیں اور پھر اُن سے نیچے اُتر کر جتنا جتنا کوئی شخص خدا تعالیٰ کو پیارا ہوتا ہے اُتنی ہی اُس پر مشکلات آتی ہیں۔ 69

لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو مصلح اور مجدّد آئیں گے آسمان سے فرشتے اُن کی مدد کے لئے اُتر کر سب مسلمانوں کو بتادیں گے کہ یہ شخص سچا ہے تم اس کی مخالفت نہ کرو۔ جو بات سارے رسولوں کو حاصل نہیں ہوئی حتّٰی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل نہیں ہوئی وہ آپ کے ایک خادم اور تابع کو حاصل ہو جائے گی۔ یہ بات نہ صرف عقلاً غلط ہے بلکہ نقلاً بھی غلط ہے کیونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ مَاتَ بِغَيْرِ إِمَامٍ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ 70 یعنی وہ شخص جس نے اپنے زمانہ کے امام کو قبول نہ کیا اور اُسی حالت میں مَر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ یعنی اماموں کے آنے کے بعد کچھ لوگ انہیں مانیں گے اور کچھ نہیں مانیں گے۔ اگر لوگوں کو زبردستی ایمان لے آنا تھا اور ہدایت سب پر کھل جانی تھی تو پھر اس حدیث کے معنے ہی کیا رہ جاتے ہیں۔ اور اگر مخالفت ہونی تھی تو پھر لازماً ایک طرف اکثریت کا ہونا ضروری تھا اور ایک طرف مصلح اور اس کی چھوٹی سی جماعت کا ہونا۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اُن کی قبولیت کو دُنیا میں پھیلا دے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اکثریت ہمیشہ حق پر ہوتی ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اقلّیت کو دبانے کا اکثریت کو حق حاصل ہے، اُس کو قید کرنے اور قتل کرنے کا بھی حق ہے، اُس کو جبراً مذہب بدلوانے کا بھی حق ہے، اُس کو اُس کے ضمیر کے خلاف مجبور کر کے اپنے اندر شامل کر لینے کا بھی حق ہے اُن کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اُمّتِ محمدیہ میں جتنے مصلح اور جتنے مجدّد آئیں گے اُن سب کی گردنیں اور اُن سب کی

جماعت کی گردنیں علماءِ سُوء کے ہاتھ میں ہوں گی اور وہ اختیار رکھیں گے کہ جس وقت چاہیں اُن کی گردن مروڑ دیں اور یہ سب کچھ اسلام کے نام پر ہو گا جس کی تائید کے لئے وہ مصلح کھڑے ہوں گے اور جس نے اُن کی بعثت کی خبر دی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مُلک کی اکثریت نے حضرت محی الدین ابن عربیؒ، حضرت امام غزالیؒ، حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، حضرت مجدّد الف ثانیؒ، حضرت مولانا شاہ ولی اللہؒ اور حضرت سیّد احمد بریلویؒ وغیرہ بیسیوں صلحاءِ اُمّت کی سخت مخالفت کی۔ اُس وقت کے اجماع کا فیصلہ آج کیوں باطل ہو گیا ہے اور اُس وقت کی اقلّیت آج حق پر کیوں سمجھی جاتی ہے؟

کہا جاتا ہے کہ مرزا صاحبؑ کی مخالفت کی یہ وجہ ہے کہ اُنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے مگر ہم پوچھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اِس قسم کا دعویٰ خدا کی طرف سے خبر پاکر کرے تو کیا لوگوں کا یہ حق ہے کہ وہ اس کے خلاف کھڑے ہو جائیں اور اس کی جماعت کو دُنیا سے مٹانے کی کوشش کریں؟ اگر یہ درست ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انسانی حکومت کی تائید میں بولنے والا انسان مجرم نہیں بلکہ تعریف کے قابل ہے لیکن خدا کی حکومت کی تائید میں بولنے والا انسان کُشتنی اور گردن زَدنی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صاف طور پر فرماتا ہے وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ۔[71] اور نہ ماننے والے ہمیشہ اپنی طرف مبعوث ہونے والے رسولوں سے یہ کہتے آئے ہیں کہ ہم یقیناً تم کو اپنے مُلک سے نکال دیں گے یا تم ہمارے مذہب کی طرف واپس لَوٹ آؤ گے۔ اس موقع پر رسولوں کا ربّ بھی اُن کی طرف وحی کرتا رہا ہے کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے۔ کیا جو بات قرآن کے رُو سے ہمیشہ نبیوں کے دُشمن کرتے چلے آئے تھے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اب اس کو اسلام کی تصدیق حاصل ہو گئی ہے اور کیا اب وہ علماء جو اپنے آپ کو ورثہ انبیاء کہتے ہیں کفّار کی اس دیرینہ رسم کا پورا کرنے کے ذمّہ دار بن گئے ہیں؟ اور

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو کام ظلم تھا اب وہ انصاف اور عدل ہو گیا ہے؟

اسی طرح سورۂ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی سابق زمانے میں خدا تعالیٰ کے کچھ مُرسل آئے (ان کو مفسرین نے حضرت مسیحؑ کے حواری قرار دیا ہے۔[72]) تو لوگوں نے اُن سے کہا کہ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَ لَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ[73] اگر تم اپنے خیالات کی تبلیغ سے باز نہیں آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر کے قتل کر دیں گے اور تم کو دردناک عذاب پہنچائیں گے۔ کیا ان آیات سے یہ ظاہر نہیں کہ نبیوں اور ولیوں کے دُشمن ہمیشہ نبیوں اور اُن کے ماننے والوں کو قتل کرنے، عذاب پہنچانے اور مُلک سے نکال دینے کی دھمکیاں دیتے رہے ہیں کیا یہی وہ دھمکیاں نہیں تھیں جو اس زمانہ کے علماء نے احمدیوں کو دیں؟ کیا انہوں نے نہیں کہا کہ ان لوگوں کو اس مُلک سے نکال دینا چاہئے؟ کیا ان لوگوں نے یہ نہیں کہا کہ ان لوگوں کو بہت سے حقوق سے محروم کر دیا جائے؟ کیا ان لوگوں نے یہ نہیں کہا کہ اگر یہ باز نہ آئیں تو ان کو قتل کر دینا چاہئے؟ اور یہی تین باتیں ہیں جو قرآن کریم کے رُو سے انبیاء کے دُشمن کہتے چلے آئے ہیں۔

اسی طرح ایک اَور جگہ قرآن کریم میں آتا ہے قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ[74] یعنی شعیب کی قوم کے ان سرداروں نے جو سخت متکبر تھے شعیبؑ سے کہا کہ ہم ضرور تجھ کو اپنے علاقہ سے نکال دیں گے اور ان کو بھی جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں۔ یا تجھے ہمارے مذہب میں واپس لَوٹنا ہو گا۔ شعیبؑ نے جواب میں کہا کیا اگر ہم تمہارے دین کو ناپسند کرتے ہوں تب بھی تم ہم کو لَوٹا دو گے؟

اس آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت شعیبؑ نے اس بات کو حیرت سے دیکھا ہے کہ کوئی شخص اپنے عقیدہ کے خلاف کسی دوسرے عقیدہ کے اظہار پر مجبور کیا جائے اور خدا تعالیٰ نے اُن کے اس استدلال کو درست تسلیم فرمایا ہے کیونکہ اس نے ان کے استدلال کو قرآن کریم میں درج فرما کر اس کی ہمیشہ کے لئے تصدیق کر دی ہے۔ یہ تو قبل از زمانۂ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہیں جو قرآن کریم نے بیان کی ہیں اور

الٰہی تصدیق کے بعد ہمارے لئے قابلِ عمل ہیں اور ضروری ہیں اور سچے مذہب کی آئیڈیالوجی کو ظاہر کرتی ہیں۔ مگر قرآن کریم نے بھی اسلامی تعلیم میں ان باتوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ[75] اے اسلام کے منکرو! تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور ہمارے لئے ہمارا دین ہے۔

اسی طرح فرماتا ہے لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ[76] دین میں کسی قسم کا جبر نہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں منافقوں کو متواتر بُرا کہا ہے۔ فرماتا ہے یَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاہِہِمۡ مَّا لَیۡسَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ ؕ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا یَکۡتُمُوۡنَ۔[77] یہ لوگ وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپا رہے ہیں اور آج جماعتِ اسلامی، مجلسِ عمل اور مجلسِ احرار کہتی ہیں کہ ہم احمدیوں کو مجبور کریں گے کہ وہ وہ باتیں کہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں۔ یعنی وہ دل سے تو حضرت مرزا صاحبؑ کو مامور مِنَ اللہ مانیں گے لیکن مُنہ سے اُن کو ان عقائد کا اقرار کرنا پڑے گا جو مولانا مودودی یا مجلسِ احرار یا علماءِ دیوبند بیان کرتے ہیں۔ گویا جس چیز کو قرآن کریم ناپاک اور مردود قرار دیتا ہے اور اسلامی آئیڈیالوجی کے خلاف اور قابلِ نفرت فعل ٹھہراتا ہے مولانا مودودی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا ابو الحسنات اور علماء دیوبند اِسی فعل کے ارتکاب پر احمدیوں کو مجبور کرنا چاہتے ہیں۔ آخر وہ کونسی منطق ہے جو اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ احمدیوں کو تین دن قید کرنے کے بعد ان کے عقائد وہ نہیں رہیں گے جو تین دن پہلے تھے اور وہ دل سے اور ضمیر کی تائید سے اُن عقائد کے قائل ہو جائیں گے جو مولانا مودودی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا ابو الحسنات بیان کرتے ہیں۔ جن کے احمدی پہلے مُنکر تھے۔ تین ہی دن کی مدّت فقہا اس فاقہ شُدہ کے لئے بھی مقرر کرتے ہیں جسے سؤر کھانا جائز ہو جاتا ہے۔ شاید مُرتد کو تین دن قید کرنے کی بھی یہی حکمت ہے کہ اتنے ظلم کے بعد اسے جھوٹ بولنا جو سؤر کھانے کے برابر ہے جائز ہو جائے گا۔ مگر کیا قید سے یقین پیدا ہؤا کرتا ہے؟ کیا قید اطمینانِ قلب پیدا کر دیتی ہے؟ کیا قید انسان کے خیالات کو درست کر دیتی ہے؟ کیا موت کا ڈر انسان کے خیالات کو صاف کر دیتا ہے؟ کیا

موت کا ڈر منافق بنا دیتا ہے مومن نہیں بناتا؟ اور منافقت تو ایک ایسی لعنت ہے کہ جس قوم میں بھی آئی وہ تباہ ہو گئی۔

یہ تو ہم مان سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دیدہ و دانستہ اپنے فوائد کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مسلمان ہونے کے لئے آئے تو ہمارا حق نہیں کہ ہم اُس کو مسلمان کرنے سے انکار کریں کیونکہ ہمیں قلوب کا علم نہیں۔ جیسا کہ تاریخ میں آتا ہے کہ ابوسفیان نے مُنہ سے تو یہ کہا کہ مَیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر شک کرتا ہوں مگر بیعت کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور آپؐ نے اس کی بیعت لے لی۔[78] کیونکہ کسی شخص کا اس خیال سے بیعت کر لینا کہ میرا ایمان ایسے مرحلے پر پہنچ چکا ہے کہ شاید کچھ دنوں تک بعض ایسے مسائل جو اَب تک میری سمجھ میں نہیں آئے حل ہو جائیں گے یہ اس کے اختیار کی بات ہے مگر کسی شخص کا اس پر جبر کرنا اور یہ کہنا کہ تو اُن عقائد کا اظہار کر جن کے خلاف تیرا دل کہتا ہے یہ نہایت ظالمانہ، نہایت ناپاک اور نہایت مکروہ فعل ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اگر کوئی شخص دوسرے عقائد رکھتا ہے تو وہ اس جماعت سے الگ ہو جائے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ اس جماعت کے اصل عقیدے وہی ہیں جن پر وہ ایمان رکھتا ہے تو وہ اس جماعت سے کس طرح الگ ہو سکتا ہے۔ وہ یہی سمجھے گا کہ مَیں جن عقائد پر قائم ہوں وہی اس مذہب کے عقائد ہیں اور دوسرے لوگ یہ سمجھیں گے کہ جو اُن کے عقائد ہیں وہی ان کا مذہب انہیں سکھلاتا ہے۔ آگے دُنیا فیصلہ کر لے گی کہ کس کی بات ٹھیک ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ جس مذہب کو مانتا ہے اُس مذہب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا چھوڑ دے۔ آخر یہ دُنیا نے کیا پلٹا کھایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس بات کے مرتکب کفّار ہوتے تھے، جس بات کو قرآن کریم بار بار ردّ کرتا، ناجائز ٹھہراتا اور ظلم قرار دیتا ہے وہی مردود بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُن علماء کا جو نائبِ رسولؐ سمجھے جاتے ہیں، حق بن گئی اور ان کا خاص کام قرار پاگئی۔ کیا کُفر اسلام بن سکتا ہے؟ کیا خدا کی جگہ شیطان لے سکتا ہے؟ مَعَاذَاللّٰہ۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جن چیزوں پر ان علماء نے شورش کی اور جن پر شورش کرنا اپنا حق قرار دیا ہے وہ ابتدائے اسلام سے مسلمانوں میں موجود رہی ہیں اور ابتدائے اسلام سے مسلمانوں کے علماء اور اولیاء اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اُن کی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں بلکہ اُن میں سے بعض اسلامی آئیڈیالوجی کا حصّہ ہیں اور وہ ایسی باتیں نہیں ہیں کہ اگر وہ غلط بھی سمجھی جائیں تو اُن پر شورش اور فساد کرنے کا کسی کو حق ہو۔

جماعت احمدیہ کے خلاف اعتراضات کا خلاصہ

بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور جماعت احمدیہ کے متعلق جو باتیں شورش کا موجب قرار دی گئی ہیں وہ خلاصۃً مندرجہ ذیل ہیں:

اوّل۔ احمدیوں نے اسلام میں اُمّتیوں پر نزولِ وحی اور نزولِ جبرئیل تسلیم کیا ہے حالانکہ نہ غیر نبی پر وحی نازل ہو سکتی ہے نہ بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبرئیل نازل ہو سکتا ہے۔ ایسے عقیدہ والا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتا ہے۔

دوم۔ انہوں نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کی ہتک کی ہے۔

سوم۔ انہوں نے (مرزا صاحبؑ کے) مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تسلیم کیا ہے اور حضرت مسیح ناصریؑ کی وفات کا اعلان کر کے مسلمانوں کی دل شکنی کی ہے۔

چہارم۔ انہوں نے ایک نئی اُمّت بنائی ہے اور اپنے نہ ماننے والوں کو کافر اور خارج از اسلام کیا ہے۔

پنجم۔ انہوں نے اپنے مخالفوں کے پیچھے نمازیں پڑھنے سے روکا ہے، اُن کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے روکا ہے اور اُن کو لڑکیاں دینے سے روکا ہے۔

ششم۔ انہوں نے ایک غیر مسلم حکومت کی اطاعت کرنے کی تعلیم دی ہے اور اُن کی تائید میں جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے۔

ہفتم۔ انہوں نے مسلمان حکومتوں سے اور مسلمان تحریکوں سے کوئی ہمدردی نہیں کی۔

ہشتم۔ انہوں نے مسلمانوں کو عموماً اور مسلمان علماء کو خصوصاً سخت گالیاں دیں۔

نہم۔ انہوں نے مسلمانوں سے الگ رہنے کی کوششیں کیں۔ مثلاً ربوہ بنایا۔

دہم۔ ایک بات احمدیوں کے متعلق یہ بھی کہی گئی ہے کہ وہ پاکستان کے مخالف ہیں اور عقلاً بھی وہ مخالف ہونے چاہئیں کیونکہ وہ ایک امام کو مانتے ہیں اور اس طرح وہ ایک متوازی حکومت بنانے کے مجرم ہیں۔

سوال نمبر 1۔ متعلق اجرائے وحی و نزولِ جبرئیل

کہا گیا ہے کہ یہ فسادات احمدیوں کے عقائد اور اُن کے طرزِ عمل کا طبعی نتیجہ تھے کیونکہ احمدیوں کا نبوّت اور نزولِ وحی کے متعلق نظریہ اپنی ذات میں اتنا اشتعال انگیز ہے کہ کوئی مسلمان اسے برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنے والا ہے اور مسلمانوں کو اِس پر غصّہ آنا لازمی ہے۔ اور علماء نے لوگوں کو نہیں اُکسایا بلکہ لوگ خود اِن باتوں کو سُن کر جوش سے اندھے ہو گئے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ احمدی جماعت کے عقائد آج پہلی مرتبہ لوگوں کے سامنے نہیں آئے بلکہ آج سے ستّر سال پہلے سے سامنے آرہے ہیں۔ اگر ان سے واقع میں طبائع میں جوش پیدا ہو سکتا تھا تو وہ ستّر سال پہلے پیدا ہونا چاہئے تھا نہ کہ آج۔

کہا گیا ہے کہ:

> "پہلے انگریزی حکومت تھی جس کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں تھا لیکن اب قیامِ پاکستان کے بعد مسلمانوں کو اپنے جذبات کے اظہار کا موقع میسر آیا ہے"۔

اِس کے جواب میں معزّز عدالت کی توجہ کے لئے مندرجہ ذیل حقائق پیش کئے جاسکتے ہیں:۔

(1) انگریزی دَورِ حکومت میں ہندو مسلم اور شیعہ سُنّی فسادات ہوتے رہے۔ انفرادی طور پر مذہبی اختلافات کی بناء پر بھی قتل کی وارداتیں ہوتی رہیں مثلاً راجپال، شردھانند وغیرہ قتل ہوئے۔ سیاسی اختلافات کی بناء پر انگریز گورنر جنرل (لارڈ منٹو)

قتل ہوئے۔ بعض انگریز گورنروں اور انگریز افسروں پر قاتلانہ حملے ہوئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ برِّ عظیم ہندوپاکستان میں گزشتہ ستّر سال میں کبھی احمدی غیر احمدی فسادات نہیں ہوئے اور نہ مذہبی اختلافات کی بناء پر کبھی کوئی احمدی قتل ہؤا۔ پس اگر احمدیہ عقائد ، احمدیہ لٹریچر اور دوسرے مسلمانوں سے ان کی نمازوں اور جنازوں میں علیحدگی، باہمی تکفیر اور مسئلہ ختمِ نبوّت مسلمانوں کے لئے فِی الحقیقت ناقابلِ برداشت ہوتا تو کبھی ممکن نہ تھا کہ باہم فسادات نہ ہوتے اور کوئی احمدی کبھی کسی غیر احمدی کے ہاتھ سے مارانہ جاتا۔

(2) پھر قیامِ پاکستان کے بعد بھی 1947ء سے لے کر 1953ء تک چھ سال یہ فسادات کیوں رُکے رہے؟ کہا گیا ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد چونکہ مسئلہ مہاجرین اور مسئلہ کشمیر اور مسئلہ خوراک کی طرف سب کو توجّہ تھی اس لئے احمدیوں کے خلاف مسلمانوں کا جوش دبا رہا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو جملہ مسائل ابھی تک حل نہیں ہوئے اور اب بھی اسی طرح مسلمانوں کی توجّہ کا مرکز ہیں جس طرح پہلے تھے۔ دوسرے یہ کہ باوجود اِن مسائل کے قیامِ پاکستان کے بعد 1953ء کے فسادات سے قبل پاکستان میں چار مقامات پر (نارووال ضلع سیالکوٹ، ضلع لاہور، ضلع سرگودھا اور ضلع میانوالی میں) شیعہ سُنّی فسادات ہوئے لیکن کسی جگہ احمدی غیر احمدی فسادات نہیں ہوئے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ ابتداءً عام مسلمانوں کے دل میں احمدیوں کے خلاف ہرگز وہ جوش اور اشتعال نہیں تھا جو اُن کے دلوں میں شیعوں کے خلاف تھا۔ احمدیوں کے خلاف تو جوش و اشتعال ایک لمبی مُدّت کی مسلسل کوششوں کے بعد پیدا ہؤا ہے۔

(3) قیامِ پاکستان سے پہلے اور مابعد احمدیوں اور غیر احمدیوں کے مابین مسئلہ ختمِ نبوّت اور صداقت حضرت مرزا صاحبؑ اور وفاتِ مسیحؑ کے مسائل پر گزشتہ پچاس ساٹھ سال سے مناظرے ہوتے رہے ہیں۔ ہندوستان کے ہر بڑے شہر اور پنجاب کے قصبوں اور قریوں تک میں ایسے مناظرے ہوئے اور ہزاروں ہزار مسلمان نہایت شوق کے ساتھ یہ مناظرے سُنتے رہے لیکن ہمیشہ پُر امن رہے کبھی کسی جگہ کوئی فساد نہیں ہؤا۔ یہ امر واقعہ بذاتِ خود اِس خود ساختہ نظریے کو غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ فسادات طبعی تھے۔

(4) پھر یہ کہنا کہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی وحی یا نبوت کا تصوّر برداشت ہی نہیں کر سکتا، اِس وجہ سے بھی غلط ہے کہ احمدی جماعت کہیں باہر سے نہیں آئی بلکہ قریباً تمام احمدی یہاں کے مسلمانوں ہی میں سے جماعت میں آئے ہیں۔ ان میں علماء بھی ہیں، صوفیاء اور گدّی نشین بھی اور مذہبی اور دُنیاوی لحاظ سے تعلیم یافتہ بھی۔

مشہور علماء جنہوں نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی صداقت کا اقرار کیا

حضرت مولانا نورالدین صاحب بھیروی، حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی، حضرت مولانا برہان الدین صاحب جہلمی، حضرت مولانا محمد احسن صاحب امروہی، حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحب (سابق مدرّس دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم سہارنپور)، حضرت مولانا قاضی سیّد امیر حسین صاحب سابق مدرّس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، حضرت مولانا فضل الدین صاحب کھاریاں، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب میرٹھی، حضرت مولانا انوار حسین خاں صاحب شاہ آباد ضلع ہردوئی، حضرت مولانا حافظ سیّد علی میاں صاحب شاہجہانپوری، حضرت مولانا قاضی خلیل الدین احمد صاحب رازی تلہری، حضرت مولانا غلام حسین صاحب لاہوری گمٹی والے، حضرت مولانا حسن علی صاحب واعظ (جنہوں نے تمام ہندوستان میں دورہ کر کے تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کیا، جن کی تبلیغی سرگرمیاں تمام ہندوستان میں مشہور ہیں۔)، حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی، حضرت مولانا امام الدین صاحب گولیکی ضلع گجرات، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب فاضل جلالپوری، حضرت مولوی محمد دلپذیر صاحب بھیروی (مشہور پنجابی شاعر) حضرت میاں ہدایت اللہ صاحب لاہوری (پنجابی شاعر سہ حرفی والے)، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی حنفی، حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری، حضرت مولانا عبدالواحد صاحب آف براہمن بڑیہ بنگال، حضرت مولانا فضل الدین صاحب بھیروی وغیرہ مشہور و مسلّم علماء۔

پیر اور گدّی نشین

پیرانِ عِظام اور گدی نشینوں میں سے حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف والے (جو سابق ہِزہائینس نواب صاحب بہاولپور کے پیر تھے اور جن کے لاکھوں مُرید ریاست بہاولپور اور سندھ میں موجود ہیں)، حضرت پیر صاحب کوٹھے والے (صوبہ سرحد)، حضرت پیر صاحب العَلَم (صوبہ سندھ)، حضرت پیر سراج الحق صاحب جمالی نعمانی سرسہ شریف (یو۔پی)، حضرت صوفی احمد جان صاحب لدھیانوی، حضرت حافظ روشن علی صاحب و حضرت پیر برکت علی صاحب نوشاہی (آف رنمل شریف ضلع گجرات)۔

مسلم مشاہیر جنہوں نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تعریف کی یا اُن کی مخالفت نہیں کی

مولانا شبلی نعمانی، مولانا عبدالحلیم شرر، شمس العلماء مولانا سیّد میر حسن صاحب سیالکوٹی، شمس العلماء مولانا ممتاز علی صاحب، خواجہ حسن نظامی دہلوی، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبد الماجد دریا بادی، مولانا غلام مرشد صاحب (خطیب شاہی مسجد لاہور)، حکیم برہم مدیر شرق گورکھپور، مولانا عبداللہ العمادی، چوہدری سر شہاب الدین، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، خلیفہ محمد حسین صاحب وزیر اعظم پٹیالہ، سیّد ریاض احمد صاحب ریاض خیر آبادی مدیر ریاض الاخبار گورکھپور، شمس العلماء مولانا الطاف حسین صاحب حالی، مولانا اکبر الٰہ آبادی۔

والیٔ قلات

اس سلسلہ میں ہم موجودہ نواب صاحب بلوچستان کے دادا جناب معلّٰی القاب میر خداداد خان صاحب سابق والیٔ قلات کا نام خاص طور پر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے بھی حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تصدیق فرمائی تھی۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس معزّز عدالت کے روبرو اپنے بیان میں اس امر کا ذکر فرمایا تھا تو اس کے بعد موجودہ نواب صاحب نے اس کی صحت سے انکار کیا اور اخبارات میں بھی تردید شائع کرائی۔ حقیقتِ حال کو واضح کرنے کے لئے ہم جناب میر خدا داد خان صاحب مرحوم سابق والیٔ قلات کا اصل خط

معزز عدالت کے ملاحظہ کے لئے پیش کرتے ہیں جس سے حضرت امام جماعت احمدیہ کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

عکس مکتوب

جناب معلی القاب میر خدا داد خان مرحوم

سابق والئے قلات

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال

اس سلسلہ میں ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کا ذکر بھی ضروری ہے کیونکہ اگرچہ یہ درست ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی وفات کے قریب (1933،34ء کے بعد) احمدیت کی مخالفت کی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سے پہلے وہ تمام عمر احمدیت کے مدّاح اور مؤیّد رہے۔

(الف) عدالت کے سامنے خواجہ نذیر احمد صاحب کے بیان اور مولانا غلام محی الدین صاحب قصوری کی تصدیق سے یہ ثابت ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے والد صاحب کے ہمراہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

(ب) ڈاکٹر صاحب موصوف نے سعد اللہ نَو مسلم لدھیانوی کی ایک نہایت گندی اور فحش نظم کے جواب میں (جو اُس نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی ہجو میں لکھی تھی) ایک نظم لکھی تھی جو کتاب "آئینہ حق نما" میں شائع ہو چکی ہے جو عدالت کے سامنے پڑھی جاچکی ہے۔

(ج) ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے مشہور لیکچر "ملّتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں (جو آپ نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی وفات کے دو سال بعد ۱۹۱۰ء میں آسٹریچی ہال ایم۔ او کالج علیگڑھ میں بزبان انگریزی دیا تھا اور مولانا ظفر علی خان صاحب نے جس کا ترجمہ مئی ۱۹۱۱ء میں خود ڈاکٹر سر محمد اقبال کی موجودگی میں برکت علی محمڈن ہال لاہور کے ایک عظیم الشان جلسہ کے سامنے پڑھ کر سُنایا تھا) فرماتے ہیں:

> "میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر کی ذات نے ڈالا ہے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور ہماری تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اس نمونہ کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اُسے پیشِ نظر رکھیں...... پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اُس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوُا ہے

جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں"۔ 79

ڈاکٹر صاحب موصوف کا 1910ء میں یہ اظہارِ خیال بتاتا ہے کہ آج جو یہ بات کہی گئی ہے کہ احمدیت کی تعلیم اور نبوّت کے بارے میں نظریہ بذاتِ خود مسلمانوں کے لئے طبعی طور پر اشتعال انگیز تھا ایک بے بنیاد اور بے حقیقت الزام ہے۔

مفکرِ احرار چوہدری افضل حق صاحب

اِس ضمن میں ہم مفکرِ احرار چوہدری افضل حق صاحب مرحوم کا ایک مضمون بھی معزّز عدالت کے ملاحظہ کے لئے نقل کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کی طرح چوہدری افضل حق صاحب نے بھی بعد میں بعض سیاسی وجوہ کی بناء پر احمدیت کی مخالفت کی لیکن اُن کا یہ ابتدائی اظہارِ خیال پورے طور پر اس الزام کی تردید کرتا ہے کہ احمدیت کی تعلیم مسلمانوں کے لئے بذاتِ خود طبعی طور پر اشتعال انگیز ہے۔ چوہدری افضل حق صاحب اپنی کتاب موسومہ بہ "فتنہ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں" میں تحریر فرماتے ہیں:-

"آریہ سماج کے معرضِ وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسدِ بے جان تھا جس میں تبلیغی حِسّ مفقود ہو چکی تھی۔ سوامی دیانند کی مذہبِ اسلام کے متعلق بد ظنّی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چوکنّا کر دیا مگر حسبِ معمول جلدی خوابِ گراں طاری ہو گئی۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہو سکی۔ ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اُٹھا۔ ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے بڑھا۔ اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی کے داغ سے پاک نہ ہوا تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابلِ تقلید ہے بلکہ دُنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے"۔ 80

(ب) پھر اِسی کتاب کے صفحہ 41 پر تحریر فرماتے ہیں:

"سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں دینی مکاتب ہندوستان میں جاری ہیں مگر سوائے احمدی مدارس و مکاتب کے کسی اسلامی مدرسہ میں غیر اقوام میں تبلیغ و اشاعت کا جذبہ طلباء میں پیدا نہیں کیا جاتا۔ کس قدر حیرت ہے کہ سارے پنجاب میں سوائے احمدی جماعت کے اور کسی فرقے کا بھی تبلیغی نظام موجود نہیں"۔

جناب مولانا عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی

مولانا عبدالحلیم صاحب شرر تحریر فرماتے ہیں:

"احمدی مسلک شریعتِ محمدیہ کو اُسی وقعت اور شان سے قائم رکھ کر اس کی مزید تبلیغ و اشاعت کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بابیت اسلام کے مٹانے کو آئی ہے اور احمدیت اسلام کو قوت دینے کے لئے۔ اور اسی کی برکت ہے کہ باوجود چند اختلافات کے احمدی فرقہ اسلام کی سچی اور پُرجوش خدمت ادا کرتا ہے جو دوسرے مسلمان نہیں کرتے"۔ **81**

یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر احمدی جماعت میں شامل نہیں تھے۔

جناب مولانا محمد علی صاحب جوہر (برادر مولانا شوکت علی صاحب مرحوم)

"ناشکر گزاری ہوگی اگر جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور اُن کی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنھوں نے اپنی تمام تر توجّہات بِلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اِس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف تبلیغ اور مسلمانوں کی تنظیم

اور تجارت میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں اور وہ وقت دُور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقے کا طرزِ عمل سوادِ اعظم اسلام کے لئے بِالعموم اور اُن اشخاص کے لئے بِالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمتِ اسلام کی بلند بانگ و باطن ہیچ، دعاوی کے خوگر ہیں۔ مشعلِ راہ ثابت ہو گا"۔ 82

مولانا ظفر علی خان مدیر "زمیندار"

باوجود اس حقیقت کے کہ مولوی ظفر علی صاحب احمدیت کے شدید مخالفوں میں سے ہیں انہوں نے فتنہ ارتداد (یو۔پی) 1923ء کے موقع پر جماعت احمدیہ کی خدماتِ اسلامی کو سراہتے ہوئے اخبار "زمیندار" میں متعدد مقالے لکھے جن کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

(الف) "مسلمانانِ جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں جو ایثار، کمر بستگی، نیک نیتی اور توکّل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آیا ہے وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے انداز عزت اور قدر دانی کے قابل ضرور ہے۔ جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس و حرکت پڑے ہیں۔ اس اولوالعزم جماعت نے عظیم الشان خدمتِ اسلام کر کے دکھادی"۔ 83

(ب) "احمدی بھائیوں نے جس اخلاص، جس ایثار، جس خوشی اور جس ہمدردی سے اس کام میں حصّہ لیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس پر فخر کرے"۔

(ج) "گھر بیٹھ کر احمدیوں کو بُرا بھلا کہہ لینا نہایت آسان ہے لیکن اِس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہی ایک جماعت ہے جس نے اپنے مبلغین انگلستان اور دیگر یورپین ممالک میں بھیج رکھے ہیں۔ کیا ندوۃ العلماء دیوبند، فرنگی محل اور دوسرے علمی اور دینی مرکزوں سے

یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی تبلیغِ اشاعتِ حق کی سعادت میں حصّہ لیں؟ کیا ہندوستان میں ایسے متموّل مسلمان نہیں ہیں جو چاہیں تو بِلا دِقّت ایک ایک مشن کا خرچ اپنی گِرہ سے دے سکتے ہیں؟ یہ سب کچھ ہے لیکن افسوس کہ عزیمت کا فقدان ہے۔ فضول جھگڑوں میں وقت ضائع کرنا اور ایک دوسرے کی پگڑی اُچھالنا آج کے مسلمانوں کا شعار ہو چُکا ہے"۔ **84**

مولانا ابو الکلام آزاد کے برادرِ اکبر مولانا ابو النصر آہ

مولانا ابو النصر آہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی زندگی میں 1905ء میں قادیان آئے اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ سے ملاقات کے بعد انہوں نے اپنے تأثرات اخبار "وکیل" امرتسر میں شائع کرائے۔ لکھتے ہیں:-

"چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر ایک نے بھائی کا سلوک کیا اور مولانا حاجی حکیم نورالدین صاحب جن کے اسم گرامی سے تمام انڈیا واقف ہے اور مولانا عبدالکریم صاحب جن کی تقریر کی پنجاب میں دھوم ہے مولوی مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر "بدر" جن کی تحریروں سے کتنے انگریز یورپ میں مسلمان ہو گئے ہیں، جناب میر ناصر نواب صاحب دہلوی جو مرزا صاحب کے خُسر ہیں، مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے۔ ایل۔ایل۔بی ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز، مولوی یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم، جناب شاہ سراج الحق صاحب وغیرہ وغیرہ پرلے درجے کی شفقت اور نہایت محبت سے پیش آئے"۔

"مرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے جس کا اثر بہت قوی ہوتا ہے۔ آنکھوں میں خاص طرح کی چمک اور کیفیت ہے اور باتوں میں ملائمت ہے۔ طبیعت منکسر مگر حکومت خیز، مزاج ٹھنڈا

مگر دلوں کو گرما دینے والا، بُردباری شان میں انکساری، کیفیت میں اعتدال پیدا کر دیا ہے۔ گفتگو ہمیشہ اس نرمی سے کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا متبسّم ہیں..... مرزا صاحب کی وسیع الاخلاقی کا یہ ایک ادنیٰ نمونہ ہے کہ اثناءِ قیام کے متواتر نوازشوں کے خاتمہ پر بایں الفاظ مجھے مشکور ہونے کا موقع دیا۔ "ہم آپ کو اِس وعدہ پر اجازت دیتے ہیں کہ آپ پھر آئیں اور کم از کم دو ہفتہ قیام کریں"۔ اُس وقت کا تبسّم ناک چہرہ اب تک میری آنکھوں میں ہے۔ مَیں جس شوق کو لے کے گیا تھا ساتھ لایا ہوں اور شاید وہی شوق مجھے دوبارہ لے جائے۔" **85**

(5) پھر یہ امر بھی اس معزز عدالت کی توجّہ کے لائق ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی زندگی میں باوجود اس امر کے کہ آپ کے دعاوی کے ساتھ علماء نے اختلاف کیا، آپ کے خلاف کُفر کے فتوے لگائے۔ نمازوں اور جنازوں اور رشتوں ناطوں سے علیحدگی ہوئی لیکن جب 26 مئی 1908ء کو آپ نے وفات پائی تو مسلم پریس نے آپ کی تعریف اور آپ کی اسلامی خدمات کی ستائش سے بھرپور مضامین لکھے جس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ احرار اور ان کے ہمنواؤں کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ احمدیہ جماعت کے نظریات بالطبع مسلمانوں کے لئے اشتعال انگیز اور جماعت احمدیہ کو مسلمانوں سے الگ ایک جماعت ثابت کرنے والے ہیں۔ ذیل میں ہم چند اقتباسات درج کرتے ہیں:

بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی وفات پر مشہور اخبارات کی آراء

(الف) مولانا عبداللہ العمادی مدیر اخبار "وکیل" امرتسر نے اخبار "وکیل" میں شائع فرمایا:-

"وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں..... خالی ہاتھ دُنیا سے اُٹھ گیا .....

مرزاغلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اِس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے اور مٹانے کے لئے اُسے امتدادِ زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دُنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دُنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظر پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دُنیا میں انقلاب کر کے دکھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی اس رحلت نے اُن کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا کہ اُن کا ایک بڑا شخص اُن سے جُدا ہو گیا اور اس کے ساتھ مخالفینِ اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اُس شاندار مدافعت کا جُوااُس کی ذات سے وابستہ تھا، خاتمہ ہو گیا۔ اُن کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے بر خلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے..... مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر اُن سے ظہور میں آیا قبولِ عام کی سند حاصل کر چُکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جب کہ وہ اپنا کام پورا کر چُکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ وقت ہرگز لَوحِ قلب سے نَسْیًا مَّنْسِیًّا نہیں ہو سکتا۔ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھِر چُکا ہے .....

غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گراں بارِ احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی صفِ اوّل میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرضِ مدافعت ادا کیا

اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اُس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایتِ اسلام کا جذبہ ان کے شعارِ قومی کا عنوان نظر آئے، قائم رہے گا"۔ 86

(ب) علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نے لکھا:

"مرحوم ایک مانے ہوئے مصنّف اور مرزائی فرقہ کے بانی تھے..... کئی دفعہ آپ کو کافر قرار دیا گیا اور آپ پر اکثر مقدمات کئے گئے..... بے شک مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا"۔ 87

(ج) تہذیبِ نسواں لاہور کے مدیر شمس العلماء مولانا ممتاز علی صاحب لکھتے ہیں:

"مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم، بُلند ہمت، مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے"۔ 88

(د) اخبار زمیندار کے مدیر مولانا ظفر علی خان صاحب کے والد ماجد مولوی سراج دین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے 26 مئی کی صبح کو لاہور میں انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ..... مرزا غلام احمد صاحب 1860ء یا 1861ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرّر تھے۔ اُس وقت آپ کی عمر بائیس چوبیس سال کی ہو گی اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صَرف ہوتا تھا۔ عوام سے کم ملتے تھے۔ 1877ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے ہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی۔ اُن دنوں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو و مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے۔

1881ء یا 1882ء میں آپ نے براہین احمدیہ کی تصنیف کا اعلان دیا اور ہم اس کتاب کے اوّل خریداروں میں سے تھے"۔ [89]

(ح) ایڈیٹر "صادق الاخبار" ریواڑی مولوی بشیر الدین صاحب جو سر سیّد احمد خان صاحب کے ساتھیوں میں سے تھے اور مسلمانوں کے لیڈروں میں شامل تھے آپؑ کی وفات پر تحریر فرماتے ہیں:

"چونکہ مرزا صاحب نے اپنی پُر زور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفینِ اسلام کے لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا ہے اور کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایتِ اسلام کما حقہ، ادا کر کے خدمتِ اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم حامئ اسلام اور مُعِینُ المسلمین، فاضلِ اجلّ، عالمِ بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے"۔

یہ سب اقتباسات اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ جماعت احمدیہ کے خلاف 1953ء کے حالیہ فسادات احمدیت کی تعلیم اور نظریات کے اشتعال انگیز ہونے کے باعث نہ تھے بلکہ اُس اشتعال انگیز اور منافرت خیز پروپیگنڈے کا نتیجہ تھے جو مجلسِ احرار اور مجلسِ عمل کے اراکین نے قیامِ پاکستان کے بعد جماعت احمدیہ کے خلاف کیا۔

(6) اس امر کا ایک اور ثبوت کہ یہ تحریک کسی طبعی جذبے کا نتیجہ نہ تھی بلکہ انجینئرڈ تھی یہ بھی ہے کہ اگر یہ تحریک احمدیت کے نظریات کے باعث اشتعال ہونے کی وجہ سے ہوتی تو سب سے پہلے بہائیوں اور کمیونسٹوں کے خلاف اُٹھتی جو پاکستان میں بکثرت موجود ہیں اور ایک زبردست تنظیم کے ساتھ پاکستان میں منظم پروپیگنڈا کے ذریعہ اپنی تعداد کو بڑھا رہے ہیں۔

(7) اس تحریک کے غیر مذہبی اور غیر طبعی ہونے کا ایک زبردست ثبوت یہ بھی ہے کہ اس تحریک میں تحفّظ ختم نبوّت کے نام پر احرار نے پنجاب کے عیسائیوں کو بھی شامل کیا۔

حالانکہ عیسائیوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین تو کُجا نَعُوذُ بِاللّٰہ نبی بھی نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے نزدیک مسیح ناصری خاتم النّبیین ہیں ۔ چنانچہ پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی لاہور نے 1953ء میں ایک رسالہ موسومہ بہ ''خاتم النّبیین'' شائع کیا جس کے صفحہ 21 پر درج ہے:

توریت اور نبیوں کی اُن خبروں کو بعض محمدی عالموں نے حضرت محمدؐ عربی پر عائد کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اس بحث میں علماءِ محمدیہ نے سخت ندامت اُٹھائی اور بڑی شکست اُٹھا کر خاموش رہ گئے اور انجیل میں مسیح کے یہ الفاظ پڑھ کر مسلمان بڑے خوش ہوئے کہ ''دُنیا کا سردار آتا ہے''۔ 90

''مگر جب ان کو معلوم ہؤا کہ یہ خبر شیطان کے بارہ میں ہے تو چُپ کر گئے''۔ 91

''آخری نبی کی خبروں کے متعلق مسلمان عالموں کی ملمع سازیوں کی حقیقت بے نقاب ہو گئی اور اس بحث کا نہایت عمدہ نتیجہ نِکلا کہ یہودیوں اور مسیحیوں کی کتابوں میں محمدؐ صاحب کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ محمدؐ صاحب پچھلے چھ صد سال پہلے مسیح خداوند کا اپنا دعویٰ تھا کہ تورات اور نبیوں کا سابقہ سارا بیان میرے حق میں ہے اور آئندہ کے لئے اس کا تاکیدی فرمان ہے کہ جھوٹے نبیوں سے خبردار رہیں۔ (متی 7:150) مسیح کے قول کی صداقت کے سامنے کسی اور انسان کا کیا اعتبار ہے۔ کیونکہ وہی صادق القول اور سچا گواہ ہیں۔ مکاشفہ 15:1 و14:13 و11:19 و6:22۔ اور اس کے مقدس حواریوں نے اس کے سچّے قول کی تصدیق میں یہودی قوم کے سرداروں کے سامنے اس حقیقت کا اعلانیہ اقرار اور اظہار کیا کہ مسیح ناصری ہی خاتم النّبیّین ہے۔ اعمال 30:3 و اعمال 42:10 و پطرس 1:9-11 ۔ پس

ہماری تحریک نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم دُنیا میں اس بات کا اعلانیہ اظہار کریں کہ توریت اور نبیوں اور انجیل مقدس میں مسیح خداوند اور اس کے حواریوں کے بعد کی سچّے نبی کی آمد کی کوئی خبر نہیں۔ اس لئے مسیح اور اس کے حواریوں کے بعد کسی کا دعویٰ ئ نبوت حق اور قابلِ وثوق نہیں ہے۔ پس ساری باتوں کو آزماؤ اور بہتر کو اختیار کرو۔ 1۔ تِھسلُنیکیوں 21:5"۔[92]

اب اس کے بعد ہم معزز عدالت کی توجّہ کے لئے اخبار آزاد 27 فروری 1953ء پنجاب کے عیسائی لیڈر مسٹر ظفر اقبال ظفر کا اعلان نقل کرتے ہیں۔ احراری اخبار آزاد "عیسائی مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریک کو کامیاب بنائیں گے" کے زیر عنوان رقمطراز ہے:

"لاہور 25 فروری۔ مسیحی لیڈر مسٹر ظفر اقبال ظفر نے اخبارات کو بیان دیتے ہوئے کہا:

مَیں برادرانِ ملّت سے پُر زور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس دھوکے اور فریب میں نہ آئیں اور مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریک کو زور شور سے جاری رکھیں۔ مرزائی اسلام اور پاکستان کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہیں۔ ہم اس تحریک میں برادرانِ ملّت کے ساتھ ہیں اور ہم دو قدم آگے بڑھ کر ہر قسم کی جانی اور مالی قُربانی دے کر مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریک کو کامیاب بنائیں گے"۔[93]

مندرجہ بالا اقتباس میں "برادرانِ ملّت" کے الفاظ خاص طور پر قابلِ توجّہ ہیں۔ گویا مجلسِ عمل کے اراکین اور عیسائی تو ایک ملّت ہیں لیکن جماعت احمدیہ خارج از ملّت ہے۔

احرار اور عیسائیوں کے اس اتحاد سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ تحریک در حقیقت مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے۔

(۸) اگر یہ تحریک طبعی ہوتی اور اس کا باعث احمدیت کے مخصوص عقائد و نظریات کا عام مسلمانوں کے لئے طبعاً اشتعال ہونا ہوتا تو چاہئے تھا کہ یہ تحریک بجائے سیاسی لیڈروں کی طرف سے اُٹھائے جانے کے خود عوام کی طرف سے اُٹھتی۔ علماء کو اس کے بھڑکانے کی کیا ضرورت تھی؟

اگر مسلمان جانتے ہوں کہ فلاں جگہ پر ان کو سُؤر کھلایا جاتا ہے تو کسی عالم کو یہ بتانے کی کیا ضرورت ہو گی کہ تم وہاں نہ جاؤ۔ اگر واقع میں لوگوں میں ایسی تعلیمات پر غم اور غصّہ پایا جاتا تھا تو پھر کسی شخص کے اشتعال دلانے اور تقریر کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہزارہا جھوٹ بولنے کی ضرورت تھی۔ وہ علماءِ کرام جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گدّی پر بیٹھنے کے دعویدار ہیں برابر پانچ سال تک بولتے رہے ہیں، اُن کا جلسے کرنا اور اُن کا لٹریچر شائع کرنا، اُن کا نوٹ بنابنا کر بیچنے کی کوشش کرنا، اُن کا بکروں کی کھالیں طلب کرنا تاکہ لوگوں کو اِن باتوں سے واقف کیا جائے بتاتا ہے کہ یہ عوام الناس کی تحریک نہیں تھی بلکہ علماء اِسے عوام الناس میں پھیلانا چاہتے تھے تاکہ اِس زور اور دباؤ کے ذریعہ سے وہ گورنمنٹ کو مجبور کریں۔ اور علماء اس مسئلہ میں غیر جانبدار پارٹی نہیں تھے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اسلام میں وحی کا سلسلہ جاری ہے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام میں مولویوں کی کوئی حیثیت نہیں وہ محض ایک مدرّس اور قانون کی تشریح کرنے والے لوگ کہلائیں گے اِس سے زیادہ اِن کو لوگوں پر کوئی حکومت حاصل نہیں۔ خدا رسیدہ اور اللہ تعالیٰ سے وحی پانے والے لوگ اگر دُنیا میں آتے رہیں تو PRIESTHOOD کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ PRIESTHOOD اُسی وقت رہتی ہے جب کہ وحی کا زمانہ دُور ہو جاتا ہے اور لوگ نقل اور تقلید پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام سے لے کر عزراؑ نبی تک کوئی مُلّاازم نہیں تھا کیونکہ متواتر نبی آتے رہے تھے۔ عزراؑ کے بعد جب نبیوں کے آنے میں وقفہ پڑا تب سے احبار اور ربّی وغیرہ پیدا ہونے شروع ہوئے۔ جیسا کہ فریسیوں اور صدوقیوں کی تاریخ سے ثابت ہے۔ پس علماء کا اس معاملہ میں جوش دکھانا اُن کی ذاتی اغراض کے ماتحت تھا عوام النّاس کو اِس تحریک سے کوئی تعلق

نہیں تھا۔ عوام النّاس تو جھوٹ بول بول کر اور دھوکے دے دے کر فساد پر آمادہ کئے گئے۔ ہمارے مُلک کے اکثر افراد تو پیروں کے ماننے والے ہیں۔ اہلِ حدیث تو بہت ہی کم ہیں۔ پھر اہلِ حدیث کا ایک حصّہ ایسا بھی ہے جو کہ وحی و الہام کا قائل ہے اور بزرگوں کو مانتا ہے اور اُن کی بیعت کرتا ہے جیسا کہ مولانا داؤد صاحب غزنوی کے دادا کا عقیدہ تھا اور اُن کے والد مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی نے اپنی کتاب ''اِثْبَاتُ الْاِلْھَامِ وَ الْبَیْعَةِ'' میں لکھا ہے کہ:

''مسئلہ الہام کا حلّت و حرمت کا مسئلہ نہیں جو اِس کا ثبوت صحابہ اور تابعین سے ضرور ہونا چاہئے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اِس دم تک اگر کسی نے بھی دعویٰ نہ کیا ہو اور آج ایک شخص متقی صالح دعویٰ کرے کہ مجھے الہام ہوتا ہے اور مجھے غیب سے آواز آتی ہے تو بھی اُس کو سچّا جانیں گے اور بحکمِ شریعت تمام اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ اُس کو سچّا سمجھیں''۔ **94**

جس مُلک کی اکثریت وحی اور الہام کی قائل ہو ایسے مُلک میں اِس بات پر شور مچانا کہ مرزا صاحب وحی کے مُدعی ہیں کسی کی سمجھ میں آسکتا ہے؟ سامعین تو اکثر وہ لوگ ہوتے تھے جو کہ اُن لوگوں کے ماننے والے ہیں جو وحی و الہام کے مُدعی ہیں۔ ہمارے مُلک میں کتنے عوام ہیں جو کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو نبی نہیں مانتے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ صاف طور پر کہتے ہیں کہ

دمبدم رُوح القدس اندر معینے مے دمد
من نمے دانم مگر من عیسیٰ ثانی شدم **95**

یعنی ہر لحظہ اور ہر گھڑی جبرئیلؑ معینؒ کے اندر آکر یہ بات پھُونکتا ہے اس لئے مَیں نہیں کہتا، مگر حقیقت یہی ہے کہ مَیں عیسیٰ ثانی ہو گیا ہوں۔ یہاں صاف طور پر وحی کا دعویٰ ہے جبرئیلؑ کے اُترنے کا دعویٰ ہے مسیح ثانی ہونے کا دعویٰ ہے اور پاکستان کے اسّی فیصدی مسلمان حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو اپنا مقتدا اور زمانہ کا بہت بڑا ولی سمجھتے ہیں۔

اگر وحی کا دعویٰ کرنا انسان کو کافر اور گمراہ بنا دیتا ہے تو کیا یہی مولوی جرأت کر سکتے ہیں کہ پبلک میں کھڑے ہو کر کہیں کہ مرزا صاحبؑ کا وہی دعویٰ ہے جو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ہے اور ایسا دعویٰ کرنے والے کافر اور گمراہ ہوتے ہیں۔

مسلمانوں میں سے اکثر صوفیاء حضرت محی الدین ابن عربی کو صوفیاء کا سردار قرار دیتے ہیں اور محی الدین ابنِ عربیؒ بھی اجراءِ وحی کے قائل ہیں۔ امام عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:

"فَاِنْ قُلْتَ قَدْ ذَكَرَا لْغَزَالِی فِیْ بَعْضِ کُتُبِهٖ اِنَّ مِنَ الْفَرَقِ بَيْنَ تَنَزُّلِ الْوَحْیِ عَلٰی قَلْبِ الْاَنْبِيَاءِ وَ تَنَزُّلِهٖ عَلٰی قُلُوْبِ الْاَوْلِيَاءِ نُزُوْلُ الْمَلَكِ۔ فَاِنَّ الْوَلِیَّ يُلْهَمُ وَ لَا يَنْزِلُ عَلَيْهِ مَلَكٌ قَطُّ وَ النَّبِیّ لَا بُدَّ لَهٗ فِی الْوَحْیِ مِنْ نُزُوْلِ الْمَلَكِ بِهٖ فَهَلْ ذٰلِكَ صَحِيْحٌ فَالْجَوَابُ كَمَا قَالَهُ الشَّيْخُ فِی الْبَابِ الرَّابِعِ وَ السِتِّيْنَ وَ الثَّلَاثِ مِائَة اِنَّ ذٰلِكَ غَلَطٌ وَ الْحَقّ اَنَّ الْكَلَامَ فِی الْفَرَقِ بَيْنَهُمَا اِنَّمَا هُوَ فِیْ كَيْفِيَّةٍ مَا يَنْزِلُ بِهِ الْمَلَكُ لَا فِی نُزُوْلِ الْمَلَكِ"۔[96]

یعنی اگر تُو کہے کہ غزالیؒ نے اپنی بعض کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ انبیاء کے دلوں پر وحی کے نزول اور اولیاء کے دلوں پر وحی کے نزول میں مَابِهِ الْاِمْتِیَاز فرشتہ کا نزول ہے۔ اللہ تعالیٰ ولیوں پر وحی تو کرتا ہے مگر اُن پر فرشتہ کبھی نہیں اُترتا اور نبی کے لئے ضروری ہے کہ فرشتہ اُس پر وحی لے کر نازل ہو۔ تو کیا یہ بات صحیح ہے؟ اس کا جواب وہی ہے جو کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے اپنی کتاب (فتوحات مکیہ) کے 364ویں باب میں بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ غلط ہے اور سچی بات یہ ہے کہ نبیوں اور ولیوں کی وحی میں فرق صرف وحی کے مضمون میں ہوتا ہے نہ کہ فرشتہ کے نازل ہونے یا نہ نازل ہونے کا فرق۔

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت محی الدین ابن عربی کے نزدیک بھی جو سردارِ صوفیاء کہلاتے ہیں۔[97] اور حضرت امام غزالیؒ کے نزدیک بھی وحی نہ صرف نبیوں پر

اُترتی ہے بلکہ ولیوں پر بھی اُترتی ہے۔ امام غزالیؒ کے نزدیک تو نبیوں پر وحی فرشتوں کے ذریعہ اُترتی ہے اور ولیوں پر بغیر فرشتوں کے۔ مگر حضرت محی الدین ابنِ عربیؒ کے نزدیک ان کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ولیوں پر بھی فرشتوں ہی کے ذریعہ وحی اُترتی ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ نبیوں کی وحی میں اَور قسم کے امور ہوتے ہیں اور ولیوں کی وحی میں اَور قسم کے اُمور۔ یعنی نبیوں کی وحی شریعت وغیرہ امور پر مشتمل ہوتی ہے اور ولیوں کی وحی میں یہ بات نہیں ہوتی۔ پس وحی کا نزول یا فرشتہ کے نزول کا عقیدہ کوئی نئی چیز نہیں۔

خود قرآن کریم بھی اس بات کا مُدعی ہے کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۔ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۚ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ۔ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ۔[98] وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا ربّ ہے پھر عمل کے ساتھ اس پر قائم ہو جاتے ہیں فرشتے اُن پر نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں نہ تو آئندہ کا کوئی خوف دل میں رکھو اور نہ کسی گزشتہ نقصان پر غم کھاؤ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس جنّت کی جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے خبر سُن لو۔ ہم اِس دُنیا میں بھی (خدا کے حکم کے ساتھ) تمہارے ساتھ رہیں گے اور اسی طرح بعد میں آنے والی دُنیا میں بھی۔ اور تم کو اِس دُنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی جو کچھ تم چاہتے ہو اور جو کچھ مانگتے ہو ملے گا۔ یہ خدائے بخشندہ اور مہربان کی طرف سے تمہارے لئے بطور اعزاز ظاہر ہو گا۔

اِس آیت میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں سے بعض لوگوں پر فرشتے نازل ہوں گے اور انہیں خدا کا پیغام پہنچائیں گے۔ چنانچہ اِس آیت کے ماتحت تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ " نُلۡھِمُکُمُ الۡحَقَّ وَ نَحۡمِلُکُمۡ عَلَی الۡخَیۡرِ بَدَلَ مَا کَانَتِ الشَّیٰطِیۡنُ تَفۡعَلُ بِالۡکَفَرَۃِ۔[99] یعنی جس طرح شیطان کفار کے دلوں میں بُرے خیالات پیدا کرتے ہیں ہم مسلمانوں کو سچی باتوں کا الہام کریں گے اور نیک باتوں پر عمل کرنے کی

اُن کو تحریص کریں گے۔

اِسی طرح قرآن کریم میں مخلص مسلمانوں کی وفات کے وقت بھی فرشتوں کے ذریعہ وحی نازل ہونے کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ ۙ يَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۔[100] یعنی وہ لوگ جن کی جان فرشتے اس حال میں نکالتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں فرشتے اُن سے کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔ اپنے اعمال نیک کی وجہ سے اب موعودہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور یہ آیت تو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَقُصُّوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ۔[101] اے بنی آدم! (یہ آیت مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے۔) اگر تمہاری طرف ہمارے رسول آئیں اور تم کو ہمارے نشانات و احکام سنائیں تو جو اصلاح سے کام لے گا اور تقویٰ کرے گا اُسے نہ آئندہ کا خوف ہو گا نہ گزشتہ کا غم۔

خود حدیثوں میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وحی صحابہؓ پر نازل ہوئی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عبداللہ بن زیدؓ ایک صحابی تھے اللہ تعالیٰ نے اُن کو وحی کے ذریعہ سے اذان سکھائی تھی اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کی وحی پر انحصار کرتے ہوئے مسلمانوں میں اذان کا رواج ڈالا تھا۔ بعد میں قرآنی وحی نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی خدا تعالیٰ نے یہی اذان سکھائی تھی مگر بیس دن تک مَیں خاموش رہا اس خیال سے کہ ایک اَور شخص رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات بیان کر چُکا ہے۔[102]

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک فرشتہ نے مجھے آکر اذان سکھائی اور مَیں اُس وقت پوری طرح سویا ہؤا نہیں تھا کچھ کچھ جاگ رہا تھا۔[103]

پھر نہ صرف یہ کہ بعض صحابہ پر فرشتہ نازل ہؤا بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دُعا فرمائی کہ خدا تعالیٰ بعض صحابہ پر فرشتے نازل کرے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت حسانؓ بن ثابت جب کفّار کے بعض اعتراضات کا جواب دینے کے لئے کھڑے ہوئے

تو آپ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔[104] اے خدا! تُو جبرئیل کے ذریعہ سے اس کی مدد کر۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی اُمتوں میں ایسے لوگ پائے جاتے تھے جن پر وحی الٰہی نازل ہوتی تھی۔ اگر میری اُمّت میں بھی ایسے لوگ ہوئے تو عمر بن الخطاب ان لوگوں میں سے ایک ہو گا۔[105] اس پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ محدّث سے مراد وہ شخص ہے جو کہ عظیم الشّان مرتبہ پر ہو اور صادق الکلام ہو۔ اور مجمع البحار میں لکھا ہے کہ اِس سے وہ شخص مراد ہے جس کے دل میں خدا تعالیٰ کوئی بات ڈالتا ہے پھر وہ اپنی عقل سے یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ بات خدا کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے لئے مخصوص کر دیتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرشتے ان سے بولتے ہیں۔

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

نَے نجوم است و نہ رمل است و نہ خواب
وحی حق وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ
از پئے روپوش عامہ در بیان
وحی دل گویند آں را صوفیان[106]

وحی الٰہی نہ نجوم ہے نہ رمل ہے نہ خواب ہے لیکن عوام النّاس سے چُھپانے کے لئے صوفی اسے وحی دل کہہ دیتے ہیں۔

اِسی طرح وہ اپنی مثنوی کے دفتر سوم صفحہ 5 پر کہتے ہیں کہ۔

خلق نفس از وسوسہ خالی شود
مہمان وحی اِجلالی شود

کامل انسانوں کا نفس خدا تعالیٰ نے وسوسہ سے پاک بنایا اور اُن کے اُوپر وحی اجلالی نازل ہوتی رہتی ہے۔

تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا۔ 107 اس میں خدا تعالیٰ نے عام ذکر کیا ہے نبی کا ذکر نہیں کیا اس لئے نبیوں کے ساتھ وحی مخصوص نہیں بلکہ سابق زمانے میں مریم اور اُمّ موسیٰ کی مثال موجود ہے کہ وہ نبیہ نہیں تھیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے کلام کیا اور ہماری اُمّت میں محدّثینِ اُمّت سے بھی یہی سلوک ہو گا اور اُن پر وحی نازل ہو گی۔ 108

لفظِ الہام اور وحی کے معنے

بعض لوگوں نے الہام اور وحی میں فرق کیا ہے لیکن لُغت والوں نے اس فرق کو تسلیم نہیں کیا۔

چنانچہ منتہی الادب میں لکھا ہے کہ اَوْحَی اللہ کے معنے ہیں خدا تعالیٰ نے اس کی طرف فرشتہ بھیجا اور اس پر الہام کیا۔

لِسان العرب والے کہتے ہیں کہ وضع کے لحاظ سے وحی کا لفظ عام تھا۔ مگر ثُمَّ قصر الْوَحْی لِلْاِلْهَامِ ہوتے ہوتے وحی کے معنے الہام کے ہو گئے۔ 109

تاج العروس والے لکھتے ہیں کہ اَوْحٰی إِلَيْهِ کے معنی ہیں أَلْهَمَهٗ۔ اس پر خدا نے الہام نازل کیا۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ وحی کے اصل معنی مخفی طور پر کسی بات کے بتانے کے ہیں اور اِسی وجہ سے الہام کو بھی وحی کہتے ہیں۔ 110

حدیث کی مشہور لغت نہایہ ابن الاثیر میں ہے کہ الہام کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی تحریک ڈالے اور وہ بھی وحی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس کے لئے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔ 111

حضرت شاہ ولی اللہ ؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ یہ مقربینِ الٰہی کی علامت ہے اور اس قُرب کی خصوصیتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فرشتے ایسے شخص کو پُکارتے ہیں جس طرح کہ مریم کو پُکارا تھا۔ 112

پھر فرماتے ہیں کہ اُمّت فرشتہ کی معرفت وحی اور اس کے دیکھنے کے حصّہ سے محروم نہیں ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کس طرح مریم نے جبرئیل کو دیکھا اور ایک مضبوط اور تندرست آدمی کی شکل میں دیکھا اور کس طرح فرشتوں نے اس کو پُکارا۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ ایک مومن اپنے ایک بھائی سے ملنے کے لئے ایک گاؤں کی طرف گیا۔ رستہ میں ایک فرشتہ اُس پر ظاہر ہوُا اور فرشتے نے اُس سے کہا کہ مَیں خدا کی طرف سے تمہاری طرف رسول ہوں۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ اگر تمہارے اندر ایمان کی ایک حالت رہے تو فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔ ایسی حالت میں کہ تم اپنے بستروں پر لیٹے ہوئے ہو اور حدیث میں آتا ہے کہ اسید بن حضیر نے ملائکہ کو لیمپوں کی شکل میں دیکھا۔[113]

اور اپنے متعلق وہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل کی اور فرمایا مَیں تجھے وہ طریقہ دوں گا جو اِن تمام طریقوں میں جو اِس وقت رائج ہیں سب سے زیادہ خدا تعالیٰ تک پہنچانے میں قریب ہو گا اور سب سے زیادہ مضبوط ہو گا۔[114]

امام رازیؒ اپنی کتاب تفسیر کبیر کی جلد ے صفحہ 371,370 پر فرماتے ہیں کہ:۔

> "ملائکہ انسان کی رُوحوں میں الہاموں کے ذریعہ سے اپنی تاثیر نازل کرتے ہیں اور یقینی کشفوں کے ذریعہ سے اُن پر اپنے کمالات ظاہر کرتے ہیں۔ تفسیر عرائس البیان میں لکھا ہے میری اُمّت میں محدّث اور مکلّم ہوں گے اور عمرؓ ان میں سے ہو گا۔ پس محدث وہ ہوتے ہیں جن سے فرشتے بولتے ہیں اور مکلّم وہ ہوتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے"۔[115]

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ جو حضرت مولانا شاہ ولی اللہؒ کے پوتے اور حضرات دیوبند کے اُستاد اوّل ہیں فرماتے ہیں کہ:۔

> "یہ جان لینا چاہئے کہ وحی کی ایک قسم الہام بھی ہے۔ وہ الہام کہ جو نبیوں پر اُترنا ثابت ہے اُسے وحی کہتے ہیں اور اگر وہ غیر نبیوں پر اُترے تو اُسے محدّثیت کہہ دیتے ہیں اور قرآن کریم میں الہام کو ہی خواہ وہ انبیاء پر اُترے یا غیر انبیاء پر وحی کہا گیا ہے"۔[116]

نواب صدیق حسن خان صاحب جو ہندوستان کے اہلِ حدیث کے مسلّمہ لیڈر تھے فرماتے ہیں:۔

"حدیث لَا وَحْیَ بَعْدَ مَوْتِیْ بے اصل ہے۔ہاں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ آیا ہے۔اس کے معنے نزدیک اہلِ علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہ لاوے گا۔ سُبکی نے اپنی تصنیف میں صراحت کی ہے اِس بات کی کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے ہی نبی کی شریعت کا حکم دیں گے۔ قرآن و حدیث کی رُو سے اس سے یہ امر راجح سمجھا جاتا ہے کہ وہ سُنت کو جناب نبوّت سے بطریق مشافہہ کے بغیر کسی واسطہ کے یا بطریق وحی والہام کے حاصل کریں گے......

ہاں یہ بات اور ہے کہ اُن کو وحی آئے گی جس طرح حدیث نواس بن سمعان میں نزدیک مسلم وغیرہ کے آیا ہے..... ظاہر یہی ہے کہ لانے والے اس وحی کے جبرئیل علیہ السلام ہوں گے بلکہ اسی کا ہم کو یقین ہے۔ اس میں کچھ تردّد نہیں کیونکہ اُن (جبرئیل) کا وظیفہ یہی ہے کہ وہ درمیان خدا و انبیاء کے سفیر ہوتے ہیں۔ یہ بات کسی دوسرے فرشتہ کے لئے معلوم نہیں۔ ابو حاتم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ اِنَّہٗ وُکِّلَ جِبْرَئِیْلُ بِالْکُتُبِ وَ بِالْوَحْیِ اِلَی الْاَنْبِیَاءِ (انبیاء کی طرف وحی لانا اور کتابیں لانا جبرئیلؑ کے سپرد ہے)..... یہ حدیث کہ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ لَا یَنْزِلُ اِلَی الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بے اصل ہے۔ حالانکہ کئی احادیث میں آنا جبرئیلؑ کا آیا ہے۔ جیسے وقت مرنے کے طہارت پر۔ شب قدر میں۔ دجّال کے روکنے کو مکّے، مدینے سے۔اِلٰی غَیْرِ ذَالِکَ۔ 117

غرض قرآن کریم، احادیث اور اولیاء اللہ کے کلام سے ثابت ہے کہ اُمّتِ محمدیہ میں وحی کا سلسلہ جاری ہے اور اُمّتِ محمدیہ کے بہت سے افراد نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اُن پر وحی نازل ہوتی ہے اور آنے والے مسیح کے متعلق تو معیّن صورت میں وحی کے نزول کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت نواس بن سمعانؓ کی روایت میں جو مسلم نے

بیان کی ہے صاف کہا گیا ہے کہ أَوْحَى اللهُ اِلٰى عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنِّيْ قَدْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّيْ لَا يَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِيْ اِلَى الطُّوْرِ۔ 118 یعنی اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جب وہ دُنیا میں آئیں گے تو وحی نازل کرے گا کہ مَیں نے ایسے بندے نکالے ہیں جن سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں۔ پس میرے بندوں کو طُور پر لے جا۔

رُوح المعانی والے لکھتے ہیں کہ ''يُوْحٰى اِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَحْيٌ حَقِيْقِيٌّ''۔ 119 حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی حقیقی نازل ہو گی۔ علامہ محمد الحبّان اپنی کتاب اسعاف الراغبین، جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اہلِ بیت کے فضائل کے متعلق لکھی گئی ہے لکھتے ہیں:

> ''مہدی آئے گا تو اکثر مسائل میں علماء کے مذہب کے خلاف حکم دے گا اور اُس پر وہ ناراض ہو جائیں گے کیونکہ وہ یقین کریں گے کہ جو اُن کے بڑے بزرگ تھے اُن کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کو ایسی اجتہادی باتیں نہیں بتائے گا''۔ 120

اِسی طرح وہ اپنی کتاب کے صفحہ 144 پر لکھتے ہیں کہ:-

> ''مہدی کی جماعت سب غیر عربیوں پر مشتمل ہو گی۔ ان میں سے ایک بھی عربی نہیں ہو گا''۔

اِسی طرح صفحہ 145 پر لکھتے ہیں کہ:-

> ''حضرت محی الدین ابن عربی کہتے ہیں کہ مہدی الہام کے ذریعہ سے شریعت کی باریکیاں سمجھ کے لوگوں تک پہنچائے گا۔ اور ایک حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میرا متّبع ہو گا متبوع نہیں ہو گا۔ یعنی ایسے فتوے دے گا جو اُس وقت کے علماء کو نئے معلوم ہوں گے مگر وہ اپنے فیصلہ میں غلطی کریں گے۔ در حقیقت مہدی وہی فتوے دے گا جو مَیں نے لکھے ہیں اور وہ میرا متّبع ہو گا اور اپنے حکم میں معصوم ہو گا''۔

اِسی طرح پر صفحہ 147 پر وہ مسیح کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

”امام سیوطی نے اپنی کتاب اعلام میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق حکم دیں گے۔ اور اس پر اجماع ہے کہ مسیح اپنے احکام میں کسی رائج مذہب کا مقلّد نہیں ہو گا بلکہ وہ تمام شریعت کے احکام قرآن سے اخذ کرے گا جس طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اخذ کرتے تھے اور جبرئیل اُن پر وحی حقیقی لے کر نازل ہو گا“۔

پھر وہ لکھتے ہیں کہ:-

”امام سیوطیؒ نے اس کی تائید میں بڑے دلائل دئے ہیں اور جو اس کو ردّ کرتے ہیں، اُن کو انہوں نے غلطی پر قرار دیا ہے“۔ **121**

غرض قرآن کریم اور احادیث کے حوالوں سے اور خدا ترس علماء کی گواہی سے یہ بات ثابت ہے کہ وحی الٰہی کا نزول اسلامی آئیڈیالوجی (IDEOLOGY) کا ایک حصّہ ہے۔ وحی الٰہی صرف شریعت میں محصور نہیں ہوتی بلکہ اس کے علاوہ بھی اس کی اغراض ہوتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا کہ مومنوں کو تسلّی دینے اور ان کا خوف دُور کرنے اور خدا تعالیٰ کی محبت کے اظہار کے لئے بھی وحی آتی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا کہ وحی الٰہی قُربِ الٰہی کے اظہار کے لئے اور شریعت کے باریک اسرار کو ظاہر کرنے کے لئے اولیاء اللہ پر نازل ہوتی رہتی ہے۔ پس مذہب کی آئیڈیالوجی (IDEOLOGY) عموماً اور اسلام کی آئیڈیالوجی خصوصاً جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان اِس لئے پیدا کیا گیا تھا کہ وہ خدا کا قُرب حاصل کرے اور اُس کی معرفت تامہ اُس کو ملے اور اس چیز کا ذریعہ وحی الٰہی کو تجویز کیا گیا تھا اس بات کی تائید میں ہے کہ شریعت کے ختم ہو جانے کے بعد وحی کو آتے رہنا چاہئے اور جو شخص وحی الٰہی کو بند کرتا ہے وہ نہ صرف قرآن، حدیث اور اولیاءِ اسلام کی تردید کرتا ہے بلکہ وہ اسلامک آئیڈیالوجی پر حملہ کرتا ہے اور اُس امتیازی فرق کو مٹا دیتا ہے جو کہ خدائی مذہبوں

اور فلسفی مذہبوں میں مَابِہِ الْاِمْتِیَاز ہے۔ اسلام کا فخر تو اس بات میں ہے کہ اُس نے جیسا کہ ہم اُوپر ثابت کر چکے ہیں مذہب کی بنیاد محبت پر قائم کر دی ہے اور ذہنی غلامی سے انسان کو بچا لیا ہے اور محبت کی سب سے بڑی علامت یہی ہوتی ہے کہ محبوب کا قُرب نصیب ہو اور اُس کے مُنہ سے ہمیں یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ ہمارے کاموں سے راضی ہے اور ہم سے خوش ہے اور مصیبت کے وقت ہم سے ہمدردی کرے اور ہمارا ساتھ دے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اسلام تو کہتا ہے کہ پہلے زمانے میں چند نبیوں کو خدا کا محبوب قرار دیا جاتا تھا مگر اُمّتِ محمدیہ میں محبت کا دروازہ اتنا وسیع کر دیا گیا ہے اور شریعتِ اسلام نے احکامِ اسلامی کو ایسے رنگ میں بیان کیا ہے کہ انسان کے دل سے جبر و غلامی کا احساس مِٹ جاتا ہے اور وہ اسلامی تعلیم پر اپنا ذوق اور شوق اور علم اور معرفت کے ساتھ نہ صرف عمل کرتا ہے بلکہ عمل کرنا چاہتا ہے اور عمل کرنا ضروری سمجھتا ہے اور اس کے نیک نتائج کو دیکھ کر اس کا دل خدا کی محبت سے بھر جاتا ہے کہ اُس نے مجھے ایسا رستہ دکھایا کہ جو میری کامیابی کا ہے اور مجھے تباہی سے بچانے والا ہے۔ لیکن آجکل کے علماء اسلام کی خدمت اس بات کا نام رکھتے ہیں کہ وہ اس آئیڈیالوجی (IDEOLOGY) کو مٹا دیں اور خدا اور بندے کے درمیان ایک دیوار حائل کر دیں تا ایک مسلمان اور ایک فلسفی کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہے۔ قرآن تو سامری کے بُت کے متعلق یہ فرماتا ہے کہ اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلًا[122] کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ بُت اُن کی باتوں کا جواب نہیں دیتا۔ لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گدّی پر بیٹھنے کے دعویدار اور اسلام کی خدمت کے مُدعی علماء آج یہ کہتے ہیں کہ جو اسلام کے خدا کو سامری کے بُت جیسا نہیں سمجھتا وہ اسلام سے خارج ہے۔ حالانکہ خود اُن کے علماء مذکورہ بالا آیت اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلًا سے یہ استدلال کر چکے ہیں کہ "لَمْ یَخْطُرْ بِبَالِھِمْ اَنَّ مَنْ لَّا یَتَکَلَّمُ وَ لَا یَضُرُّ وَ لَا یَنْفَعُ لَا یَکُوْنُ اِلٰھًا"۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کیا اُن کے دلوں میں یہ خیال نہیں گزرتا کہ جو وجود کلام نہیں کرتا اور نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔[123]

اس کے ہم معنے ایک اور آیت سورۂ اعراف میں بھی ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَ لَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا [124] کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ بُت اُن سے کلام نہیں کرتا اور نہ انہیں کوئی یہ ہدایت بھجواتا ہے (اور یہ بھی کلام الٰہی کی ہی ایک شاخ ہے۔) اس پر بھی امام رازی فرماتے ہیں کہ ''مَنْ لَا یَکُوْنُ مُتَکَلِّمًا وَ لَا ھَادِیًا اِلَی السَّبِیْلِ لَمْ یَکُنْ اِلٰھاً''۔ [125] جو ہستی بولتی نہیں اور سچّا راستہ نہیں دکھاتی وہ خدا نہیں ہو سکتی۔

ہمارا خدا یقیناً بولنے والا خدا ہے اور سامری کے بُت جیسا نہیں ہے کہ اپنے سے پیار کرنے والے کو جواب بھی نہ دے۔ ہم اس عقیدہ میں خدا کے سابق نبیوں کے عقیدہ کے مطابق ہیں۔ ہم اس عقیدہ میں قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدہ کے مطابق ہیں۔ ہم اس عقیدہ میں اُمّتِ اسلامیہ کے روحانی پیشواؤں کے ہم عقیدہ ہیں۔ ہم اس عقیدہ میں خدائے واحد و قہّار کی عزت کے قائم کرنے والے ہیں۔ اگر اسلام کی آئیڈیالوجی (IDEOLOGY) کو قائم کرنے، اگر بتوں پر خدا کی برتری ثابت کرنے کے نتیجہ میں ہم قابلِ دار ہیں، ہم کُشتنی و سوختنی ہیں تو ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ ہماری گردنیں حاضر ہیں۔ یہ علماء جو چاہیں ہم سے سلوک کریں۔ ہم اس عقیدہ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمارا توکّل خدا پر ہے اور وہی ہمارا حافظ و ناصر ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بھی یہی سوال اُٹھایا گیا تھا کہ خدا اور غیر خدا میں کیا فرق ہے؟ اور حضرت ابراہیمؑ نے مشرکوں سے کہا تھا کہ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ۔ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ۔ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْـًٔا وَّ لَا یَضُرُّكُمْ۔ [126] جب حضرت ابراہیمؑ نے چند بُت توڑ دیئے (وہ بُت حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کے ہی ملکیت تھے) اور لوگ اُن کے پاس آئے اور کہا کہ کیا آپ نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے؟ تو اُنہوں نے کہا کہ ہاں! کسی نے تو یہ کام کیا ہی ہے۔ یہ ان میں سے بڑا بُت ہے اِس سے اور دوسروں سے پوچھو، اگر بُت بولتے ہیں کہ انہیں کس نے توڑا ہے؟ اِس پر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف

متوجّہ ہوئے اور کہا کہ تم لوگ شرک کر کے بڑے ظلم میں مُبتلا ہو۔ پھر شرمندگی سے انہوں نے سر ڈال دیئے اور حضرت ابراہیمؑ سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ یہ باتیں نہیں کر سکتے۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ کیا تم اللہ کے سوا اُن کی عبادت کرتے ہو جو نہ نفع پہنچاتے ہیں اور نہ ضرر پہنچاتے ہیں؟ پس حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں بھی تو خدا کے بولنے اور نہ بولنے کا جھگڑا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کا بُت پرستوں پر یہی الزام تھا کہ میرا خدا بولتا ہے اور تمہارا خدا نہیں بولتا۔ اگر کسی گزشتہ وقت میں خدا کا بولنا بھی اُس کی خدائی کو ثابت کر دیتا ہے تو پھر ہندوؤں کا یہ دعویٰ کہ ابتدائے عالَم میں خدا نے وید نازل کئے اور پھر چُپ ہو گیا درست ہونا چاہئے! مگر یہ کس طرح ہو سکتا ہے جو خدا پہلے سُنتا تھا اَب بھی سُنتا ہے۔ جو پہلے دیکھتا تھا اب بھی دیکھتا ہے۔ اِسی طرح جو پہلے بولتا تھا وہ اب بھی ضرور بولتا ہے۔

سوال نمبر 2: مسئلہ ختمِ نبوّت

دوسرا الزام یہ لگایا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدۂ ختمِ نبوت کی ہتک کی ہے۔ یہ الزام بھی مذہبی آئیڈیالوجی اور اسلامی آئیڈیالوجی کے خلاف اور خود خاتم النّبیّین کی آیت کے بھی خلاف ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ بیانِ قرآنِ کریم کے مطابق ختمِ نبوت کے ان معنوں کو متواتر مختلف قومیں پیش کرتی رہی ہیں کہ اُن کے نبی کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد بھی لوگوں نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی بعض لوگوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تو سارے عیسائی کہہ رہے ہیں کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ [127]

اب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی لوگ کہہ رہے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ پس جس خیال اور فلسفہ کی قرآن کریم تردید کرتا ہے

اسی خیال اور فلسفہ کے مطابق وہ کس طرح حکم دے سکتا ہے۔ قرآن کریم بالنص اِس بات کا اظہار کرتا ہے کہ آخری اور کامل شریعت نازل ہو سکتی ہے مگر اِس خیال کی کہ کوئی نبی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد کسی قسم کے نبی کے بھی آنے کی اجازت نہ ہو اس نے متواتر تردید کی ہے اِسے بالکل غلط قرار دیا ہے۔

آیت خاتم النّبیّین کی تشریح

آج کل کے علماء جس آیت سے مزعومہ عقیدہ ختمِ نبوت نکالتے ہیں۔ خود وہ آیت اِس عقیدی کی تردید کرنے والی ہے۔اِس آیت کے الفاظ یہ ہیں مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ 128 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی بالغ مَرد کے باپ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور خاتم النّبیّین ہیں۔ کسی بالغ مَرد کا باپ نہ ہونا، اِس بات کی دلیل نہیں ہوتا کہ وہ نبی نہیں ہے۔ اگر قرآن کریم نے یہ دلیل پیش کی ہوتی کہ جو شخص کسی بالغ مَرد کا باپ نہ ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا یا قرآن سے پہلے بعض قوموں کا یہ عقیدہ ہوتا تو ہم کہتے کہ قرآن کریم میں اِس عقیدہ کا استثناء بیان کیا گیا ہے یا اس عقیدہ کی تردید کی گئی ہے لیکن یہ تو کسی قوم کا مذہب نہیں کہ جو کسی مَرد کا باپ نہ ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ مسلمان اور عیسائی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نبوّت کے قائل ہیں اور یہودی ان کی بزرگی مانتے ہیں مگر یہ کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا کہ اُن کے ہاں اولاد تھی کیونکہ اُن کی تو شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ پس اِس آیت کے معنی کیا ہوئے کہ محمدؐ تم میں سے کسی بالغ مَرد کے باپ نہیں لیکن نبی ہیں لازماً اِس فقرہ کی کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ایک شخص جس کے متعلق لوگ غلطی سے یہ کہتے تھے کہ وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا متبنّٰی ہے۔اِس اظہار کے بعد کہ وہ متبنّٰی نہیں اِس امر کا کیا تعلق تھا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کا ذکر کیا جاتا۔ اور پھر اس بات کا کیا تعلق تھا کہ آپ کی ختمِ نبوّت کا ذکر کیا جاتا۔ کیا اگر زید رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دے دیتے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے شادی نہ کرتے تو ختمِ نبوت کا مسئلہ مخفی رہ جاتا؟ کیا اتنے اہم اور عظیم الشان مسائل یونہی ضمناً بیان ہوا کرتے ہیں؟

اِس کے علاوہ جیسا کہ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں کسی مَرد کے باپ ہونے یا نہ ہونے کے ساتھ نبوّت کا کوئی تعلق نہیں۔ پس ہمیں قرآن کریم پر غور کرنا چاہئے کہ کیا کسی اور جگہ کوئی ایسی بات بیان ہوئی ہے جس سے اگر آپ بالغ مَردوں کے باپ ثابت نہ ہوں تو آپ کا نبی ہونا مشتبہ ہو جائے۔ کیونکہ لٰکِنْ کا لفظ عربی زبان میں اور اِس کے ہم معنی لفظ دُنیا کی ہر زبان میں کسی شُبہ کے دُور کرنے کے لئے آتا ہے۔ اِس اُلجھن کو دُور کرنے کے لئے ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس میں صاف لکھا ہؤا نظر آتا ہے کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۔ [129] ہم نے تجھ کو کوثر عطا فرمایا ہے۔ پس تُو اللہ تعالیٰ کی عبادتیں کر اور قُربانیاں کر۔ یقیناً تیرا دُشمن ہی نرینہ اولاد سے محروم ہے، تُو نہیں۔ یہ آیت جو مکّہ میں نازل ہوئی تھی اِس میں اُن مُشرکینِ مکّہ کا ردّ کیا گیا تھا جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند کی وفات ہو جانے پر طعنہ دیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اس کی تو کوئی نرینہ اولاد نہیں۔ آج نہیں تو کل اس کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ [130]

اِس سورۃ کے نزول کے بعد مسلمانوں کا یہ خیال ہو گیا تھا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد ہو گی اور زندہ رہے گی لیکن ہؤا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نرینہ تو اُن کے خیال کے مطابق ہوئی نہیں اور جن دُشمنوں کے متعلق هُوَ الْاَبْتَرُ کہا گیا تھا اُن کی اولاد نرینہ زندہ رہی۔ چنانچہ ابوجہل کی اولاد بھی زندہ رہی، عاصی کی اولاد بھی زندہ رہی، ولید کی اولاد بھی زندہ رہی (گو آگے چل کر اُن کی اولاد مسلمان ہو گئی اور اُس میں سے بعض لوگ اکابر صحابہ میں بھی شامل ہوئے) جب حضرت زیدؓ کا واقعہ پیش آیا اور لوگوں کے دلوں میں یہ شُبہات پیدا ہوئے کہ زیدؓ کی مطلّقہ سے جو آپ کا متبنّٰی تھا، آپ نے شادی کر لی ہے اور یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے کیونکہ بہو سے شادی جائز نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم جو سمجھتے ہو کہ زید (رضی اللہ عنہ) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بیٹے ہیں یہ غلط ہے۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو کسی بالغ جوان مَرد کے باپ ہیں ہی نہیں۔ اور "مَا كَانَ" کے الفاظ عربی زبان میں صرف یہی معنی نہیں دیتے کہ اِس وقت باپ نہیں بلکہ یہ معنی بھی دیتے ہیں کہ آئندہ بھی

باپ نہیں ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے کَانَ اللّٰہُ عَزِیۡزًا حَکِیۡمًا[131] یعنی خدا تعالیٰ عزیز و حکیم تھا، ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ اِس اعلان پر قدرتاً لوگوں کے دلوں میں ایک شُبہ پیدا ہوتا تھا کہ مکّہ میں تو سورۃ کوثر کے ذریعے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دُشمن تو اولاد نرینہ سے محروم رہیں گے مگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) محروم نہیں رہیں گے لیکن اب سالہا سال بعد مدینہ میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ اب کسی بالغ مَرد کے باپ ہیں نہ آئندہ ہوں گے تو اِس کے یہ معنی ہوئے کہ سورۃ کوثر والی پیشگوئی (نعوذ باللہ) جھوٹی نکلی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت مشکوک ہے؟ اِس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ یعنی ہمارے اِس اعلان سے لوگوں کے دلوں میں یہ شُبہ پیدا ہوا ہے کہ یہ اعلان تو (نَعُوۡذُ بِاللّٰہ) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جھوٹا ہونے پر دلالت کرتا ہے لیکن اِس اعلان سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے۔ باوجود اِس اعلان کے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں بلکہ خاتم النّبیّین ہیں یعنی نبیوں کی مُہر ہیں۔ پچھلے نبیوں کے لئے بطور زینت کے ہیں اور آئندہ کوئی شخص نبوّت کے مقام پر فائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مُہر اُس پر نہ لگی ہو۔ ایسا شخص آپ کا رُوحانی بیٹا ہو گا اور ایک طرف ایسے رُوحانی بیٹوں کے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمّت میں پیدا ہونے سے اور دوسری طرف اکابر مکّہ کی اولاد کے مسلمان ہو جانے سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ سورۂ کوثر میں جو کچھ بتایا گیا تھا وہ ٹھیک تھا۔ ابوجہل اور عاصی اور ولید کی اولاد ختم کی جائے گی اور وہ اولاد اپنے آپ کو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے منسوب کر دے گی اور آپ کی روحانی اولاد ہمیشہ جاری رہے گی اور قیامت تک ان میں ایسے مقام پر بھی لوگ فائز ہوتے رہیں گے جس مقام پر کوئی عورت کبھی فائز نہیں ہو سکتی۔ یعنی نبوّت کا مقام جو صرف مَردوں کے لئے مخصوص ہے۔ پس سورۂ کوثر کو سورۂ احزاب کے سامنے رکھ کر اِن معنوں کے سوا اور کوئی معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر خاتم النّبیّین کی آیت کے یہ معنی کئے جائیں کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

تم میں سے کسی بالغ مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور آئندہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تو یہ آیت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے اور سیاق و سباق سے اِس کا کوئی تعلق نہیں رہتا اور کفّار کا وہ اعتراض جس کا سورۂ کوثر میں ذکر کیا گیا ہے پختہ ہو جاتا ہے اور اِس کا کوئی جواب مسلمانوں کے پاس باقی نہیں رہتا۔

نبوّت کے متعلق دوسری آیات

اِسی سلسلہ میں ہم قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات بھی پیش کرتے ہیں:

(1) سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ۔ [132] اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے کچھ افراد کو رسول بنانے کے لئے چُن لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً دُعاؤں کو سُنتا اور حالات کو دیکھتا ہے۔ اِس آیت سے پہلے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کا ذکر ہے۔ آپ سے پہلے لوگوں کا ذکر نہیں ہے اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ میں سے اور انسانوں میں سے رسول چنتا ہے اور چنتا رہے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سُننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اِس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یعنی آپ کے زمانۂ نبوّت میں اَور انسان بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے رسول کا نام پانے والے کھڑے ہوں گے۔

(2) سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دُعا سکھائی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ [133] یا اللہ تو ہمیں سیدھا رستہ دکھا اُن لوگوں کا رستہ جن پر تیرے انعام ہوتے ہیں۔ یہ دُعا پانچ وقت فرضاً اور اِس کے علاوہ کئی اور وقت نفلاً مسلمان پڑھتے ہیں۔ یہ منعم علیہ گروہ کا رستہ کیا ہے؟ قرآن کریم نے خود اِس کی تشریح فرمائی ہے۔ وَ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔ [134] اگر مسلمان رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر عمل کریں اور بشاشت کے ساتھ ان کی فرمانبرداری کریں تو ہم ان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دیں گے۔ پھر اس صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دینے کا طریقہ یہ بیان کیا ہے وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ

وَ کَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیۡمًا۔ 135 اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے۔ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ تو وہ اُن لوگوں کے گروہ میں شامل کئے جائیں گے جن پر خدا تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ یعنی نبیوں کے گروہ میں اور صدیقوں کے گروہ اور شہیدوں کے گروہ میں اور صالحین کے گروہ میں۔ اور یہ لوگ سب سے بہتر ساتھی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فضل ہے اور اللہ تعالیٰ تمام اُمور کو بہتر سے بہتر جانتا ہے۔

اِس آیت میں صاف بتایا گیا ہے کہ منعم علیہ گروہ کا رستہ وہ رستہ ہے جس پر چل کر انسان نبیوں میں اور صدیقوں میں اور شہیدوں اور صلحاء میں شامل ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس جگہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہاں "مَعَ" کا لفظ ہے اور معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ منعم علیہ گروہ کے ساتھ ہوں گے۔ خود منعم علیہ گروہ میں شامل نہیں ہوں گے۔ حالانکہ اس آیت کے یہ معنی ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ اِس صورت میں اِس آیت کے یہ معنی بن جائیں گے کہ لوگ منعم علیہ گروہ کے ساتھ ہوں گے لیکن اس گروہ میں شامل نہیں ہوں گے یعنی نبیوں کے ساتھ ہوں گے لیکن نبیوں میں شامل نہیں ہوں گے۔ صدیقوں کے ساتھ ہوں گے مگر صدیقوں میں شامل نہیں ہوں گے۔ شہیدوں کے ساتھ ہوں گے لیکن شہیدوں میں شامل نہیں ہوں گے اور صالحین کے ساتھ ہوں گے لیکن صالحین میں شامل نہیں ہوں گے۔ گویا اِن معنوں کی رُو سے اُمّتِ محمدیہ صرف نبوّت سے ہی محروم نہیں ہوئی بلکہ صدیقیت سے بھی محروم ہو گئی اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ ابو بکرؓ صدیق ہے وہ نعوذ باللہ غلط ہے اور شہداء کے درجہ سے بھی محروم ہو گئی۔ قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم شہداء کے مقام پر ہیں وہ بھی غلط ہے (شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ 136) اور صالحین میں بھی اِس اُمّت کا کوئی آدمی داخل نہیں ہوتا۔ اور یہ جو خیال ہے کہ اُمّتِ محمدیہ میں بہت سے صلحاء گزرے ہیں، یہ بھی بالکل غلط ہے۔ کیا کوئی عقلمند آدمی جس کو قرآن اور حدیث پر عبور ہو اِن معنوں کو مان سکتا ہے؟ "مع" کے معنی خالی ساتھ کے نہیں ہوتے۔ "مَعَ" کے معنی شمولیّت کے بھی

ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں مومنوں کو دُعا سکھلائی گئی ہے۔ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ 137 اے اللہ! ہم کو ابرار کے ساتھ موت دے۔ اور ہر مسلمان اس کے یہی معنی کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھے ابرار میں شامل کر کے موت دے۔ یہ معنی کوئی نہیں کرتا کہ یا اللہ! جس دن کوئی نیک آدمی مَرے اُسی دن مَیں بھی مر جاؤں۔

اِسی طرح قرآن کریم میں ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ 138 یعنی منافق جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے اور تُو کسی کو ان کا مددگار نہ دیکھے گا۔ ہاں جو توبہ کرے اور اصلاح کرے اور خدا تعالیٰ کی تعلیم کو مضبوطی سے پکڑے اور خدا تعالیٰ کے لئے اپنی اطاعت مخصوص کر دے تو وہ مومنوں میں شامل کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ جلد مؤمنوں کو بہت بڑا اجر دے گا۔ اس جگہ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ کے الفاظ ہیں مگر مَعَ۔ مِنْ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اِسی طرح سورۂ حجر میں آیا ہے مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ۔ 139 اے ابلیس! کیوں تُو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہیں ہوا مگر سورۂ اعراف میں ہے لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ 140 ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ تھا۔ پس "مَعَ" قرآن کریم میں "مِنْ" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور قرآن کریم کی مشہور لغت "مفردات القرآن" مصنّفہ امام راغب میں بھی لکھا ہے "وَ قَوْلُهٗ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ۔ اَیْ اِجْعَلْنَا فِيْ زُمْرَتِهِمْ اِشَارَةٌ اِلٰى قَوْلِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ"۔ 141 یعنی فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ میں مَعَ کے یہ معنی ہیں کہ ہم کو زُمرۃ الشاہدین میں داخل فرما۔ جس طرح کہ آیت فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ میں "مَعَ" کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے منعم علیہم کے زُمرہ میں شامل ہوں گے۔

نیز تفسیر بحر محیط میں امام راغب کے اِس قول کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"قَالَ الرَّاغِبُ مِمَّنْ اَنْعَمَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْفِرقِ الْاَرْبَعِ فِی الْمَنْزِلَةِ وَ الثَّوَابِ اَلنَّبِیُّ بِالنَّبِیِّ وَ الصِّدِّيْقُ بِالصِّدِّيْقِ وَالشَّهِيْدُ بِالشَّهِيْدِ وَ الصَّالِحُ بِالصَّالِحِ"۔[142]

یعنی امام راغب کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے مقام اور مرتبہ کے لحاظ سے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحون میں شامل کئے جائیں گے۔ یعنی اِس اُمّت کا نبی، نبی کے ساتھ۔ صدیق، صدیق کے ساتھ۔ شہید، شہید کے ساتھ۔ صالح، صالح کے ساتھ۔

اِسی طرح مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔[143] اے بنی آدم! اگر تمہارے پاس میرے رسول آئیں جو میری آیتیں تم کو پڑھ کر سُنائیں تو جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اُن کی باتوں پر کان دھریں گے اور اصلاح کے طریق کو اختیار کریں گے اُن کو آئندہ کسی قسم کا خوف نہ ہو گا اور نہ گزشتہ غلطیوں پر اُنہیں کسی قسم کا غم ہو گا۔ اِس آیت میں بھی صاف بتایا گیا ہے کہ اُمّتِ محمدیہ میں رسول آتے رہیں گے۔ اِسی طرح قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ۔[144] اور جب رسول ایک وقت مقررہ پر لائے جائیں گے یعنی آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو بروزی رنگ میں دوبارہ ظاہر کرے گا۔

شیعہ لوگ اِسی سے استدلال کرتے ہیں کہ امام مہدی کے زمانہ میں تمام رسول لائے جائیں گے اور وہ اُن کی اتباع کریں گے۔ چنانچہ تفسیر قُمّی میں لکھا ہے "مَا بَعَثَ اللّٰه نَبِيًّا مِن لَّدُنْ اٰدَمَ اِلَّا وَ يَرْجِعُ اِلَى الدُّنْيَا فَيَنْصُرُ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ"۔[145] اللہ تعالیٰ نے آدم سے لے کر آخر تک جتنے نبی بھیجے ہیں وہ ضرور دُنیا میں واپس آئیں گے اور امیر المؤمنین مہدی کی مدد کریں گے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سارے رسول آئیں گے اور پھر بھی آپ کی ختمِ نبوّت نہیں ٹوٹے گی۔ یہ تو قرآنِ کریم کی آیتوں میں سے چند آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اُمّتِ محمدیہ میں نبوّت کا سلسلہ جاری ہے۔

اَب ہم حدیثوں کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں اِس مسئلہ کے متعلق کیا لکھا ہے۔ جب ہم حدیثوں پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آنے والے مسیح کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ نبی اللہ ہو گا۔ [146] گویا خود آپ اِس آیت کے یہ معنی نہیں کرتے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔

بعض لوگوں نے ختمِ نبوّت کی آیت سے ڈر کر یہ معنی کئے ہیں کہ آنے والا مسیح نبی نہیں ہو گا بلکہ وہ اُمّتی ہو کر آئے گا لیکن ائمہ نے سختی سے اس کو ردّ کیا ہے۔ چنانچہ حجج الکرامۃ میں نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں کہ "فَهُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ اِنْ كَانَ خَلِيْفَةٌ فِي الْاُمَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ فَهُوَ رَسُوْلٌ وَ نَبِيٌّ كَرِيْمٌ عَلٰى حَالِهٖ"۔ [147]

یعنی عیسیٰ علیہ السلام گو اُمّتِ محمدیہ میں سے ایک خلیفہ ہوں گے مگر وہ رسول بھی ہوں گے اور نبی بھی ہوں گے۔ پھر لکھتے ہیں کہ "لَا كَمَا يَظُنُّ بَعْضُ النَّاسِ اَنَّهٗ يَأْتِيْ وَاحِدًا مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بِدُوْنِ نُبُوَّةٍ وَ رِسَالَةٍ"۔ [148] وہ اپنی اسی نبوت کی شان کے ساتھ آئیں گے جس طرح وہ پہلے نبی تھے نہ کہ جس طرح بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ اِس اُمّت کا ایک فرد بن کر آئیں گے۔ نبی اور رسول نہیں ہوں گے۔

پھر وہ لکھتے ہیں جو شخص اُن کی نبوّت کے سلب ہونے کا اعلان کرتا ہے، وہ پورے طور پر کافر ہو گیا۔ جیسا کہ سیوطی نے ثابت کیا ہے کیونکہ وہ نبی ہیں اور اُن کا وصفِ نبوّت نہ اُن کی زندگی میں زائل ہؤا اور نہ موت کے بعد زائل ہو گا۔ [149]

اِسی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند ابراہیم کی وفات پر فرمایا "لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا"۔ [150] یعنی اگر ابراہیم میرا فرزند زندہ رہتا تو نہ صرف یہ کہ وہ نبی ہوتا بلکہ صدیق نبی ہوتا۔ جیسا کہ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام صدیق نبی تھے۔ اِسی طرح آپ فرماتے ہیں "اَمَا وَ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَنَبِيٌّ ابْنُ نَبِيٍّ"۔ [151] خدا کی قسم! میرا بیٹا ابراہیم نبی ابن نبی ہے۔

اِسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ "اِنِّيْ عِنْدَ اللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ"۔152 یعنی مَیں خاتم النّبیّین تھا جب کہ آدمؑ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

اِسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ "قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ قَالَ وَ اٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ"۔153 یعنی لوگوں نے پوچھا یا رسُولَ اللہ! آپ کی نبوت کب سے قائم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آدمؑ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اِس مقام پر فائز کیا تھا۔

یہ وہ احادیث ہیں جن کو جماعتِ اسلامی، مجلسِ عمل اور مجلس احرار سب صحیح مانتے ہیں۔ اِن سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ختمِ نبوت کا عُہدہ ملنے کے بعد تشریعی نبی بھی آتے رہے۔ یعنی نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔ پھر اگر جماعت احمدیہ یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ خاتم النّبیّین کے بعد غیر تشریعی اُمّتی نبی آسکتا ہے تو اِس پر کیا اعتراض۔ اِس سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی ایک روایت ہے جو ابن ابی شیبہ نے بیان کی ہے۔ اس نے کہا کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعض لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم خاتم النّبیّین تو بے شک کہا کرو مگر لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ نہ کہا کرو۔154

اِس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک خاتم النّبیّین اور لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ میں فرق تھا۔ یعنی خاتم النّبیّین کے پورے معنی لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ سے ادا نہیں ہوتے تھے بلکہ اس سے کچھ غلط فہمی پیدا ہو جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لَا نَبِیَّ بَعْدِی فرمانا تو خود احادیث سے ثابت ہے۔ پس یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی منکر تھیں اور اس کو ردّ فرماتی تھیں بلکہ ان کے اِس قول سے یہی ماننا پڑے گا کہ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ کے الفاظ سے کوئی دھوکا لگ سکتا تھا لیکن خاتم النّبیّین کے لفظ سے وہ دھوکا نہیں لگ سکتا۔ اِسی لئے آپ نے فرمایا کہ خاتم النّبیّین کا لفظ جو قرآنِ کریم میں آیا ہے وہ استعمال کیا کرو کیونکہ اِس سے کوئی دھوکا نہیں لگتا۔ لیکن لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ کے الفاظ جو حدیثوں میں آئے ہیں وہ استعمال نہ کیا کرو کیونکہ ان سے دھوکا لگتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دھوکا وہی ہے جس کا ازالہ احمدی جماعت کرتی ہے۔

کیونکہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِی کے یہ معنی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ نہ شرعی نہ غیر شرعی، نہ بروزی نہ مستقل، نہ اُمّتی نہ غیر اُمّتی۔ حالانکہ یہ غلط ہے لیکن خاتم النّبیّین کے الفاظ سے یہ دھوکا نہیں لگتا۔ اگر جیسا کہ علماء کہتے ہیں، خاتم النّبیّین کے معنی بھی یہی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ تم خاتم النّبیّین کہا کرو لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ نہ کہا کرو اِس کے معنی کیا ہیں؟ یہ تو ایک بالکل ہی بے معنی کلام ہو جاتا ہے۔

ایک دوسری روایت بھی اس بارہ میں ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے اور امام سیوطیؒ کی کتاب درّ منثور میں درج ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک شخص مغیرہ بن شعبہؓ کے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ **محمد خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ** پر اپنا درود بھیجے۔ اِس پر مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تُو خاتم الانبیاء کہہ کر ہی ختم کر دے تو یہ کافی ہے کیونکہ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں باتیں کیا کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام آنے والے ہیں اگر وہ آئے تو آپ سے پہلے بھی وہ نبی ہوں گے اور آپ کے بعد بھی وہ نبی ہوں گے۔ 155

اِس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ خیال کرنا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، غلط ہے اور لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ کہنے سے اِس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لیکن خاتم النّبیّین سے یہ خیال ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آئے گا اور اِس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر نہیں تھے کیونکہ وہ کہتے ہیں "جب وہ نکلیں گے"۔ شاید اُن کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ زمین پر ہی کہیں چھُپے بیٹھے ہیں۔ جیسا کہ شیعہ صاحبان کا مہدی کے متعلق خیال ہے۔

اِسی طرح ابن الانباری نے کتاب المصاحف میں لکھا ہے کہ عبد الرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو قرآن پڑھانے پر

مقرر کیا ہوا تھا۔ ایک دن مَیں قرآنِ کریم پڑھا رہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پاس سے گزرے۔ اُس وقت مَیں خاتم النّبیّین کی آیت پڑھا رہا تھا۔ اِس پر آپ نے فرمایا اللہ تجھے توفیق دے۔ تو میرے بچوں کو خاتَم النّبیّین ت کی زبر سے پڑھا۔ 156

اِس سے ظاہر ہے کہ خاتم النّبیّین میں ت کی زیر سے یہ شُبہ پیدا ہوتا تھا کہ اِس کے معنی یہ ہیں کہ سب قسم کے نبی ختم ہوگئے۔ پس گو یہ قراءت موجود ہے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ پسند نہ کیا کہ اُن کے بیٹے اِس دھوکے میں پڑ جائیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا نبی بھی نہیں آئے گا اور اُنہوں نے اپنے بیٹوں کے اُستاد کو منع کر دیا کہ انہیں خَاتِم ت کی زیر سے نہ پڑھاؤ بلکہ خَاتَم ت کی زبر سے پڑھاؤ۔

حضرت شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ جو ساتویں صدی ہجری کے شروع میں گزرے ہیں اپنی کتاب فتوحاتِ مکیہ جلد 2 باب 73 صفحہ 3 میں لکھتے ہیں کہ وہ نبوّت جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے سے ختم ہوگئی ہے وہ تشریعی نبوت ہے۔ اُس کا دُنیا میں کوئی مقام نہیں۔ پس اَب کوئی شریعت ایسی نہیں ہوگی جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو موقوف کرے اور کوئی شریعت ایسی نہیں ہوگی جو آپ کی شریعت میں کوئی حکم زائد کرے۔ اور یہی معنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کے ہیں کہ رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے پس میرے بعد اب کوئی رسول اور نبی نہیں ہے۔ یعنی کوئی ایسا نبی میرے بعد نہیں جو کسی ایسی شریعت پر قائم ہو جو میری شریعت کے مخالف ہے بلکہ جب کوئی نبی ہو گا تو وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت ہو گا اور کوئی رسول میرے بعد نہیں ہو گا۔ یعنی کوئی شخص مخلوقُ اللہ میں ایسا نہیں ہو گا جو کوئی نئی شرع لائے اور اُس کی طرف لوگوں کو بُلائے۔ یہی وہ چیز ہے جو ختم ہوئی ہے اور جس کا دروازہ بند ہوا ہے نہ کہ نبوّت کا مقام بند ہوا ہے۔

اِسی طرح حضرت محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نازل ہوں گے تو وہ نبوتِ مستقلہ کے ساتھ نہیں اُتریں گے بلکہ وہ نبوت مطلقہ والے ولی ہو کر اُتریں گے اور یہ وہ نبوت ہے جس میں محمدی اولیاء بھی اُن کے ساتھ شریک ہیں۔ 157

اسی طرح وہ لکھتے ہیں کہ نبوت مخلوقات میں قیامت تک جاری ہے گو کہ شریعت کے لحاظ سے وہ ختم ہو چکی ہے اور شریعت نبوّت کے حصّوں میں سے ایک حصّہ ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کا الہام دُنیا میں سے بند ہو جاوے کیونکہ اگر وہ بند ہو جاوے تو دُنیا کی رُوحانی غذا ختم ہو جاتی ہے اور رُوحانی وجودوں کے زندہ رہنے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا۔158

پھر وہ فرماتے ہیں نبوّت عامہ یعنی جو شریعت سے خالی ہے وہ اِس اُمّت کے بڑے لوگوں میں قیامت تک جاری ہے۔159

پھر وہ لکھتے ہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ رسالت اور نبوّت بند ہو گئی ہے اِس کے صرف یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا نبی نہیں آئے گا۔ پس اس کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلے۔160

پھر وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم فرما کر نبوّت عامہ اُن میں باقی رکھی یعنی وہ نبوّت جس کے ساتھ شریعت نہیں ہوتی۔161

سیّد عبدالکریم جیلانی جو قدوۃ الاولیاء کہلاتے ہیں لکھتے ہیں نبوت تشریعی کا حکم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد بند ہو گیا اور اِسی وجہ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیّین کہلائے کیونکہ وہ کامل تعلیم لے کر آئے تھے۔162

حضرت مُلّا علی قاریؒ (جو گیارھویں صدی ہجری کے شروع میں گزرے ہیں اور جو حنفیوں کے عقائد کے مدوّن ہیں یعنی جنہوں نے اُن کے عقائد کو ایڈٹ کیا ہے) وہ اپنی کتاب "موضوعاتِ کبیر" میں تحریر فرماتے ہیں:

"قُلْتُ وَ مَعَ هٰذَا لَوْعَاشَ اِبْرَاهِيْمُ وَ صَارَنَبِيًّا وَ كَذَا لَوْ صَارَ عُمَرُ نَبِيًّا لَكَانَا مِنْ اَتْبَاعِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَعِيْسٰى وَ الْخِضْرَوَ اِلْيَاسَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔ فَلَا يُنَاقِضُ قَوْلَهٗ تَعَالٰى خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ اِذَا الْمَعْنٰى اَنَّهٗ لَا يَأْتِيْ نَبِيٌّ بَعْدَهٗ يُنْسِخُ مِلَّتَهٗ وَ لَمْ يَكُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ فَيُقَوِّىْ حَدِيْث لَوْكَانَ مُوْسٰى عليه السلام حَيًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِىْ"۔163

ترجمہ: ”مَیں کہتا ہوں کہ باوجود اِس کے کہ اگر صاحبزادہ ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے اور اِسی طرح اگر حضرت عمر بھی نبی ہو جاتے تو دونوں آنحضرت صلعم کے تابعین میں سے ہوتے۔ جس طرح عیسیٰؑ خضرؑ اور الیاسؑ (کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے۔) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور سچّا نبی ہوتا آیت خاتم النّبیّین کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ خاتم النّبیّین کے معنی صرف اِس قدر ہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ کی ملّت کو منسوخ کرے اور آپ کی اُمّت میں سے نہ ہو۔ اِسی عقیدہ کی تقویت اِس حدیث سے ہوتی ہے کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو میری اتباع کے بغیر اُنہیں کوئی چارہ نہ ہوتا“۔

حضرت ملّا علی قاریؒ کا یہ قول ہم خاص طور پر عدالت کی توجّہ کے لئے پیش کرتے ہیں کیونکہ اِس میں خاتم النّبیّین اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کے بارے میں بعینہٖ وہی بات کہی گئی ہے جو اِس وقت جماعت احمدیہ کہتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم آیت خاتم النّبیّین کے نزول (5ھ) کے قریب تین سال بعد پیدا ہوئے اور نو ہجری میں (آیت خاتم النّبیّین کے نزول کے چار سال بعد) فوت ہوئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وفات کے موقع پر فرمایا کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو سچّا نبی ہوتا۔ **164**

حضرت مُلّا علی قاریؒ مندرجہ بالا اقتباس میں فرماتے ہیں کہ آیت خاتَم النّبیّین کے نزول کے بعد پَیدا ہونے والے صاحبزادہ ابراہیم اگر فی الواقع نبی ہو جاتے تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیّین ہونے میں کوئی فرق نہ آتا اور نہ ہی آپ کی خاتمیّت کے منافی ہوتا کیونکہ حضرت مُلّا علی قاریؒ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی متبع یا اُمّتی کا نبی ہونا آیت خاتَم النّبیّین کے مخالف نہیں۔ اُن کے نزدیک خاتَم النّبیّین کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

آپ کی اُمّت سے باہر کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ یا ایسا نبی نہیں آسکتا جو نئی شریعت لائے۔

ہم اِس حوالے کی طرف خاص طور پر معزّز عدالت کی توجّہ اِس لئے مبذول کرا رہے ہیں کہ اِس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جو سابق نبی ہیں) کے واپس آنے کے لئے وجہ جواز نہیں نکالی گئی بلکہ خود اُمّتِ محمدیہ میں سے غیر تشریعی اور اُمّتی نبی کا پیدا ہونا بھی جائز قرار دیا گیا ہے اور خاص طور پر کہا گیا ہے کہ اگر ایسا ہو تو اِس سے ختمِ نبوّت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ہم نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے نزدیک آیت خاتم النّبیّین کا مفہوم سوائے اس کے کچھ نہیں ہے جو حضرت مُلّا علی قاریؒ کی مندرجہ بالا تحریر میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر مجلسِ عمل کا یہ خیال درست ہے کہ لفظ خاتم النّبیّین کی یہ تاویل کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت اور آپ کی اتباع اور پیروی میں غیر تشریعی نبی ہو سکتا ہے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے تو پھر حضرت مُلّا علی قاریؒ جیسے عظیم الشّان بزرگ پر بھی اُن کو یہی فتویٰ لگانا پڑے گا۔ لیکن وہ ایسا ہر گز نہیں کر سکتے کیونکہ حضرت مُلّا علی قاریؒ وہ بزرگ ہیں جن کو تمام اہلِ سُنت خواہ وہ دیوبندی ہوں یا بریلوی اور تمام اہلِ حدیث جن میں مولانا داؤد غزنوی بھی شامل ہیں، واجب الاحترام بزرگ خیال کرتے ہیں۔**165**

حضرت مُلّا علی قاریؒ بیک وقت امامِ فقہ بھی ہیں اور امامِ حدیث بھی۔

ہم یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ مندرجہ بالا حوالہ ہم نے صرف یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے کہ حضرت مُلّا علی قاریؒ کے نزدیک خاتم النّبیّین کے یہ معنی ہیں:

(الف) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں سے نہ ہونے والا نبی نہیں آسکتا۔

(ب) اگر اُمّت محمدیہ میں کوئی تابع نبی پیدا ہو تو خاتمیّت کے منافی نہیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ آیا حضرت مُلّا علی قاریؒ کے نزدیک ایسا کوئی اُمّتی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فِی الواقع پیدا ہونے والا تھا یا نہیں؟ تو اِس کی یہاں بحث نہیں بلکہ بحث صرف یہ ہے کہ لفظ خاتم النّبیّین کے جو معنی جماعت احمدیہ پیش کرتی ہے وہ نئے نہیں بلکہ گزشتہ علماء، فقہاء اور محدثین یہی معنے بیان فرماتے رہے ہیں۔

امام عبد الوہاب شعرانیؒ جو دسویں صدی ہجری میں گزرے ہیں فرماتے ہیں:-

"یاد رکھو کہ نبوّت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کُلّی طور پر بند نہیں ہوئی صرف تشریعی نبوت آپ کے بعد بند ہوئی ہے۔ پس رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ نہ کوئی نبی ہے نہ کوئی رسول ہے، اس کے یہ معنے ہیں کہ میرے بعد کوئی نئی شریعت نہیں۔ اور یہ قول آپ کا ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا "اِذَا ھَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ وَ اِذَا ھَلَکَ قَیْصَر فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَہٗ" جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہو گا اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہو گا۔ حالانکہ اس قیصر کے بعد اور کئی قیصر ہوئے۔ مطلب یہ تھا کہ اِس شان کا کوئی قیصر نہیں ہو گا"۔ **166**

شیعوں کے نزدیک بھی خاتم النّبیّین کے یہی معنی ہیں چنانچہ تفسیر صافی کے صفحہ 111 پر آیت خاتم النّبیّین کے ماتحت لکھا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علیؓ اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَ اَنْتَ یَا عَلِیُّ خَاتَمُ الْاَوْلِیَاءِ۔ مَیں خاتم الانبیاء ہوں اور اے علیؓ! تُو خاتم الاولیاء ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ کے بعد اور کئی اولیاء ہوئے اور شیعوں کے نزدیک تو گیارہ امام بھی ہوئے۔ اس کے صاف یہ معنی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم الانبیاء کے معنی افضل الانبیاء کے کئے ہیں اور بتایا ہے کہ مَیں افضل الانبیاء ہوں اور تُو افضل الاولیاء ہے۔

اسی طرح حضرت علیؓ کی ایک اور روایت ہے جس میں انہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے فیضان جاری رہنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں "وَ رَسُوْلُکَ الْخَاتَمُ لِمَا سَبَقَ وَ الْفَاتِحُ لِمَا انْغَلَقَ"۔ **167** اے خدا تیرا رسول ایسا ہے کہ جو کمالات پہلے لوگوں کو حاصل ہوئے تھے اُن کے انتہائی درجہ کو پہنچا ہؤا تھا اور جو کمالات پہلے لوگوں سے ہم کو نہیں ملے اُن کا دروازہ اس نے ہمارے لئے کھول دیا ہے۔

علامہ زرقانیؒ جو بارہویں صدی ہجری کے شروع میں گزرے ہیں شرح مواہب اللدنیہ کی جلد 3 صفحہ 163 پر لکھتے ہیں کہ ختم کے معنی اعلیٰ درجے کے کمال کے ہوتے ہیں اور زینت کے ہوتے ہیں۔ پس خاتم النّبیّین کے یہ معنی ہیں کہ آپ انبیاء میں سے سب سے بہتر تھے۔ جسمانی اور رُوحانی طور پر اسی طرح آپ انبیاء کے لئے حُسن کا موجب تھے جس طرح انسان کے لئے انگوٹھی حُسن کا موجب ہوتی ہے۔

شیعوں کی تفسیر مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ تاء کی زبر کے ساتھ خاتم النّبیّین کا جو لفظ ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے لئے زینت تھے۔[168]

تفسیر فتح البیان جلد 7 صفحہ 286 پر لکھا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے لئے بطور انگوٹھی کے تھے جس سے وہ زینت حاصل کرتے تھے۔ یہ لفظ ان معنوں میں صلحاءِ اُمّت نے بھی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ حضرت سیّد عبد القادر جیلانیؒ جو چھٹی صدی ہجری کے قریباً آخر میں گزرے ہیں لکھتے ہیں "فَحِیْنَئِذٍ تَکُوْنُ وَارِثَ کُلِّ رَسُوْلٍ وَ نَبِیٍّ وَ صِدِّیْقٍ وَ بِکَ تَخْتُمُ الْوِلَایَۃُ"۔[169] یعنی اے مجھ سے عقیدت رکھنے والے جب تُو مخلوقات سے اُمیدیں چھوڑ دے گا اور اپنی خواہشات اور ارادے ترک کر دے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھے ایک نئی زندگی ملے گی اور نیا علم اور نیا قُرب اور نئی عزت تجھے بخشی جائے گی اور تُو وارث ہو جائے گا ہر رسول اور ہر نبی اور صدیق کا اور ولایت تجھ پر ختم ہو جائے گی۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کے اعلیٰ لوگ تو الگ رہے اُن کے شاگرد بھی نبیوں، رسولوں اور صدیقوں کے وارث اور خاتم الولایت کے مقام پر پہنچ جائیں گے۔ اگر حضرت سیّد عبد القادر جیلانیؒ کے نزدیک خاتم کے معنی ختم کرنے والے کے ہوں تو لازماً اس حوالہ کے یہ معنی ہوں گے کہ حضرت سیّد عبد القادر جیلانیؒ کے شاگردوں پر ولایت ختم ہو جائے گی اور مہدی اور مسیح اِس شکل میں ظاہر ہوں گے کہ خدا کی ولایت اُنہیں حاصل نہ ہو گی۔ چونکہ اِس حوالے کے یہ معنی بِالبداہت باطل ہیں اِس لئے یہ بھی باطل ہے کہ حضرت سیّد عبد القادر جیلانیؒ نے خاتم کے معنی "ختم کرنے والا" کے لئے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی بھی جو بارہویں صدی ہجری کے آخر میں گزرے ہیں فرماتے ہیں کہ:-

"رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاتم النبیّن کہا گیا ہے اِس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی شخص دُنیا میں ایسا نہیں ہو گا جس کو خدا تعالیٰ نئی شریعت دے کر لوگوں کی طرف بھیجے"۔ **170**

مَولانا محمد قاسم بانیٔ مدرسۃ العلوم دیوبند جو تیرہویں صدی ہجری کے آخر میں گزرے ہیں فرماتے ہیں کہ

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتَم ہونا بایں معنٰی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہلِ فہم پر روشن ہو گا کہ تقدّم یا تاخرِ زمانی میں بالذّات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقامِ مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمانا اِس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصافِ مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقامِ مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تأخّر زمانی صحیح ہو سکتی ہے"۔ **171**

پھر فرماتے ہیں:-

"اگر بِالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا"۔ **172**

ہم نے اُوپر خاتم النبیّن والی آیت کے جو معنی کئے ہیں اُن کی تصدیق بھی حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے اِس قول سے ہو جاتی ہے:

"حاصل مطلب آیت کریمہ اِس صورت میں یہ ہو گا کہ ابوّتِ معروفہ تو رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوّتِ معنوی اُمّتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت

بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو فقط خاتَم النبیّن شاہد ہے''۔ 173

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بہت بڑے فاضل اور جیسا کہ اُوپر عرض کیا جاچکا ہے مدرسۃ العلوم دیو بند کے بانی تھے اور تمام دیو بندی علماء ان کو اپنا واجب الاحترام بزرگ اور مقتداء تسلیم کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو بیان مولوی محمد علی صاحب کاندھلوی) مولانا موصوف کی عبارت جو نمبر (ب) پر تحذیر الناس صفحہ 28 کے حوالہ سے درج کی گئی ہے وہ نہایت واضح اور صاف ہے اور اس میں الفاظ ''پیدا ہو'' خاص طور پر اِس معزّز عدالت کی توجّہ کے قابل ہیں۔ ان الفاظ نے اِس احتمال کی گنجائش بالکل باقی نہیں رکھی کہ نزولِ مسیح کے عقیدہ کے پیشِ نظر ایسا لکھا گیا ہے کیونکہ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا نہ تو خاتمیت کے منافی ہے اور نہ ہی عقیدۂ ختم نبوّت کے لئے باعثِ خطر۔ بشرطیکہ اس پیدا ہونے والے نبی کی نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت سے مستفاض ہو یعنی بِالعرض ہو، بالذّات نہ ہو۔ ہم حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ''اگر بِالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا''موجودہ دیو بندی علماء کے سامنے پیش کرکے اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا آپ بھی یہی الفاظ کہنے کے لئے تیار ہیں اور کیا آپ کا بھی وہی خیال ہے جو مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے؟

ہمیں یقین ہے کہ اُن کا جواب یقیناً نفی میں ہو گا کیونکہ موجودہ غیر احمدی علماء کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کوئی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہو (خواہ وہ آپ کا غلام اور اُمّتی اور آپ کی پیروی کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔) تو اس کی آمد سے عقیدۂ ختمِ نبوّت کو سخت خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مندرجہ بالا حوالہ جات محض یہ دکھانے کے لئے پیش کئے گئے ہیں کہ لفظ خاتَم النبیّن میں ''ختمیّت'' بمعنی تأخّرِ زمانی مُراد نہیں لی گئی۔

باقی رہا یہ سوال کہ آیا مولانا محمد قاسمؒ کے اپنے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فِی الواقع کوئی نبی آسکتا تھا یا نہیں؟ تو اس کی نہ یہاں کوئی بحث ہے

اور نہ ہم نے ایسا کوئی خیال مولانا موصوف کی طرف منسوب کیا ہے۔ اِس جگہ تو ہماری بحث صرف لفظ "خاتَم" کی تشریح و تأویل کے بارہ میں ہے نہ کہ اجرائے نبوّت کے متعلق عقیدۂ حضرت مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی کے بارہ میں۔ اور مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ لفظ "خاتَم" کے جو معنی جماعت احمدیہ بیان کرتی ہے وہ نئے نہیں پہلے بزرگوں نے بھی کئے ہیں۔

پھر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک نامور اور شُہرۂ آفاق معاصر حضرت مولانا عبد الحیٔ لکھنوی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:۔

"آنحضرتؐ کے عصر میں کوئی نبی صاحبِ شرع جدید نہیں ہو سکتا اور نبوت آپ کی عام ہے اور جو نبی آپ کے ہم عصر ہو گا وہ متّبع شریعتِ محمدیہ کا ہو گا"[174]

اِسی طرح حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ لکھنوی اپنے رسالہ دافع الوسواس میں لکھتے ہیں کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آنحضرت کے مجرّد کسی نبی کا ہونا محال نہیں بلکہ صاحبِ شرعِ جدید ہونا البتہ ممتنع ہے"۔[175]

حضرت مولانا رومیؒ جو ساتویں صدی ہجری کے قریباً آخر میں گزرے ہیں لکھتے ہیں ۔

مکر کُن در راہ نیکو خدمتے
تا نبوّت یابی اندر اُمّتے[176]

یعنی تُو بنی نوع انسان کی خدمت اور بہتری کے لئے کوشش کرتا کہ اُمّت میں رہتے ہوئے نبوّت پا جائے۔

اسی طرح فرماتے ہیں:

چون بدادی دست خود در دست پیر
پیر حکمت کو علیمست و خبیر

کو نبی وقت خویش ست اے مرید
زاں کہ زو نُورِ نبیؐ آید پدید[177]

جب تُو اپنا ہاتھ اپنے پیر کے ہاتھ میں دیتا ہے اِس لئے کہ وہ دینِ اسلام کو خوب جاننے والا اور سمجھنے والا ہے اور اس لئے کہ اے مُرید! وہ اپنے وقت کا نبی ہے تا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اُس کے ذریعہ سے ظاہر ہو۔

اس سے واضح ہے کہ مولانا رومیؒ کے نزدیک بھی اِس اُمّت میں سے کمال درجہ پر پہنچنے والا انسان نبی کہلاتا ہے۔

(ج) پھر مولانا رومیؒ نے اپنی مثنوی میں لفظ خاتم کے معنی بھی بیان کئے ہیں۔ فرماتے ہیں ۔

معنیٔ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ — ایں شناس ، ایں است رہ رورا مہم
تاز را ہے خاتم پیغمبراں — بوکہ بر خیزد زلب ختم گراں
ختم ہائے کانبیاء بگذاشتند — آں بدینِ احمدی برداشتند
قفلہائے ناکشودہ ماندہ بود — از کف إِنَّا فَتَحْنَا برکشود
او شفیع است ایں جہاں وآں جہاں — ایں جہاں در دین و آں جہاں در جناں
پیشہ اش اندر ظہور و در کمون — اِهْدِ قَوْمِیْ اِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
باز گشتہ از دمِ اوہر دو باب — در دو عالم دعوتِ اومستجاب
بہر ایں خاتم شد است او کہ بجود — مثلِ اونے بود و نے خواہند بود
چونکہ در صنعت برد استاد دست — نی تو گوئی ختم صنعت بر تو ہست
درکشادے ختم ہا تو خاتمی — درجہان رُوح بخشاں حاتمی
ہست اشارات محمدؐ المراد — کل کشاد اندر کشاد اندر کشاد[178]

یعنی نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ کے معنی سمجھنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ یہ راہ رَو کے لئے ایک مشکل ہے تاکہ لب ہلانے سے خاتم النبیّین کے رستے سے ایک بھاری ختم اُٹھ جائے۔ ایسے بہت سے ختم جو پہلے نبی باقی چھوڑ گئے تھے وہ دینِ محمدی میں اُٹھائے گئے۔ بہت سے تالے بند پڑے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّا فَتَحْنَا کے ہاتھ

سے وہ سب کھول دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں کے شفیع ہیں اِس جہان میں دین کے اور اگلے جہان میں جنّت کے۔ ظاہر و باطن میں آپ کا وِرد یہی تھا کہ اے خدا! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ اُنہیں علم نہیں ہے۔ آپ کے فیض سے دونوں دروازے کھُل گئے اور دونوں جہانوں میں آپ کی دُعا مستجاب ہو گی۔ آپ ان معنوں میں خاتَم ہیں کہ فیض رسانی میں آپ کے برابر نہ کوئی پہلے ہؤا نہ کوئی آئندہ ہو گا۔ جس طرح جب کوئی استاد صنعت میں اپنا کمال دکھاتا ہے تو کیا تُو یہ نہیں کہتا کہ اے اُستاد! تُجھ پر صنعت ختم ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تُو ہر قسم کے ختموں کو کھولنے کی وجہ سے خاتم ہے اور رُوح پھُونکنے والوں میں تُو خاتم ہے۔ غرضیکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا یہی ہے کہ تمام راستے کھلے ہیں اور کوئی بند نہیں ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:-

"کہ کوئی کمال براہ راست حاصل ہونے والی نبوّت کے سوا ختم نہیں ہؤا اور اللہ تعالیٰ جو تمام فیوض کا مبدا ہے اُس کے متعلق بخل اور دریغ کا خیال کرنا ناممکن ہے"۔ 179

حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانیؒ جو گیارھویں صدی ہجری کے شروع میں گزرے ہیں فرماتے ہیں:-

"کمالاتِ نبوت اُمّتیوں کو تبعیت اور وراثت کے طریق پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ملنا آپ کی خاتمیت کے منافی نہیں ہے اور اس بات میں تُو ہرگز شک نہ کر"۔ 180

خود احادیث سے بھی ان معنوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ شرح بخاری میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ میرے اور مسیح ابن مریم کے درمیان کوئی نبی نہیں علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ:-

"اس کے معنی یہ ہیں کہ میرے اور اُن کے درمیان کوئی شریعتِ مستقلہ والا نبی نہیں کیونکہ خود حدیثوں سے ثابت ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جرجیس اور خالد بن سنان دو نبی گزرے ہیں"۔ 181

قسطلانی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ:-

"رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا ہے کہ مَیں آخری اینٹ ہوں اور مَیں خاتم النبیّن ہوں۔ اس کے معنی ہیں مکمل شرائع الدین۔ مَیں دین کی شرائع کو مکمل کرنے والا ہوں"۔ 182

اسی طرح قسطلانی شرح بخاری جلد 6 صفحہ 21 مطبوعہ مصر 1304ھ پر لکھا ہے:-

"عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ختمِ نبوت کے منافی نہیں کیونکہ وہ آپ کے دین پر ہوں گے"۔

پھر لکھتے ہیں:-

"کہ چونکہ وہ آپ کے اتباع میں سے ہوں گے اس لئے ان کا وجود ختم نبوّت کے مخالف نہیں ہو گا"۔

شیعہ لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ اُمّتِ محمدیہ میں کسی نبی کا آنا ختم نبوت کے خلاف نہیں۔ چنانچہ رسالہ غایۃ المقصود مصنّفہ علامہ علی حائری میں لکھا ہے کہ:-

"هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ میں مہدی موعود کی پیشگوئی ہے اور رسول سے مراد مہدی موعود ہیں"۔ 183

اِسی طرح تفسیر صافی میں بھی لکھا ہے کہ اِس آیت میں رسول سے مراد مہدی موعود ہیں۔ شیعہ صاحبان مہدی کو نہ صرف عام رسول قرار دیتے ہیں بلکہ اہم درجہ کا رسول قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ حائری لکھتے ہیں کہ:-

"مہدی علیہ السلام کی افضلیت حضرت مسیح ناصری پر ثابت اور واضح ہے"۔ 184

شیعوں کی کتاب اکمال الدین صفحہ 375 پر لکھا ہے کہ:-

’’انبیاء اور اولیاء میں سے ہادیوں کے آنے کی بندش ہرگز جائز نہیں۔ جب تک انسان خدا کے حکموں کا مکلّف ہے یہ لوگ بھی آتے رہیں گے‘‘۔

اِسی طرح ایک حدیث میں جو شیعوں کی تفسیر القُمّی کے صفحہ ۳۴۳ پر لکھی ہے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو لیا اور اُسے مخاطب کر کے کہا کہ مَیں تجھ سے نبی پیدا کرتا رہوں گا، رسول پیدا کرتا رہوں گا، صالحین پیدا کرتا رہوں گا، ہدایت دینے والے ائمہ پیدا کرتا رہوں گا اور جنّت کی طرف بُلانے والے پیدا کرتا رہوں گا اور قیامت تک ایسا ہی کرتا چلا جاؤں گا اور ہرگز کسی کے اعتراض کی پرواہ نہیں کروں گا۔ یعنی خدا نے جس دن دُنیا پیدا کی تھی اُسی دن اُس نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ حافظ کفایت حسین صاحب اور شمسی صاحب کچھ کہتے رہیں، مَیں پھر بھی ارسالِ رُسُل اور ارسالِ مہدیّین سے دست کش نہ ہوں گا۔

بحث کا خلاصہ

مذکورہ بالا آیات اور احادیث اور اقوالِ صلحاء و اولیاء سے مندرجہ ذیل باتیں روزِ روشن کی طرح ثابت ہیں۔

اوّل: قرآن کریم کی رُو سے ایک قسم کی نبوّت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے اور اِس قسم کے انبیاء رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آتے رہیں گے۔

دوم: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ختمِ نبوّت کے مقام پر اپنی بعثت کے بعد فائز نہیں ہوئے بلکہ کائنات کی ابتداء میں ہی آپ کو مقامِ نبوّت عطا کیا گیا تھا اور جتنے نبی دُنیا میں آئے گو آپ کی پیدائش کے لحاظ سے وہ آپ سے پہلے گزرے ہیں لیکن ختمِ نبوّت کے لحاظ سے وہ ختمِ نبوّت کے بعد ہوئے ہیں۔

سوم: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی جو نئی شریعت لانے والا ہو یا آپ کی اطاعت سے باہر ہو ظاہر نہیں ہو گا۔

چہارم: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باوجود ختمِ نبوّت کے اعلان کے مسلمانوں کے نزدیک نبی ظاہر ہو سکتا تھا جیسا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم

اور بعض صلحاءِ اُمّت کا یہ خیال تھا کہ مسیحِ ناصری دوبارہ دُنیا میں آئیں گے اور نبی کی حیثیت میں آئیں گے۔

پنجم: آیت خاتم النبیّن کے معنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بہت سے صلحاء کے نزدیک قطعی طور پر یہ ہیں کہ ہر قسم کا بابِ نبوّت اس آیت سے مسدود نہیں۔

ششم: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم معیّن صورت میں فرماتے ہیں کہ اس اُمّت میں سے کسی تابع نبی کا ہونا ناممکن نہیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے ابراہیمؑ کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔

ہفتم: صلحاءِ اُمّت میں سے بعض اکابر زمانۂ صحابہ سے لے کر بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے زمانہ تک اِس بات کے قائل رہے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں سے ایسے لوگ ظاہر ہوتے رہیں گے جو نبوتِ عامہ یعنی بغیر شریعت کے نبوّت پائیں گے۔

ہشتم: کئی اکابر علماءِ اُمّت خصوصاً دیوبندیوں اور اس زمانہ کے حنفیوں کے رہنما اِس بات کے قائل ہیں کہ گو اُمّتِ محمدیہ میں سے نبی کا آنا ثابت نہیں لیکن اگر کوئی اُمّت میں سے نبی آئے تو یہ ختمِ نبوّت کی آیت کے خلاف نہ ہوگا اور اسلام کے لئے کسی خرابی یا ذلّت کا موجب نہیں ہوگا۔

اَب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ جماعت احمدیہ اور دوسرے مسلمانوں کا اختلاف صرف اِسی بات میں ہے کہ آیا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اُمّت میں سے ظاہر ہو سکتا ہے یا نہیں۔ درحقیقت جمہور مسلمان بھی اس بات کے قائل ہیں کہ ایک سابق نبی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظاہر ہوگا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر وہ نبی آیا تو وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی نبی ہوگا اور آپؐ کے بعد بھی نبی ہوگا۔ اس لئے **لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ** کے الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں بلکہ خاتم النّبیّن کہنا چاہیئے۔ پس ختمِ نبوّت کے بعد کسی نبی کے آنے کے متعلق

اختلاف نہیں بلکہ اختلاف صرف یہ ہے کہ وہ نبی باہر سے آئے گا یا اُمّت میں سے آئے گا۔ ہر عقلمند انسان سمجھ سکتا ہے کہ باہر سے آنے والا نبی یقیناً رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح ممنون نہیں ہو گا جس طرح کہ وہ اُمّتی جو آپ کی فرمانبرداری سے مقامِ نبوّت پائے، آپ کا ممنون ہو سکتا ہے۔

پس احمدی جماعت کا عقیدہ اسلام کے عین مطابق اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو بڑھانے والا ہے۔ اور کم سے کم یہ ماننا پڑے گا کہ وہ اسلامی رُوح کے ہرگز خلاف نہیں کیونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نہ کسی رنگ کے نبی کے آنے کا دروازہ تمام مسلمانوں کے نزدیک کھلا ہے۔

بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا "ختمِ نبوّت" پر ایمان

اب ہم بتاتے ہیں کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ختمِ نبوّت کے متعلق کس شدّت سے اظہار کیا ہے اور اگر اپنے متعلق نبی کا لفظ بولا ہے تو اِس میں کتنی احتیاط برتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

"مَیں مفصّلہ ذیل اُمور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اِس خانۂ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ مَیں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کا قائل ہوں اور جو شخص ختمِ نبوّت کا مُنکر ہو اُس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"۔ 185

پھر فرماتے ہیں:-

"ہم اِس آیت پر سچّا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا کہ وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ"۔ 186

اِسی طرح فرماتے ہیں:-

"عقیدہ کے رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے"۔ 187

پھر فرماتے ہیں:-

''اگر مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت نہ ہوتا اور آپ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دُنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی مَیں کبھی یہ شرفِ مکالمہ مخاطبہ ہرگز نہ پاتا کیونکہ اَب بجز محمدی نبوّت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے اُمّتی ہو''۔ **188**

''ختمِ نبوّت'' پر ایمان احمدی ہونے کی ایک شرط ہے

اِن حوالجات سے ظاہر ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ ختمِ نبوّت پر پورا ایمان رکھتے تھے اور ہرگز اِس کا انکار نہیں کرتے تھے۔ موجودہ امام جماعت احمدیہ کا عقیدہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے اپنی خلافت کے شروع سے ختمِ نبوّت پر ایمان لانے کو اپنی شرائطِ بیعت میں شامل کیا ہے اور آپ کی بیعت کے فقروں میں سے ایک فقرہ یہ ہے کہ ''مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّن یقین کروں گا''۔ اِس بات کے بعد علماءِ کرام یہ تو حق رکھتے تھے کہ لوگوں سے یہ کہتے کہ احمدی یہی لکھتے اور کہتے ہیں کہ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیّن مانتے ہیں لیکن اِن کے دلوں میں یہ عقیدہ نہیں یہ جھوٹ بول کے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ مگر ان کا یہ حق نہیں تھا کہ وہ لوگوں سے یہ کہتے کہ احمدی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت پر ایمان کا اقرار نہیں کرتے۔ علماءِ کرام کا لوگوں کے سامنے یہ بات کہنا بتاتا ہے کہ وہ جھوٹ بول کر فساد پیدا کرنا چاہتے تھے اور اُن کی تقریروں کی غرض مذہبی نہیں تھی کیونکہ مذہب جھوٹ کی اجازت نہیں دیتا۔ اُن کی اغراض محض پولیٹیکل تھیں اور وہ صرف اپنے مخالف کو زیر کرنا چاہتے تھے۔ اس سے اُن کو کوئی غرض نہیں تھی کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے کہ جھوٹ ہے۔ وہ انصاف کے مطابق ہے یا اس میں ظلم اور تعدّی سے کام لیا گیا ہے۔

بانیٔ سلسلہ احمدیہ کن معنوں میں نبی ہیں

بے شک بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے کہا ہے کہ مَیں ایک رنگ میں نبی ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی آپ نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ مَیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے اور آپ کی اُمّت میں سے ہو کر آیا ہوں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

"کوئی شخص اس جگہ نبی ہونے کے لفظ سے دھوکا نہ کھاوے۔ مَیں بار بار لکھ چُکا ہوں کہ یہ وہ نبوّت نہیں ہے جو ایک مستقل نبوّت کہلاتی ہے۔ کوئی مستقل نبی اُمّتی نہیں کہلا سکتا مگر مَیں اُمّتی ہوں"۔ 189

پھر فرماتے ہیں:-

"اتباعِ کامل کی وجہ سے میرا نام اُمّتی ہوًا اور پورا عکسِ نبوّت حاصل کرنے سے میرا نام نبی ہو گیا۔ پس اِس طرح پر مجھے دو نام حاصل ہوئے"۔ 190

پھر فرماتے ہیں:-

"مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ نبی کے نام پر اکثر لوگ کیوں چِڑ جاتے ہیں۔ جس حالت میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ آنے والا مسیح اِسی اُمّت میں سے ہو گا۔ پھر اگر خدا تعالیٰ نے اس کا نام نبی رکھ دیا تو حرج کیا ہوًا۔ ایسے لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ اسی کا نام اُمّتی بھی تو رکھا گیا ہے اور اُمّتیوں کی تمام صفات اس میں رکھی گئی ہیں۔ پس یہ مرکّب نام ایک الگ نام ہے اور کبھی حضرت عیسیٰؑ اسرائیلی اس نام سے موسوم نہیں ہوئے اور مجھے خدا تعالیٰ نے میری وحی میں بار بار اُمّتی کر کے بھی پُکارا ہے اور نبی کر کے بھی پُکارا ہے اور اِن دونوں ناموں کے سُننے سے میرے دِل میں نہایت لذّت پیدا ہوتی ہے اور مَیں شُکر کرتا ہوں کہ اِس مُرکّب نام سے مجھے عزّت دی گئی۔ اور اس مرکّب نام کے رکھنے میں

حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تا عیسائیوں پر ایک سرزنش کا تازیانہ لگے کہ تم عیسیٰ بن مریم کو خدا بناتے ہو مگر ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ کا نبی ہے کہ اُس کی اُمّت کا ایک فرد نبی ہو سکتا ہے اور عیسیٰ کہلا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ اُمّتی ہے"۔ 191

پھر اِس نبوّت کی تعریف فرماتے ہوئے جس کا دعویٰ آپ نے کیا ہے تحریر فرماتے ہیں:-

"میری مُراد نبوّت سے یہ نہیں ہے کہ مَیں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوّت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مُراد میری نبوّت سے کثرتِ مکالمت و مخاطبتِ الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ و مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی۔ یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں۔ مَیں اُس کی کثرت کا نام بموجب حکمِ الٰہی نبوّت رکھتا ہوں۔ وَلِکُلٍّ اَنْ یَّصْطَلِحَ"۔ 192

اِسی طرح اپنی وفات سے صرف تین مہینے پہلے آپ نے فرمایا:-

"اصل یہ نزاع لفظی ہے۔ خدا تعالیٰ جس کے ساتھ ایسا مکالمہ و مخاطبہ کرے کہ جو بلحاظ کمیت و کیفیت دوسروں سے بہت بڑھ کر ہو اور اس میں پیشگوئیاں بھی کثرت سے ہوں اُسے نبی کہتے ہیں اور یہ تعریف ہم پر صادق آتی ہے۔ پس ہم نبی ہیں۔ ہاں یہ نبوّت تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے ایسے دعویٰ کو تو ہم کُفر سمجھتے ہیں"۔ 193

آپ نے یہ جو تعریف فرمائی ہے وہ قرآن کریم میں بھی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ 194 یعنی

اللہ تعالیٰ ہی علمِ غیب جاننے والا ہے اور وہ غیب کی خبریں کثرت سے کسی شخص کو نہیں دیتا سوائے ان کے جن کو اپنا رسول بنانے کے لئے پسند کر لیتا ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں:-

”جاہل مخالف میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مجھے ایسا کوئی دعویٰ نہیں۔ مَیں اُس طور سے جو وہ خیال کرتے ہیں نہ نبی ہوں نہ رسول ہوں۔ ہاں مَیں اِس طور سے نبی اور رسول ہوں جس طور سے ابھی مَیں نے بیان کیا ہے۔ پس جو شخص میرے پر شرارت سے یہ الزام لگاتا ہے جو دعویٰ نبوّت اور رسالت کا کرتے ہیں وہ جھوٹا اور ناپاک خیال ہے۔ مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اِسی بناء پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا۔ مگر بروزی صورت میں۔ میرا نفس درمیان نہیں ہے بلکہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اسی لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہؤا۔ پس نبوّت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمدؐ کی چیز محمدؐ کے پاس ہی رہی۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام“۔ 195

لفظ نبی کے بکثرت استعمال میں احتیاط

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس لفظ کے استعمال میں تو اس قدر احتیاط برتی ہے کہ آپ نے اپنی جماعت کو نصیحت فرمائی کہ عام بول چال میں میری نسبت نبی کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

”یاد رکھنا چاہئے کہ اس عاجز نے کبھی اور کسی وقت حقیقی طور پر نبوت یا رسالت کا دعویٰ نہیں کیا اور غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لُغت کے عام معنوں کے لحاظ سے اس کو بول چال میں لانا مستلزمِ کُفر نہیں۔ مگر مَیں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اِس میں عام مسلمانوں کو دھوکا لگ جانے کا احتمال ہے“۔ 196

ہماری جماعت کے موجودہ امام نے بھی نبوّت کی یہی تعریف کی ہے۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب ''حقیقۃ النبوۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:-

''یہ سب جھگڑا جو نبوّت کے متعلق پیدا ہوًا ہے وہ صرف نبوّت کی دو مختلف تعریفوں کے باعث ہے۔ ہمارا مخالف گروہ نبی کی اَور تعریف کرتا ہے اور ہم اَور تعریف کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک نبی کی تعریف یہ ہے کہ (1) وہ کثرت سے امورِ غیبیہ پر اطلاع پائے۔ (2)وہ غیب کی خبریں انذار و تبشیر کا پہلو اپنے اندر رکھتی ہوں (3)خدا تعالیٰ اُس شخص کا نام نبی رکھے۔ جن لوگوں میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں، وہ ہمارے نزدیک نبی ہوں گے''۔ **197**

اِسی طرح فرماتے ہیں:-

''بعض لوگ ان تین شرائط کے پائے جانے کا نام نبوّت نہیں رکھتے اور ان کے علاوہ اَور شرائط مقرر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی کے لئے یا تو شریعتِ جدیدہ لانا ضروری ہے یا بلا واسطہ نبوّت پانا۔ اور اگر ان دونوں شرائط کے علاوہ کوئی اور شرط بھی لگاتے ہوں تو اس کا مجھے علم نہیں۔ اور چونکہ یہ شرائط حضرتِ مسیح موعود میں نہیں پائی جاتیں، اس لئے ان کے نزدیک حضرت مسیح موعودؑ نبی نہیں بلکہ صرف محدّث ہیں۔ اور ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر نبوّت کی تعریف یہی ہے تو بیشک حضرت مسیح موعود نبی نہ تھے اور جن کے نزدیک یہ تعریف درست ہے اگر وہ مسیح موعود کو نبی کہیں تو یہ ایک خطرناک گناہ ہے کیونکہ شریعتِ جدیدہ کا آنا قرآن کریم کے بعد ممتنع ہے اور بِلا واسطہ نبوّت کا دروازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسدود ہے''۔ **198**

انہوں نے اس بات کو بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے عام بول چال میں نبی کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ جب ایک شخص نے

آپ سے یہ سوال کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو عام بول چال میں اس لفظ کا استعمال منع فرمایا ہے اور آجکل اس لفظ پر خاص زور دیا جا رہا ہے تو اُنہوں نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:-

"نبوّت کے متعلق میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ سب احمدی حضرت مسیح موعود کو نبی ظلّی ہی مانتے ہیں لیکن چونکہ حضرت صاحب کے درجہ کو اِس وقت بہت گھٹا کر لکھا جاتا ہے، اس لئے مصلحتِ وقت مجبور کرتی ہے کہ آپ کے اصل درجہ سے جماعت کو آگاہ کیا جاوے، ورنہ اِس طرح کے لفظِ نبی کے استعمال کو مَیں خود بھی پسند نہیں کرتا۔ نہ اس لئے کہ آپ نبی نہ تھے بلکہ اس لئے کہ ایسا نہ ہو کچھ مدّت بعد بعض لوگ اِس سے نبوتِ مستقلہ کا مفہوم نکال لیں۔ مگر یہ صرف چند روزہ بات ہے اور بطور علاج کے ہے کیونکہ اِس وقت بہت سے احمدی حضرت مسیح موعودؑ کے درجہ سے ناواقف ہیں اور اخبار میں یہ بھی بار بار لکھ دیا جاتا ہے کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے کے لئے آئے تھے"۔**199**

اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ اِن علماء کی خاطر یا دوسرے مسلمانوں کی خاطر یہ لفظ زیرِ بحث نہیں آتا رہا بلکہ احمدی جماعت کے ایک حصّہ نے جب اس لفظ کو کُلّی طور پر ترک کرنے پر زور دیا اور اس طرح جماعت کی تنظیم میں تفرقہ پیدا کرنا چاہا تو موجودہ امام جماعت کو اس مسئلہ پر تفصیلاً بحث کرنی پڑی۔ اِسی وجہ سے وہ یہ لکھتے ہیں کہ اِس وقت اس لفظ پر مصلحتاً زور دیا جاتا ہے۔ یعنی عام حالات میں اس لفظ پر زور دینے کی ہمارے لئے کوئی وجہ نہیں مگر چونکہ اِس وقت خود جماعت کا ایک حصّہ اس کے خلاف پروپیگنڈا کرتا ہے اور جماعت کے لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اس لئے ہم اس مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں۔ گویا یہ تمام بحثیں نہ تو مسلمانوں کے چِڑانے کے لئے تھیں نہ ان کے لئے تھیں صرف جماعت احمدیہ کے ایک حصّہ کے فتنہ کو دُور کرنے کے لئے جس سے جماعت میں

کمزوری پیدا ہونے کا احتمال ہو سکتا تھا اِس بحث کو چھیڑا گیا تھا۔ اس کے بعد مختلف مواقع پر موجودہ امام جماعت نے اِس کی تشریح کی ہے کہ نبوّت کے لفظ سے اس سے زیادہ کچھ بھی مراد نہیں ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے کثرت سے الہام ہوتے تھے اور خدا تعالیٰ کے الہاموں میں ان کا نام نبی آتا تھا۔ ورنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر ان کو کوئی مقام بھی حاصل نہیں۔

امام جماعت احمدیہ کے ایک اور حوالہ سے بھی ثابت ہے کہ وہ اُمّتِ محمدیہ کا اصل نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا ایک اعلان الفضل 20 مئی 1950ء میں شائع ہوا ہے کہ کسی شخص نے آپ کو توجّہ دلائی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے متعلق خاندانِ نبوّت کا لفظ اخبار میں لکھا جاتا ہے، یہ نہیں چاہئے۔ اِس تسلسل میں آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"متواتر خط و کتابت میں اِن صاحب نے ایک بات لکھی جس نے میری طبیعت پر اثر کیا اور وہ بات یہ تھی کہ خاندانِ نبوّت سے یہ دھوکا لگتا ہے کہ شاید یہی ایک خاندانِ نبوت ہے۔ اور مَیں نے سمجھا کہ اس قسم کا دھوکا ضرور پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اس لفظ کا استعمال ٹھیک نہیں۔ اصل نبوّت تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت تو ظلّی ہے۔ پس اصل "خاندانِ نبوّت" تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہے جس نے اپنی قُربانیوں سے اور اپنے ایثار سے اور اپنی خدمتِ اسلام سے یہ ثابت کر دیا کہ اُن کے دل میں جو اِس فضل اور احسان کی بہت بڑی قدر ہے جو خدا تعالیٰ نے انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پیدا کر کے کیا ہے۔ پس ایسا کوئی لفظ جس سے یہ شُبہ پیدا ہو جائے کہ کسی اَور خاندان کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے علاوہ کوئی امتیاز دیا جاتا ہے تو خواہ وہ نادانستہ ہی ہو پسندیدہ نہیں۔

اس لئے مَیں یہ اعلان کرتا ہوں کہ آئندہ ''الفضل'' میں اور دوسری احمدی تحریروں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کو خاندانِ نبوّت کی بجائے خاندانِ مسیح موعود لکھا جایا کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جتنے دعاوی ہیں وہ سارے کے سارے مسیح موعود کے لفظ میں شامل ہو جاتے ہیں کیونکہ یہی نام آپ کا حاوی نام ہے۔ پس خاندانِ مسیح موعودؑ کہنے سے وہ تمام باتیں اس خاندان کی طرف منسوب ہو جاتی ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق کی وجہ سے ان کی طرف منسوب ہو سکتی ہیں۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاندان اپنے عمل سے اپنے آپ کو اُس مقام کا اہل ثابت کرے جو مقام خدا تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے۔ اگر ان میں سے ہی بعض دُنیا کے کاموں میں لگ جائیں اور روٹی انہیں خدا تعالیٰ پر مقدم ہو تو انہیں خاندانِ نبوّت کہا جائے یا خانوادۂ الوہیت کہا جائے بلکہ خواہ خدا ہی کہہ دیا جائے ہر تعریف اُن کے لئے ہتک کا ہی موجب ہو گی کسی عزّت کا موجب نہیں ہو گی۔ بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ ان کی تعریف کرنے والے لوگ ان کو زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ سے پھرانا چاہتے ہیں''۔ 200

اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ موجودہ امام جماعت احمدیہ کے نزدیک بھی لفظِ نبی کا ایسا استعمال جس سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے توجّہ ہٹتی ہو احمدی جماعت کے لئے جائز نہیں۔ پس اِس بارہ میں جن خیالات کا بھی اظہار ہوا ہے محض اپنی جماعت کے ایک کمزور حصّہ کی اصلاح کے لئے ہوا ہے اور ہرگز دوسرے فرقۂ اسلام کو مدّ نظر رکھ کر اس لفظ پر زور نہیں دیا گیا۔ جہاں جہاں بھی یہ بات بحث میں آئی ہے یا تو کسی معترض کے جواب میں آئی ہے یا اپنی جماعت کے کمزور لوگوں کی اصلاح

کے لئے آئی ہے۔ اور اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ احمدی جماعت کسی مستقل نبوّت کی قائل نہیں بلکہ وہ اس اُمّت کا نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی سمجھتے ہیں اور قیامت تک انہیں کی نبوّت کو جاری سمجھتے ہیں۔

آخر میں ہم ایک حوالہ سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا درج کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبوّت کے متعلق خواہ کوئی بھی اختلاف کیا جائے بہر حال احرار اور اُن کے ساتھیوں نے یہ سوال مذہب کی وجہ سے نہیں اُٹھایا بلکہ سیاست کی وجہ سے اُٹھایا ہے۔ چنانچہ سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے اپنی ایک تقریر میں بیان کیا:-

> ''یہ الگ بات ہے کہ سچا تھا، یا جھوٹا۔ یہ تو چیز ہی بالکل بے معنی ہے۔ فرض کر لو اگر وہ سچا ہوتا اور نبوت کا دعویٰ کرتا تو کیا ہم مان لیتے؟'' 201

اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب کی مخالفت مذہبی نہیں تھی کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب سچے بھی ہوتے تو بھی ہم اُن کو مان نہیں سکتے تھے۔ جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ بنتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب کے ماننے کا خدا بھی حکم دیتا تو بھی ہم نہ مانتے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ یہ مذہبی مخالفت نہیں۔ اگر مذہبی مخالفت ہوتی تو خدا اور اُس کے رسول کی تائید میں ہوتی۔ عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری فرماتے ہیں '' کہ خدا بھی کہے تو ہم نہیں مانیں گے '' جس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے سیاسی فوائد اُن کے نہ ماننے میں ہیں۔ اس لئے ہم مذہب کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔

دوسرا حوالہ بھی سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا ہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

> ''اگر نبی ہی ماننا ہے تو خدا کی قسم! جناح کو نبی مان لو۔ اگر اُسے نہیں ماننا تو مجھے ہی مان لو۔ ارے! کوئی آدمی تو ہو..... اگر مسلمانو! تم تیرہ سَو سال کی نبوّت سے تنگ آگئے ہو تو قائداعظم ہی کو نبی مان لو''۔ 202

اس حوالہ سے بھی ظاہر ہے کہ ایمان کو سیاست کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے ایمان کو

سچائی اور مذہب کا ذریعہ نہیں قرار دیا جاتا۔ اور بہ تکرار یہ کہنے والا مذہبی آدمی کبھی نہیں کہلا سکتا، سیاسی آدمی کہلا سکتا ہے۔

ایک تیسرا حوالہ بھی بتاتا ہے کہ یہ محض سیاسی جوش تھا۔ یہ بھی سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا حوالہ ہے۔ اس کے لئے ہم ایک اشتہار کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتے ہیں:۔

> "میرا مجلس احرار سے کوئی تعلق نہیں۔ مَیں مجلسِ احرار کا دو آنہ کا ممبر بھی نہیں ہوں۔ مَیں پکّا مُسلم لیگی ہوں۔ مسلم لیگ اور پاکستان کا سچا وفادار ہوں۔ مَیں ممتاز صاحب دولتانہ کو اِس لئے اپنا لیڈر جانتا ہوں کہ وہ ایک تو صوبہ مسلم لیگ کے صدر ہیں اور دوسرے وہ صوبہ پنجاب کی حکومت کے وزیر اعلیٰ ہیں۔ اگر دولتانہ صاحب کہہ دیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوّت پر ایمان لے آؤ تو مَیں اُس پر ایمان لے آؤں گا اور مرزا بشیر الدین محمود احمد کو خلیفۃ المسیح مان لوں گا"۔ 203

سوال نمبر 3 متعلق دعوائے مسیحیت و متعلقہ اُمور

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شُبہ نہیں۔ حضرت مرزا صاحب بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور اِسی سے لازم آتا ہے کہ مسیح ناصری کو وفات یافتہ سمجھا جائے لیکن اس دعویٰ سے مسلمانوں کی کوئی دل شکنی نہیں ہوتی۔ نہ عیسائیوں کی کوئی دل شکنی ہوتی ہے۔ عیسائی تو مسیح ناصری کو خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی اُن کی اس دعویٰ سے دل شکنی نہیں ہوتی۔ بہت سے عیسائی ممالک میں احمدی مشنری ہیں اور وہ احمدیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ان ممالک کے لوگ عیسائیت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ وہ لوگ کروڑوں کروڑ روپیہ مسلمانوں میں تبلیغ کے لئے چندہ دیتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ عیسائیت کی محبت اور اُس پر ایمان اُن کے دلوں میں

موجود ہے مگر پھر بھی وہ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مسیح موعود سے نہیں چڑتے اور انہیں غصّہ نہیں آتا۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ انسانی اخلاق کی قیمت کو سمجھتے ہیں۔ ہمارے علماء انسانی اخلاق اور حُریتِ ضمیر کی قیمت نہیں سمجھتے۔ وہ اپنے تنگ مذاہب کے باوجود وسعتِ حوصلہ رکھتے ہیں لیکن یہ علماء اسلام کی وسیع اور پُر محبت تعلیم کے باوجود اپنے اندر وسعتِ حوصلہ نہیں رکھتے۔ جہاں تک یہ سوال ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو یہ کوئی بُری بات نہیں۔ اگر اس اُمّت میں سے کسی کو مسیح موعود ہونا تھا تو یہ دعویٰ حضرت مرزا صاحب کریں یا کوئی اور اِس میں چڑنے کی کوئی بات نہیں۔ صرف یہ دیکھا جائے گا کہ مُدعی سچا ہے یا جھوٹا۔ باقی رہا یہ سوال کہ تمام مسلمان مسیح کو زندہ سمجھتے ہیں اور اُسی مسیح کی آمد کے قائل ہیں، یہ درست نہیں۔ مسلمانوں میں سب سے پہلا اجماع اِسی بات پر ہؤا تھا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء فوت ہو چکے ہیں جن میں مسیح بھی شامل ہیں۔ چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جب مسلمان گھبرا گئے اور یہ صدمہ اُن کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے اسی گھبراہٹ میں تلوار کھینچ لی اور کہا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے گا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں تو مَیں اُس کی گردن کاٹ دُوں گا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے بلکہ حضرت موسیٰ کی طرح خدا سے ملنے گئے ہیں اور پھر واپس آئیں گے اور منافقوں کو ختم کریں گے پھر وفات پائیں گے۔[204] گویا اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ منافق جب تک ختم نہ ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہو سکتے اور چونکہ منافق آپ کی وفات تک موجود تھے اِس لئے وہ سمجھے کہ آپ فوت نہیں ہوئے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ جو اُس وقت مدینہ کے پاس باہر ایک گاؤں میں گئے ہوئے تھے تشریف لائے۔ وہ سیدھے گھر میں گئے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک دیکھا اور معلوم کیا کہ آپ واقع میں وفات پا چکے ہیں۔ اِس پر آپ باہر تشریف لائے اور یہ کہتے ہوئے آئے کہ اللہ تعالیٰ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو موتیں نہیں دے گا۔ یعنی ایک موت جسمانی دوسری موت رُوحانی کہ آپ کی وفات کے ساتھ ہی مسلمان

بگڑ جائیں۔ پھر آپ سیدھے صحابہؓ کے اجتماع میں گئے اور لوگوں سے کہا کہ مَیں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ تلوار لئے کھڑے تھے اور یہ اِرادہ کر کے کھڑے تھے کہ اگر کسی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اعلان کیا تو مَیں اُس کو قتل کر دوں گا۔ حضرت ابو بکرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا۔ اے لوگو! ''مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ للہ فَإِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ''۔ جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ سُن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں اور جو کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ خوش ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور کبھی فوت نہیں ہو گا۔

پھر فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ تعالیٰ کے ایک رسول تھے اور آپ سے پہلے جتنے رسول گزرے ہیں سب فوت ہو چکے ہیں۔ پھر آپ کیوں نہ فوت ہوں گے۔ اگر آپ فوت ہو جائیں یا قتل کئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور اسلام کو چھوڑ دو گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب قرآنِ کریم کی آیت حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پڑھی تو میری آنکھیں کھل گئیں اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے اور مجھ پر ظاہر ہو گیا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں اور میرے پاؤں کانپ گئے اور مَیں زمین پر گِر گیا۔[205]

یہ ایک ہی اجماع صحابہؓ کا ہے۔ کیونکہ اُس وقت سارے صحابہؓ موجود تھے اور در حقیقت ایسا وقت مسلمانوں پر پہلے کبھی نہیں آیا کیونکہ پھر کبھی مسلمان اِس طرح جمع نہیں ہوئے۔ اِس اجتماع میں حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیت پڑھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ تعالیٰ کے ایک رسول ہیں اور آپ سے پہلے جس قدر اللہ تعالیٰ کے رسول آئے ہیں وہ سب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ پس آپ کا فوت ہونا بھی کوئی قابلِ تعجب بات نہیں اور سارے کے سارے صحابہؓ نے آپ کے ساتھ اتفاق کیا۔ حضرت عمرؓ جو پہلے مخالف تھے اِس آیت کو سُن کر وہ بھی موافق ہو گئے۔ اگر واقع میں

مسلمانوں کے نزدیک حضرت مسیح آسمان پر زندہ موجود تھے تو حضرت عمرؓ نے یہ کیوں نہ کہا کہ اَے ابو بکرؓ آپ کیوں غلط بیانی کرتے ہیں؟ قرآن سے تو ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں پھر محمد رسول اللہ کس طرح فوت ہو سکتے ہیں۔ مگر حضرت عمرؓ نے تو غم کی حالت میں حضرت عیسیٰ کا نام بھی نہیں لیا حضرت موسیٰؑ کے خدا کے پاس جانے کا ذکر کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے کان میں یہ بات کبھی نہیں پڑی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ ہیں۔نہ غلط طور پر نہ صحیح طور پر۔ بعض روایتوں میں حضرت موسیٰؑ کی بجائے حضرت عیسیٰؑ کا نام آتا ہے۔ اگر یہ روایتیں بھی درست تسلیم کرلی جائیں تب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہے۔ قرآنِ کریم میں متعدد دیگر آیات بھی ہیں جو حضرتِ عیسیٰؑ کی وفات پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ[206] اے عیسیٰ مَیں تجھے وفات دُوں گا اور پھر تجھے اپنی طرف اُٹھاؤں گا اور تجھے کفّار کے اُن سارے اعتراضات سے بچاؤں گا جو وہ تجھ پر کرتے ہیں اور تیری جماعت کو قیامت تک دوسرے لوگوں پر غلبہ دُوں گا۔ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے وفات کا ذکر کیا ہے اور پھر رفع کا ذکر کیا ہے اور وفات کے بعد رفع تو سب مومنوں کا ہوُا کرتا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمّت کے لوگوں کو دُعا سکھاتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ ارْفَعْنِیْ۔ اے اللہ تُو مجھے اُونچا کر۔[207]

اِسی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب مومن مَر جاتا ہے تو اُس کی رُوح کو اُٹھا کر فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں۔[208]

کہا جاتا ہے کہ توفّی کے معنی قبضِ رُوح کے نہیں لیکن ہماری طرف سے ایک لمبے عرصہ سے یہ چیلنج دیا جارہا ہے اور آج پھر ہم اِس چیلنج کو دُہراتے ہیں۔ کوئی شخص یہ ثابت کردے کہ اللہ تعالیٰ فاعل ہو، ذی رُوح مفعول ہو اور توفّی کے معنی قبضِ رُوح کے سوا کچھ اور ہوں تو بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اِس کے لئے ایک ہزار روپیہ انعام تو رکھا تھا مگر

آج تک کسی لغت میں سے ایسا حوالہ نکال کر کوئی مولوی صاحب یہ انعام نہیں لے سکے ہیں۔ ہم اِس وقت پھر اِس چیلنج کو دُہراتے ہیں۔ یہ علماء بیٹھے ہیں۔ یہ اب بھی کسی لُغت میں سے یا کسی مشہور شاعر اور ادیب کے کلام میں سے کوئی ایسا حوالہ نکال کر دکھادیں۔

بعض دفعہ یہ علماء علم کی کمی کی وجہ سے قرآن کریم کی بعض آیتیں (ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ[209] وغیرہ) پیش کر دیتے ہیں کہ ان میں قبضِ رُوح کے معنی نہیں ہیں۔ حالانکہ اُن آیتوں کے الفاظ بابِ تفعّل میں سے نہیں بلکہ بابِ تفعیل میں سے ہوتے ہیں اور عربی زبان میں اکثر بابوں کی تبدیلی سے معنی بدل جاتے ہیں۔ اسی طرح سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ٭ بِحَقٍّ ؕ اِنْ کُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ ؕ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ مَا قُلْتُ لَھُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِہٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ ۚ وَ کُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ۔[210] یعنی یاد کرو جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم سے کہے گا کہ کیا تُو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو۔ اِس پر عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ آپ پاک ہیں، میرا کیا حق تھا کہ مَیں وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہ تھا۔ اگر مَیں نے یہ بات کہی ہوتی تو آپ کو اس کا علم ہوتا۔ آپ میرے دل کی بات جانتے ہیں مگر میں آپ کی بات کا پس منظر نہیں جانتا۔ آپ تو سب غیبوں کو جاننے والے ہیں۔ مَیں نے تو اُن سے وہی بات کہی تھی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی ربّ ہے اَور تمہارا بھی ربّ ہے اور جب تک مَیں اُن میں رہا اُن پر گواہ تھا پھر جب آپ نے مجھے وفات دی تو پھر آپ ہی اُن پر نگران تھے مَیں نہ تھا اور آپ ہر چیز کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

اِس آیت میں حضرت مسیح کا صاف طور پر یہ فرمانا موجود ہے کہ میری وفات تک عیسائی نہیں بگڑے لیکن اب بگڑے ہوئے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

وفات پا چکے ہیں۔ اگر یہ کہا جاوے کہ یہ گفتگو قیامت کے دن ہو گی تو پھر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہی ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی وفات کے بعد عیسائی بگڑیں گے۔ اگر یہ گفتگو قیامت کے دن ہو تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰؑ کی واپسی تک عیسائی نہیں بگڑے تھے بلکہ اُن کی وفات کے بعد بگڑے۔ حالانکہ مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ اُتریں گے تو عیسائی بگڑ چکے ہوں گے اور وہ سب کفّار کا خاتمہ کریں گے اور توحید کو قائم کریں گے یا سب کو مسلمان بنالیں گے۔ پس خواہ یہ گفتگو کسی پہلے زمانہ کی طرف منسوب کی جائے یا قیامت کی طرف اِس سے بہر حال اُن کی وفات ثابت ہے۔ پھر اگر یہ گفتگو قیامت ہی کے دن کی مانی جائے تو کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہو گی کہ حضرت عیسیٰؑ اِس دُنیا میں آئیں گے، عیسائیوں کو سمجھائیں گے، توحید کی طرف لائیں گے اور اسلام کو قائم فرمائیں گے لیکن پھر بھی قیامت کے دن اُن سے یہ سوال کیا جائے گا کہ کیا تُونے لوگوں کو شرک کی تعلیم دی تھی اور اُن سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو۔ اُن کی اِس عظیم خدمت کے بعد یہ سوال کیا جانا کتنا حیران کُن ہے اور اگر ایسا ہو تو کیا اِس کا یہ جواب نہیں ہونا چاہئے کہ اے اللہ! مَیں نے تو اپنی قوم کو مارا، اُن کے شرک کو دُور کیا اور توحید دُنیا میں قائم کی۔ پھر بھی مجھ پر یہ الزام ہے کہ گویا مَیں نے لوگوں کو شرک کی تعلیم دی۔ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کے رفع و نزولِ جسمانی کا عقیدہ صحیح ہونے کی حالت میں تو ان کی طرف سے یہی جواب ہونا چاہئے مگر اس جواب کا تو کوئی ذکر نہیں بلکہ بر خلاف اس کے قرآن شریف بتا رہا ہے کہ حضرت مسیحؑ قیامت کے دن یہ جواب دیں گے کہ جب تک مَیں اُن میں موجود رہا وہ توحید پر قائم رہے، جب مَیں فوت ہو گیا تو پھر مجھے معلوم نہیں کہ اُنہوں نے کیا کِیا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس آیت کے وہی معنی کرتے ہیں جو ہم نے کئے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میرے کچھ اَتْباع کو فرشتے سزا کے لئے لے جاویں گے اور مَیں اِس پر فریاد کروں گا کہ یہ تو میرے اَتْباع ہیں۔ اِس پر مجھ سے

کہا جائے گا کہ تجھے کیا خبر کہ تیرے بعد انہوں نے کیا کیا۔ فَأَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَ کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ أَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ۔ [211] کہ جس طرح خدا کے نیک بندے یعنی حضرت عیسیٰؑ نے کہا ہے مَیں بھی کہوں گا کہ مَیں اپنی زندگی میں اپنی قوم پر گواہ تھا جب آپ نے مجھے وفات دی تو پھر آپ ہی اُن پر نگران تھے۔ بخاری کی اس حدیث سے یہ امور ظاہر ہیں۔

(1) یہ سوال بعثتِ نبویؐ سے پہلے ہو چُکا تھا۔ کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ جس طرح عیسیٰؑ کہہ چکے ہیں اِسی طرح میں بھی کہوں گا۔

(2) مسیحی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بگڑ چکے تھے اور اس سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ہو چکی تھی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کے جواب میں اپنے وفات پانے اور مسیحیوں کے بگڑ جانے کا اقرار ہے۔

(3) توفّی کے معنے یقیناً اِس جگہ موت کے ہی ہیں کیونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح ناصریؑ کا حوالہ دے کر اپنی نسبت توفّی کا لفظ استعمال فرماتے ہیں اور آپؐ کی وفات کے متعلق کوئی دورائیں مسلمانوں میں نہیں ہیں۔

بعض لوگ غلطی سے توفّی کے معنی وفات کے سوا کچھ اور کرنا چاہتے ہیں۔ ایک حصّہ کا جواب ہم دے چکے ہیں دوسرا حصّہ اب بیان کریں گے اور وہ یہ ہے کہ عربوں کے نزدیک اس لفظ کے معنی وفات کے سوا اور کچھ نہیں۔ چنانچہ اس کے لئے ہم جامعہ ازہر کے ایک بہت بڑے عالم علّامہ محمود شلتوت کا فتویٰ پیش کرتے ہیں جس میں اُنہوں نے وضاحت سے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ عربی زبان بولنے والے توفّی کے معنی موت کے سوا اور کچھ نہیں کرتے۔ آپ اپنے شائع شُدہ فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ تَوَفَّیْتَنِیْ کا لفظ جو آیتِ قرآنیہ میں حضرت عیسیٰؑ کی نسبت استعمال ہؤا ہے۔ اِس کا حق ہے کہ ہم اس کے وہی معنی کریں جو عربوں کے ذہن میں فوراً آتے ہیں اور وہ طبعی مَوت کے ہیں جسے سب لوگ جانتے ہیں اور جو تمام عربی زبان بولنے والے اِس لفظ اور اِس کے استعمال سے سمجھتے ہیں اور اگر اس آیت میں اپنی طرف سے کوئی اَور بات نہ ملائی جائے تو اس قول کو ہرگز صحیح

نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں، فوت نہیں ہوئے۔[212] ہم اس فتوے کی ایک مطبوعہ نقل معہ ترجمہ کے پیش کرتے ہیں۔ اصل مصری فتویٰ بھی ہمارے پاس موجود ہے۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ مادری زبان عربی رکھنے والا جامعہ ازہر کا ایک ممتاز پروفیسر تو یہ کہتا ہے کہ اس لفظ کے معنی مَوت کے سوا کچھ نہیں لیکن ہمارے علماء جو عربی زبان کے دو فقرے بھی بولنے کی طاقت نہیں رکھتے پاکستان میں بیٹھ کر یہ کہتے ہیں کہ توفّی کے معنی یہاں پر کچھ اَور ہیں۔

صحابہؓ نے بھی توفّی کے معنی مَوت کے ہی کئے ہیں۔ چنانچہ بخاری میں حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ مُتَوَفِّیکَ کے معنی مُمِیْتُکَ کے ہیں۔[213] اور امام مالک کا بھی قول ہے کہ مَاتَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ۔ حضرت عیسیٰؑ بن مریم فوت ہو گئے ہیں۔[214]

اِسی طرح علّامہ ابن حزم کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں۔[215]

معراج کی حدیث میں بھی ذکر آتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات تمام وفات یافتہ انبیاء کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کو بھی دیکھا۔[216] پھر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے مسیح کا بھی حُلیہ بیان کیا ہے اور آنے والے مسیح کا بھی حُلیہ بیان کیا ہے اور دونوں حُلیوں میں اختلاف ہے۔ پہلے مسیح کے متعلق فرماتے ہیں کہ فَاَمَّا عِیْسٰی فَأَحْمَرُ جَعْدٌ۔[217] یعنی مسیح ابن مریم کا رنگ سُرخ تھا اور اُن کے بال گھنگھر والے تھے۔ اور آنے والے مسیح کے متعلق فرماتے ہیں کہ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبْطُ الشَّعْرِ۔[218] اُس کا رنگ گندم گوں ہو گا اور اُس کے بال سیدھے ہوں گے۔

اِس سے بھی صاف پتہ لگتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایک مثیلِ مسیح آنے والا ہے۔ پہلا مسیح فوت ہو چُکا ہے اور اُس کے رنگ اور اخلاق اور کمالات کو لے کر ایک دُوسرا شخص اس اُمّت میں پیدا ہو گا۔

چونکہ مسیح کی آمد کا عقیدہ متواتر احادیث میں بیان کیا گیا ہے اور قرآنِ کریم میں بھی اِس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا

قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ۔ 219

جب مسیح ابن مریم کا ذکر تمثیلی طور پر کیا جاتا ہے تو تیری قوم بُرا مناتی ہے۔ اِس میں اِسی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں میں مسیح کی دوبارہ آمد تمثیلی طور پر بیان کی جاتی تھی اور کُفّار اِس پر چِڑتے تھے کہ مسیح کو تو اتنی اہمیت دے دی کہ کہا جاتا ہے کہ وہ دوبارہ آئے گا اور ہمارے معبودوں کو جھوٹا کہا جاتا ہے اور چونکہ ابنِ عباسؓ اور امام مالکؒ کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں اس لئے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ آنے والا مسیح اِسی اُمّت میں سے ہو گا اور یہ صرف ہمارا قیاس ہی نہیں بلکہ اِس کا ثبوت تاریخ سے بھی ملتا ہے۔ چنانچہ خریدۃ العجائب جو سراج الدین ابی حفص عمرو بن الوردی کی کتاب ہے اور جس کے متعلق علّامہ احمد بن مصطفٰی المعروف بطاش کُبریٰ زادہ نے جو جیو گریفی کا بہت بڑا ماہر سمجھا جاتا ہے اپنی کتاب مفتاح السعادہ جلد اوّل صفحہ 322 پر لکھا ہے:

"کہ یہ کتاب علّامہ قزوینی کی کتاب عجائب المخلوقات سے بھی زیادہ اچھی ہے"۔

اِس کتاب کے صفحہ 214 پر لکھا ہے کہ:-

"قرآن کریم میں جو یہ ذکر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُٹھالیا اِس بارہ میں مسلمانوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر تو یہ کہتے ہیں اور اُنہی کی بات زیادہ سچی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بعینہٖ دوبارہ آئیں گے لیکن ایک اور جماعت مسلمانوں کی یہ کہتی ہے کہ عیسیٰؑ کے نزول سے مراد یہ ہے کہ ایک ایسا شخص ظاہر ہو گا جو حضرت عیسیٰؑ سے اپنی بزرگی اور اپنے کمالات میں مشابہہ ہو گا۔ جس طرح کہ ایک نیک آدمی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ ہے اور شریر آدمی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ شیطان ہے۔ اِن دونوں کو بطور تمثیل کے یہ نام دیئے جاتے ہیں اور یہ مراد نہیں ہوتی کہ سچ مچ شیطان آگیا یا فرشتہ

آ گیا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ ایک تیسرا گروہ بھی مسلمانوں میں ہے جن کا یہ خیال ہے کہ اس پیشگوئی سے یہ مراد نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دُنیا میں آئیں گے بلکہ اِس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ نامی کوئی شخص رسولِ کریمؐ کی اُمّت میں سے ہو گا۔ اس میں مسیح کی رُوح داخل کر دی جائے گی لیکن یہ دونوں خیال اہمیت نہیں رکھتے مگر اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے"۔

اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں دو گروہ ایسے رہے ہیں جن کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح فوت ہو چکا ہے اور دوبارہ جو شخص آئے گا وہ اِسی اُمّت میں سے ہو گا۔ اُن میں سے ایک گروہ کا یہ عقیدہ تھا کہ ایک اُمّتی شخص مسیح کے اخلاق اور آپ کے کمالات کو حاصل کر کے عیسیٰ بن مریم کہلائے گا۔ جس طرح احمدی کہتے ہیں اور دوسرے گروہ کا یہ خیال تھا کہ ہو گا تو وہ کوئی اُمّتی شخص مگر اُس کا نام بھی عیسیٰ ہو گا مگر اُس کے اندر مسیح کی رُوح داخل کر دی جاوے گی۔ مسیح کا جسم بہر حال واپس نہیں آئے گا۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ صاحبِ کتاب نے یہ لکھا ہے کہ اکثر مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ واپس آئیں گے اور اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ صاحبِ کتاب نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ دونوں عقیدے کہ مسیح دوبارہ نہیں آئیں گے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے مگر اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ صاحبِ کتاب نے یہ بھی لکھا ہے کہ قطعیت کے ساتھ کسی بات کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ گویا اس زمانہ میں جب تک مسیح موعود ظاہر نہیں ہوئے تھے اُن کے نزدیک مسیح کے دوبارہ نازل ہونے کے عقیدہ کو ترجیح تو دی جا سکتی تھی مگر اُسے جزوِ ایمان قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ورنہ وہ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ نہ لکھتے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ محمد رسول اللہؐ اللہ کے رسول ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ قرآن خدا کی کتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ فرشتے حق ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔ کیا

کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ قیامت حق ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ قدرِ خیر و شر حق ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ اُنہیں چیزوں کے متعلق کہا جاتا ہے جن میں اختلاف ممکن ہو اور جائز ہو اور جو جُزوِ ایمان نہ ہوں۔ ابی حفص عمرو بن الوردی کے اس بیان سے ثابت ہے کہ یہ عقیدہ مسلمانوں میں سینکڑوں سال سے رائج ہے۔ یہ صاحب آٹھویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ پس کم سے کم ہم کو یہ ماننا پڑے گا کہ آٹھ نو سَو سال سے مسلمانوں میں یہ عقیدہ موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل نہیں ہوں گے بلکہ اِسی اُمّت میں سے ایک شخص آپ کے کمالات کو لے کر دُنیا میں ظاہر ہو گا اور جو لوگ اِس عقیدے کے قائل نہیں تھے بلکہ مسیح کے آسمان سے اُترنے کے قائل تھے وہ بھی مسیح کے آسمان سے اُترنے کے عقیدہ کو جُزوِ ایمان نہیں سمجھتے تھے بلکہ اِس بات کا احتمال رکھتے تھے کہ شاید وہ اِسی اُمّت میں سے ظاہر ہو جائے لیکن اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقے مسیح کی آمد ثانی کے منتظر تھے کیونکہ اُنہوں نے کوئی ایسا فرقہ نہیں لکھا جو مسیح کی آمد کا ہی مُنکر ہو۔

سوال نمبر 4 متعلق اعتراض نئی اُمّت و مسئلہ کفر و اسلام

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ مرزا صاحب نے ایک نئی اُمّت بنائی ہے اور اپنے نہ ماننے والوں کو کافر اور خارج از اسلام کہا ہے۔ اِس لئے مسلمانوں کو اشتعال آتا ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ مرزا صاحبؑ نے کوئی نئی اُمّت بنائی بلکہ بار بار آپ نے اِس بات پر زور دیا ہے کہ مَیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں سے ہوں اور ہماری جماعت کی طرف سے ہمیشہ ہی اِس بات پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ اُمّتِ محمدیہ ایک ہی ہے اور آپ بھی اس کے ایک فرد ہیں۔ چنانچہ آپ کے الہاموں میں سے ایک الہام یہ ہے کہ رَبِّ أَصْلِحْ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ[220] کہ اے میرے ربّ! اُمّتِ محمدیہ کی اصلاح فرما۔ اگر آپ نے اپنی کوئی علیحدہ اُمّت بنائی ہوتی تو پھر اُمّتِ محمدیہ کی اصلاح کے لئے دُعا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر تو آپ یہ کہتے کہ "میری اُمّت کی

اصلاح کر"۔

پھر آپ اپنی کتاب "نزول المسیح" میں لکھتے ہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے سب انبیاء کے نام دیئے ہیں اور الفاظ یہ ہیں:

"اِس صورت میں گویا تمام انبیاءِ گزشتہ اِس امت میں دوبارہ پیدا ہو گئے"۔ 221

اگر آپ اپنی کوئی الگ اُمّت مانتے تو اِس فقرہ کے معنی کیا بن سکتے ہیں؟

پھر اِسی کتاب کے صفحہ 34 پر آپ فرماتے ہیں کہ سُورۃ نور اور سورۃ فاتحہ پر نظر غائر کرکے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اِس اُمّت کے کُل خلفاء اِسی اُمّت میں سے ہوں گے اور یہ بات اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اِس طرح اپنے آپ کو اِس اُمّت میں شامل کرتے ہیں۔

پھر اپنے ملہم مِنَ اللہ ہونے کے ثبوت میں آپ فرماتے ہیں کہ

"اگر خدا کو یہ منظور ہی نہیں کہ بموجب دُعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ انبیاء علیہم السلام کے انعامات میں اِس اُمّت کو بھی شریک کرے۔ تو اُس نے کیوں یہ دُعا سکھلائی"۔ 222

اِسی طرح فرماتے ہیں:-

"آخری خلیفہ مسیح موعود کے نام پر اِسی اُمّت میں سے آئے گا"۔ 223

اِسی طرح فرماتے ہیں:-

"خدا نے اِس اُمّت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے"۔ 224

اِسی طرح فرماتے ہیں:-

"اسلامی تعلیم کا اِن دو فقروں میں خلاصہ تمام اُمّت کو سکھلایا گیا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔ 225

اَور آپ خود بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتے تھے اور اپنی جماعت کو بھی یہی پڑھنے کی تعلیم دیتے تھے۔ اِسی طرح آپ فرماتے ہیں کہ:

"احادیث نبویہ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا"۔ 226

اِسی طرح فرماتے ہیں کہ:-

"جَعَلَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ کَأَنْبِیَاءِ الْاُمَمِ السَّابِقَۃِ۔ اَلَسْنَا بِخَیْرِ الْأُمَمِ فِی الْقُرْآن" 227

یعنی اللہ تعالیٰ نے اِس اُمّت میں پہلی اُمّتوں کے انبیاء کی طرح کے بعض لوگ پیدا کئے ہیں۔ کیا قرآنِ کریم میں ہم کو خیرِ الْاُمم نہیں قرار دیا گیا؟ ایسا ہی فرماتے ہیں:

ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اے خیرِ رُسُل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے 228

جماعتِ احمدیہ کے موجودہ امام کی طرف سے اِس عقیدہ کا اظہار

ہماری جماعت کے موجودہ امام نے بھی متواتر اِس عقیدہ کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ 8 جولائی 1952ء کے "المصلح" میں ایک خط اور اُس کا جواب امام جماعت احمدیہ کی طرف سے شائع ہوا۔ اِس خط کا مضمون یہ ہے کہ ایک شخص نے امام جماعت احمدیہ کو لکھا کہ خواب میں مجھے مرزا صاحب نظر آئے اور اُنہوں نے کہا کہ "میری اُمّت کا مبلّغ بن"۔ پھر خط لکھنے والے نے لکھا کہ "بوجہ قلّت و کمزوریٔ مال بندہ غیر مِلّت میں پھنسا ہوا ہے۔ اِس لئے زیارت و فیض سے محروم ہے"۔

اِس خط کا جو جواب امام جماعت احمدیہ نے دیا اور جو اسی اخبار میں شائع ہوا ہے وہ یہ ہے:

"خواب میں غلطی لگی ہے۔ مرزا صاحب کی کوئی اُمّت نہیں۔

اُمّت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی ہے اور مرزا صاحب خود بھی اُن کی اُمّت میں سے ہیں۔ اِس لئے یہ خواب شیطانی ہے"۔ 229

اِس عبارت سے ظاہر ہے کہ موجودہ امام جماعت احمدیہ کے نزدیک بھی حضرت مرزا صاحبؑ کی کوئی اُمّت نہیں۔ وہ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں سے ہیں اور اگر کسی شخص کو خواب میں بھی معلوم ہو کہ مرزا صاحب کی اُمّت ہے تو اُس خواب کو شیطانی سمجھا جائے گا، خدائی نہیں۔

حضرت مرزا صاحب نے کسی کو "کافر" اور "خارج از اسلام" نہیں کہا

دوسرا حصّہ اِس سوال کا یہ تھا کہ مرزا صاحب نے اپنے مخالفوں کو کافر اور خارج از اسلام کہا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہ بات غلط ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے مخالفوں کو کافر کہا بلکہ مرزا صاحب کے مخالفین نے مرزا صاحبؑ کو اور اُن کی جماعت کو کافر کہا۔ چنانچہ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے 1892ء میں فتویٰ دیا کہ:

"مرزا (کادیانی) کافر ہے، چھپا مرتد ہے، گمراہ ہے، گمراہ کنندہ ملحد ہے، دجّال ہے، وسوسہ ڈالنے والا، ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والا..... لَا شَكَّ اَنَّ مِرْزَا مُرْتَدٌّ كَافِرٌ۔ زِنْدِيْقٌ۔ ضَالٌّ۔ مُضِلٌّ۔ مُلْحِدٌ۔ دَجَّال۔ وَسْوَاسٌ خَنَّاسٌ"۔ 230

مولوی عبدالسمیع صاحب بدایونی نے فتویٰ دیا کہ:

"مرزا غلام احمد ساکن قصبہ قادیان اور اس کے جملہ معتقدین گروہ اہل سنت و الجماعت سے اور اسلام سے بالکل خارج ہیں۔ معتقدینِ مرزا کے ساتھ کوئی معاملہ شرعاً درست نہیں۔ مسلمانوں کو ضروری اور لازم ہے کہ مرزائیوں کو نہ اسلامی سلام کریں اور نہ اُن سے رشتہ و قرابت رکھیں اور نہ اُن کا ذبیحہ کھائیں نہ اُن سے محبت اور نہ اُلفت رکھیں اور نہ اُن کو اپنے اسلامی مجمعوں میں شریک ہونے دیں

اور نہ اُن کی مجلسوں میں اہلِ اسلام شریک ہوں۔ جس طرح ہندو، نصاریٰ، یہود سے اہلِ اسلام علیحدہ رہتے ہیں اس سے زیادہ مرزائیوں سے الگ رہیں۔ جس طرح سے بول وبراز، سانپ اور بچھو سے پرہیز کیا جاتا ہے اس سے زیادہ مرزائیوں سے پرہیز کرنا شرعاً ضروری اور لازمی ہے"۔ [231]

اِسی طرح دیکھیں فتویٰ مولوی نذیر حسین دہلوی المعروف شیخ الکُل [232]

فتویٰ مولوی عبد الصمد صاحب غزنوی [233]

فتویٰ مولوی عبد الحق صاحب مؤلف و مفسر حقانی [234]

فتویٰ مولوی محمد اسماعیل صاحب [235]

فتویٰ مولوی فقیر اللہ صاحب [236]

فتویٰ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی [237]

مرزا صاحب کا مؤقف

ان تمام ایّام میں جب کہ علمائے کرام مرزا صاحبؑ پر کافر اور خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ لگا رہے تھے۔

مرزا صاحبؑ کی طرف سے بار بار درخواست کی جاتی تھی کہ مَیں مسلمان ہوں، مجھے کافر نہ کہو۔ آپ نے علمائے کرام کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "اے بزرگو! ، اے مولویو! اے قوم کے منتخب لوگو! خدا تعالیٰ آپ لوگوں کی آنکھیں کھولے۔ غیظ اور غضب میں آکر حد سے مت بڑھو......... خدائے تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی زبانوں کو تکفیر سے تھام لو۔ خدائے تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مَیں ایک مسلمان ہوں۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ مَلٰئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ لَا تَقُوْلُوْا لَسْتَ مُسْلِمًا وَ اتَّقُوا الْمَلِکَ الَّذِیْ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔ [238]

ترجمہ: مَیں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور مرنے کے بعد کی زندگی پر یقین رکھتا ہوں اور مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ صرف ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ پس اے لوگو! اللہ کا تقویٰ

اختیار کرو اور مجھے یہ مت کہو کہ تُو مسلمان نہیں اور اُس خدا سے ڈرو کہ جس کے سامنے ایک دن تم نے پیش ہونا ہے"۔

اِسی طرح فرمایا:-

"یاد رہے کہ جس قدر ہمارے مخالف علماء لوگوں کو ہم سے نفرت دلا کر ہمیں کافر اور بے ایمان ٹھہراتے اور عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ یہ شخص مع اس کی تمام جماعت کے عقائدِ اسلام اور اصولِ دین سے برگشتہ ہے۔ یہ اُن حاسد مولویوں کے وہ اختراع ہیں کہ جب تک کسی دِل میں ایک ذرہ بھی تقویٰ ہو ایسے اختراع نہیں کر سکتا۔ جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بناء رکھی گئی ہے وہ ہمارا عقیدہ ہے اور جس خدا کی کلام یعنی قرآن کو پنجہ مارنا حکم ہے۔ ہم اس کو پنجہ مار رہے ہیں اور فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح ہماری زبان پر حَسْبُنَا کِتَابُ اللهِ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح اختلاف اور تناقض کے وقت جب حدیث اور قرآن میں پیدا ہو قرآن کو ہم ترجیح دیتے ہیں بالخصوص قصوں میں جو بالاتفاق نسخ کے لائق بھی نہیں ہیں اور ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیّدنا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشرِ اجساد حق اور روزِ حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جلّ شانہ، نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعتِ اسلام میں سے ایک ذرّہ کم کرے یا ایک ذرّہ زیادہ کرے یا ترکِ فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے..... اور ہم آسمان

اور زمین کو اِس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے اور جو شخص مخالف اس مذہب کے کوئی اور الزام ہم پر لگاتا ہے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افترا کرتا ہے اور قیامت میں ہمارا اُس پر یہ دعویٰ ہے کہ کب اُس نے ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھا کہ ہم باوجود ہمارے اس قول کے دل سے اُن اقوال کے مخالف ہیں۔ اَلَا اِنَّ لَعۡنَةَ اللّٰہِ عَلَی الۡکَاذِبِیۡنَ وَ الۡمُفۡتَرِیۡنَ"۔ 239

کسی کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے

اِس قسم کی بہت سی تحریریں شائع کی گئیں لیکن علمائے کرام کا دل نہ پسیجا اور وہ اپنے فتووں پر مُصِر رہے۔ جب تواتر اور تکرار کے ساتھ ان لوگوں نے اپنے کُفر کے فتوے جاری رکھے تو پھر بانئ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے خیال کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے ماتحت کہ جو شخص کسی کو کافر کہتا ہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ کُفر کا فتویٰ لگانے والوں کو بھی کافر کہا جائے تا اُنہیں معلوم ہو کہ اس لفظ کے استعمال سے دُکھ پہنچتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

"اَیُّمَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ کَفَّرَ رَجُلًا مُسْلِمًا فَإِنْ کَانَ کَافِرًا وَ اِلَّا کَانَ ھُوَ الْکَافِرُ"۔ 240

اس انکوائری میں مولانا مودودی صاحب نے یہ بات دیکھتے ہوئے کہ فتویٰ تو ہم پر ہی اُلٹ پڑا ہے اپنے جوابات میں یہ ظاہر کیا ہے کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کافر کہنے والا کافر ہو جاتا ہے بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو کافر کہنے کی سزا ملتی ہے لیکن جس وقت اُنہوں نے یہ جواب دیا اُن کے ذہن میں غالباً یہ حدیث نہیں تھی جو ہم نے لکھی ہے۔ اُنہوں نے ایک دوسری حدیث کے الفاظ سے جس میں یہ ذکر ہے کہ کُفر دونوں میں سے ایک پر اُلٹ پڑتا ہے فائدہ اُٹھا کر یہ خیال کر لیا کہ اس جواب سے وہ اپنے فعل پر پردہ ڈال دیں گے لیکن جو حدیث ہم نے اُوپر بیان کی ہے اس میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم صاف فرماتے ہیں کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ بھی حدیث لے لی

جائے جس پر جماعتِ اسلامی نے اپنے دعویٰ کی بنیاد رکھی ہے تو پھر بھی اُن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ جب کافر کہنے سے بھی انسان کافر نہیں بنتا بلکہ اُسے صرف سزا ملتی ہے تو اس سے غیر احمدی علماء کے لئے راستہ نہیں کھلتا احمدیوں کے لئے راستہ کھل جاتا ہے۔

غرض احمدیوں نے کافر نہیں کہا۔ احمدیوں نے کافر کہنے والوں کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق اُن کے فعل کے مناسب حال جواب دیا ہے۔ اگر ہمارا یہ دعویٰ غلط ہے تو یہ علماء اب کہہ دیں کہ کیا اُنہوں نے مرزا صاحب کے کافر کہنے سے پہلے آپ کو کافر کہا تھا یا نہیں یا کم سے کم اَب کھڑے ہو کر کہہ دیں کہ جن علماء نے یہ فتویٰ دیا تھا اُنہوں نے جھوٹ بولا ہے مگر وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔

لفظِ ''کافر'' کا مفہوم

دوسرا جواب ہمارا یہ ہے کہ یہ علماء جب کُفر کا فتویٰ دیتے ہیں تو اس سے مُراد بالکل اَور ہوتی ہے اور احمدیوں نے جب کافر کہا ہے تو اس سے مُراد اُن کی وہ نہیں تھی جو کہ اِن لوگوں کی ہوتی ہے۔ احمدیوں کے نزدیک اسلام اور کُفر دونوں نسبتی الفاظ ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے اسلام کا لفظ بھی مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے اور کُفر کا لفظ بھی مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اسی طرح حدیث میں بھی ایمان اور کفر کے الفاظ مختلف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اسلام کی ایک یہ تعریف فرماتا ہے کہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ [241] اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ تُو اُن سے کہہ دے کہ تم ایمان نہیں لائے ہاں تم یہ کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں۔ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

اِس آیت سے ظاہر ہے کہ ایمان کا درجہ اسلام کے اُوپر ہوتا ہے اَور خواہ انسان کی روحانیت اعلیٰ ہو، یا نہ ہو وہ کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے اور یہی اسلام کی جامع مانع تعریف ہے اور اس درجے کے مسلمان کہلانے والے کے لئے یہ بحث فضول ہوتی ہے کہ اس کا ایمان کس حد تک پختہ ہے اور کس حد تک پختہ نہیں۔

اِسی طرح قرآن کریم میں ایک اَور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیْرَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۔[242] اے مومنو! جب تم سفر کر رہے ہو تو اچھی طرح تحقیقات کر لیا کرو۔ اور جو شخص تم کو سلام کہے اُس کو یہ نہ کہا کرو کہ تو مومن نہیں۔ اگر تم ایسا کہو گے تو اِس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم دُنیا کا مال چاہتے ہو۔ حالانکہ اللہ کے پاس بہت سے اموال ہیں اور تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اور تم کو ایمان کے درجے عطا کر دئے ہیں۔ تم تحقیقات کر لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔

اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ دِل تو الگ رہا اگر کوئی شخص اسلام کی تفصیلات سے ناواقف ہو اُس نے اسلام کے صرف ظاہری آداب سیکھے ہوں اور وہ اپنے آپ کو مسلمانوں میں سے ظاہر کرے تب بھی اُس کو یہ کہنا کہ تُو مسلمان نہیں، جائز نہیں اور فرماتا ہے کہ جو شخص ایسے شخص کو غیر مسلم کہتا ہے وہ درحقیقت اُس کو لوٹنے کی خاطر راستہ کھولتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ نئے نئے مذہب میں داخل ہوتے ہیں اُن کی معلومات ہمیشہ کم ہؤا کرتی ہیں۔ پس جن کی معلومات زیادہ ہوں اُن کو اپنی معلومات پر فخر کر کے تھوڑی معلومات والوں پر طعنہ نہیں کرنا چاہئے۔

"اسلام" اور "ایمان" کے مراتب

غرض ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا ایک درجہ ایمان سے چھوٹا ہے اور ایمان کا درجہ اُس سے بڑا ہے لیکن اس کے مقابل پر بعض دوسری آیات بھی ہیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ ایک قسم کے اسلام کا درجہ ایمان سے بھی بڑا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق آتا ہے اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔[243] جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ تُو اسلام لے آ۔ تو اُس نے کہا کہ مَیں ربّ العالمین کے لئے اسلام لاتا ہوں۔ حالانکہ ابراہیمؑ نبی تھے۔ پس یہ اسلام عام اسلام سے بلکہ عام ایمان سے بھی اونچا ہے۔

اِسی طرح فرماتا ہے يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا۔[244] کہ بنی اسرائیل میں بعض نبی ایسے تھے جو شریعت نہیں لاتے تھے، وہ مسلمان ہوتے تھے اور یہودیوں کو تورات کے احکام پر چلاتے تھے۔ اِس جگہ پر بھی نبیوں کا نام مسلم رکھا گیا ہے۔ پس معلوم ہؤا کہ قرآن کے نزدیک اسلام کے دو درجے ہیں۔ ایک ایمان سے کم، ایک ایمان سے زیادہ۔ جو ایمان سے زیادہ اسلام ہے اُس سے خارج ہو کر بھی انسان ایمان کے درجے پر ہو سکتا ہے اور مسلم کہلانے کا حق رکھتا ہے اور اسلام کے جامع مانع دائرہ سے باہر نہیں لیکن اس کے برخلاف جو ایمان سے کم اسلام ہے اُس اسلام میں داخل ہو کر بھی انسان ایمان سے محروم ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت میں صراحتاً ذکر ہے۔

علمائے اسلام نے بھی یہی تشریح کی ہے۔ چنانچہ علامہ اصفہانی لکھتے ہیں:-

"اَلْاِسْلَامُ فِی الشَّرْعِ عَلٰی ضَرْبَیْنِ اَحَدُ هُمَا دُوْنَ الْاِ یْمَانِ وَ هُوَ الْاِعْتِرَافُ بِاللِّسَانِ وَ بِهٖ یُحْقَنُ الدَّمُ حَصَلَ مَعَهُ الْاِعْتِقَادُ اَوَلَمْ یَحْصُلْ وَ اِیَّاهُ قُصِدَ بِقولِهٖ قَالَتِ الأَ عْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا ولٰکِنْ قُوْلُوْا أَسْلَمْنَا۔والثَّانِیْ فَوْقَ الْاِیْمَانِ وَهُوَ اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ الْاِعْتِرَافِ اِعْتِقَادٌ بِالْقَلْبِ وَ وَفَاءٌ بِالْفِعْلِ وَ اسْتِسْلَامُ لِلّٰهِ فِیْ جَمِیْعِ مَا قَضٰی وَ قَدَّرَ کَمَا ذُکِرَ عَنْ إِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ قَوْلِهٖ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی إِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَ قَوْلُهٗ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا أَیْ إِجْعَلْنِیْ مِمَّنِ اسْتَسْلَمَ لِرِضَاکَ"۔[245]

یعنی اسلام دینِ محمدی کی رُو سے دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک اسلام ایمان سے نیچے ہوتا ہے اور وہ زبان سے اعتراف کرنا اور کلمہ پڑھنا۔ اور جان کی حفاظت اتنے سے ہی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ اعتقاد کی صحت کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کی یہ جو آیت ہے کہ قَالَتِ الْأَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا أَسْلَمْنَا اس سے اسی طرح

کے اسلام کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرا اسلام وہ ہوتا ہے جو ایمان سے اُوپر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ پڑھنے کے علاوہ دِل میں بھی اس کا اعتقاد ہو اور عملاً بھی ایسا شخص وفاداری کا اظہار کرے اور خدا تعالیٰ کی تمام قضاؤں کے سامنے اپنے آپ کو جُھکادے۔ اسی قسم کے اسلام کی طرف حضرت ابراہیمؑ کے اُس ذکر میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُن سے کہا کہ تُو اِسلام لا تو اُنہوں نے کہا مَیں رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ خدا کے لئے ایمان لاتا ہوں اور اسی طرف اشارہ ہے اس آیت میں کہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے اور اسی طرف اشارہ ہے اس دُعا میں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے کی تھی کہ الٰہی! مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دے۔

اسلامی لٹریچر سے اِس کی تصدیق

لُغت کی اِس تشریح کے علاوہ اسلامی دینی لٹریچر سے بھی اِس اصطلاح کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ صَلّٰے صَلٰوتَنَا وَ اسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَ أَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَهٗ ذِمَّةُ للّٰه وَ ذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تَخْفَرُوا اللّٰهَ فِیْ ذِمَّتِهٖ۔[246] جو شخص ہماری طرح کی نماز پڑھتا ہے۔ ہمارے قبلے کی طرف مُنہ کرتا ہے اور ہمارے ذبیحہ کو کھاتا ہے وہ مسلمان ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی حفاظت اس کو حاصل ہے۔ پس اے مسلمانو! اُس کو کسی قسم کی تکلیف دے کر خدا تعالیٰ کو اُس کے عہد میں جھوٹا نہ بناؤ۔

اِسی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ھیں ثَلَاثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِیْمَانِ أَلْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا للّٰه لَا تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَّ لَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ۔[247] ایمان کی تین جڑیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کہہ دے تُو اُس کے ساتھ کسی قسم کی لڑائی نہ کر، اُس کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ بنا اور اسلام سے خارج مت قرار دے۔

اِسی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں أَلْاِسْلَامُ عَشَرَةُ أَسْهُمٍ وَقَدْ خَابَ مَنْ لَا سَهْمَ لَهٗ شَهَادَةُ أَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَهِیَ الْمِلَّةُ۔[248] اسلام کے دس حصّے ہیں

جس شخص کے حصّے میں ایک حصّہ بھی نہ آیا ہو وہ تباہ ہو گیا۔ پہلا حصّہ یہ ہے کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی گواہی دے۔ یعنی جو شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دیتا ہے وہ ملّتِ اسلامی میں داخل ہو جاتا ہے۔

اِسی طرح بخاری کتاب الایمان میں آتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ أَتَعْلَمُوْنَ مَا الْاِیْمَانُ بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ایمان کی کیا تعریف ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ اللہ اور اُس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا شَھَادَۃُ أَنْ لَّا اِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ ایمان یہ ہے کہ انسان اپنے مُنہ سے لَا اِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ دے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مَنِ انْتَقَصَ مِنْھُنَّ شَیْئًا فَھُوَ سَھْمٌ مِنْ سِھَامِ الْاِسْلَامِ تُرِکَ وَمَنْ تَرَکَھُنَّ کُلَّھُنَّ فَقَدْ تَرَکَ الْاِسْلَامَ [249] کہ اسلام کے کئی حصّے ہیں جس نے ان حصّوں میں سے کوئی حصّہ کھو دیا اُس نے اسلام کے حصّوں میں سے ایک حصّہ کھو دیا اور جس نے سارے حصّے کھو دیئے اُس نے سارا اسلام کھو دیا۔

ان حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک اسلام محض لَا اِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ کہنے سے حاصل ہو جاتا ہے اور ملت اسلامیہ اسی کا نام ہے جو شخص لَا اِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ کہہ دے وہ ملت اسلامیہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ جو شخص اسے ملتِ اسلامیہ ے خارج قرار دے وہ خدا اور رسول پر ظلم کرتا ہے اور انہیں جھوٹا قرار دیتا ہے۔ ان معنوں میں ہم نے کبھی کسی مسلمان کو کافر نہیں کہا بلکہ سارے کے سارے مسلمان فرقوں کو ہم ملتِ اسلامی کا جزو قرار دیتے رہے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "إِنْکَارٌ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ ھُوَ بِہٖ کُفْرٌ وَلَیْسَ کَمَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ۔ [250] اللہ تعالیٰ کی کسی وحی یا الہام کا انکار کفر تو ہے لیکن وہ ایسا کفر نہیں جیسے اللہ، ملائکہ، کتب اور رسل کا کفر ہوتا ہے۔

اسی طرح امام ابن تیمیہ کہتے ہیں اَلْکُفْرُ کُفْرَانِ أَحَدُ ھُمَا یَنْقُلُ عَنِ الْمِلَّۃِ وَالْآخَرُ لَا یَنْقُلُ عَنِ الْمِلَّۃِ۔ [251] یعنی کفر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک کفر ملت سے نکال دیتا ہے

اور دوسرا کفر ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتا۔

اسی طرح امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ وَحَقِیْقَۃُ الْاَمْرِ اِنْ منْ لَمْ یَکُنْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ حَقًّا یُقَالُ فِیهِ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ وَ مَعَهٗ اِیْمَانٌ یَمْنَعُهُ الْخُلُوْدُ فِی النَّارِ۔ وَھٰذَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ بَیْنَ اَھْلِ السُّنَّۃ یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص پورا مومن نہ ہو مگر پھر بھی ہم یہی کہیں گے کہ وہ مسلم ہے اور تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں۔ لٰکِنْ ھَلْ یُطْلَقُ عَلَیْهِ اِسْمُ الْاِیْمَانِ ھٰذَا ھُوَالَّذِیْ تَنَازَعُوْا فِیْهِ فَقِیْلَ یُقَالُ مُسْلِمٌ وَلَا یُقَالُ مُؤْمِنٌ۔252 لیکن یہ سوال کہ کیا اس پر لفظ ایمان بھی بولا جائے گا یا نہیں اور اسے ہم مومن بھی کہیں گے یا نہیں؟ یہ بات ایسی ہے جس میں علماء میں اختلاف ہوتے رہے۔ چنانچہ بعض نے کہا ہے کہ اسے مسلم تو کہیں گے مگر مومن نہیں کہیں گے۔

”مِلّتِ اسلامیہ“ میں شامِل ہونے کے لئے صرف کلمہ ضروری ہے

اِن تمام حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مِلّتِ اسلامیہ میں شامل ہونے کے لئے صرف کلمے کا پڑھنا کافی ہے۔ باقی کوئی امر ایسا نہیں ہے کہ جو ملّتِ اسلامی میں شمولیت کے لئے ضروری ہو۔ اگر باقی ضروری اُمور کا کوئی انکار کرتا ہے تو ہم اُسے غیر مؤمن کہہ لیں گے، ناقص الایمان کہہ لیں گے لیکن یہ نہیں کہیں گے کہ ان اُمور کی وجہ سے وہ ملّتِ اسلامیہ سے خارج ہو گیا ہے۔ ہاں چونکہ ایک اسلام ایمان سے بھی اُوپر ہے اِس کے لحاظ سے ایک شخص کو جس میں کوئی بڑا دینی نقص پایا جائے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ شخص اسلام سے خارج ہو گیا ہے مگر اس سے مراد ملّتِ اسلامیہ سے خارج ہونا نہیں ہو گا۔ اِس سے صرف یہ مراد ہو گا کہ وہ ایمان کے بڑے درجوں سے محروم ہے۔ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ مَشٰی مَعَ ظَالِمٍ لِیُقَوِّیَهٗ وَھُوَ یَعْلَمُ أَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ“۔253 جو شخص ظالم کی جانتے بوجھتے ہوئے مدد کی کوشش کرے اور اُسے علم ہو کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں ایسے شخص کو جو کسی ظالم کی مدد کرتا ہے خارج عَنِ الْاِسْلَام

قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ متعدد مواقع پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے انسان ملّتِ اسلامی میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی اور گُناہ اُسے ملّتِ اسلامیہ سے خارج نہیں کرتا۔ ان حدیثوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہی ماننا پڑتا ہے کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کلمہ گو کو خارج از اسلام قرار دیا تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ ایمان کے بعض مدارج سے یہ شخص محروم ہے اور جب کسی شخص کو ملّتِ اسلامیہ میں داخل قرار دیا ہے تو اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اُس کے اندر ایمان کے تمام مدارج کامل طور پر پائے جاتے ہیں بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ اسلامک باڈی پولٹکس (ISLAMIC BODY POLITICS) کا ممبر ہو گیا ہے اور اگر ہم نے کسی شخص کو مؤمن یا کافر کہا ہے تو انہی معنوں کی رُو سے کہا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا عقیدہ

حضرت ابو حنیفہؒ بھی اسی عقیدہ پر قائم تھے جو ہم نے اُوپر بیان کیا ہے۔ چنانچہ کتاب معین الحکام مصنفہ ابو الحسن طرابلسی میں جو جماعتِ اسلامی کی طرف سے پیش کی گئی ہے اور جس کے حاشیہ والی کتاب سے انہوں نے سند لی ہے اس کے صفحہ 202 پر امام طحاوی، حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں سے روایت کرتے ہیں کہ لَا یَخْرُجُ الرَّجُلُ مِنَ الْاِیْمَانِ اِلَّا جُحُوْدُ مَا اَدْخَلَہٗ فِیْہِ۔[254] یعنی حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا یہ مذہب تھا کہ ایمان سے کوئی چیز کسی کو خارج نہیں کرتی سوائے اُس چیز کے دیدہ دانستہ انکار کے جس نے اُس کو اسلام میں داخل کیا تھا۔ یعنی کلمہ شہادت، مطلب یہ ہے کہ جب تک کلمہ شہادت کا کوئی شخص دیدہ دانستہ انکار نہ کرے اُس وقت تک کوئی چیز اس کو اسلام سے خارج نہیں کرتی۔ پھر امام طحاوی کا جو حنفیوں میں مجتہد المذہب کی حیثیت رکھتے ہیں یہ مذہب بیان کیا گیا ہے کہ ایسی صورت میں نہ تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس قسم کا مرتد ہو گیا ہے کہ اس پر مرتدین کے احکام جاری کر دیئے جائیں اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس پر ایسے احکام جاری نہیں ہو سکتے کیونکہ کلمہ پڑھنے سے اس کا اسلام ثابت ہو چُکا تھا۔ اب کسی شک کی وجہ سے اس کو اسلام سے نہیں نکالا جا سکتا کیونکہ اسلام ہمیشہ غالب

رہتا ہے اور وہ عالم جس کے پاس ایسے شخص کا معاملہ پیش کیا جائے اس کو چاہئے کہ کسی مسلمان پر جو کہ ایک دفعہ کلمہ پڑھ چُکا ہے کُفر کا فتویٰ لگانے میں جلدی نہ کرے لیکن کُفّار میں سے اگر کوئی شخص کلمہ پڑھے تو اُس کے اسلام کا فتویٰ دے۔

ہمیں تعجب ہے کہ اُنہوں نے اس کتاب کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ایک کتاب سے حوالہ درج کر کے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ مذہب تھا کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے اُس سے جو شخص معجزہ مانگے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ اس حوالہ کے پیش کرنے میں اُنہوں نے دیانت سے کام نہیں لیا کیونکہ یہ مذہب مصنف کتاب کا بیان کیا گیا ہے، امام ابو حنیفہؒ کا بیان نہیں کیا گیا اور پھر مصنف کتاب کے نزدیک بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ اگر کوئی شخص اس غرض کے لئے سوال کرے کہ اگر وہ معجزہ نہ دکھا سکے گا تو اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے گا تو پھر وہ کافر نہیں ہوتا۔**255**

جس سے یہ احتمال نظر آتا ہے کہ اگر وہ معجزہ دکھا دے گا تو اس کی نبوت ثابت ہو جائے گی اس لئے اس کے کُفر کا سوال ہی نہیں رہے گا۔ اِسی مصنفِ کتاب کا مذہب صفحہ 205 پر بیان کیا گیا ہے کہ إِذَا كَانَ فِي الْمَسْئَلَةِ وُجُوْهٌ تُوْجِبُ التَّكْفِيْرَ وَوَجْهٌ وَاحِدٌ يَمْنَعُ فَعَلَى الْمُفْتِيْ أَنْ يَّمِيْلَ اِلٰى ذٰلِكَ الْوَجْهِ۔ یعنی اگر کسی شخص کے کافر بنانے میں بہت سی وجوہ پائی جاتی ہوں لیکن ایک وجہ تکفیر سے روکتی ہو تو مفتی کا فرض ہے کہ وہ اس ایک وجہ کی طرف مائل ہو جو اُس کو کافر بنانے سے روکتی ہے اور اُن وجوہ کی طرف توجہ نہ کرے جو اُسے کافر بنانے کی تائید کرتی ہیں۔

ہم نے جو یہ لکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ مذہب ہے کہ جو چیز کسی کو اسلام میں داخل کرتی ہے وہی اُس کو اسلام میں قائم رکھتی ہے بلکہ اگر کوئی شخص شک کی وجہ سے انکار بھی کر دے تب بھی وہ اس کے ہوتے ہوئے اسلام سے نہیں نکلتا۔ اس کی تشریح لسان الحکام میں جس سے جماعت اسلامی نے حوالہ لیا ہے یہ کی گئی ہے کہ:-

"قدوری کتاب کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص

دہریہ ہو یا بُت پرست ہو یا خدا کو مانتا ہو لیکن ساتھ اس کے اور بھی خدا مانتا ہو تو ایسا شخص اگر صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دے تو وہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے یا کہہ دے کہ میں محمد صاحب کو اللہ کا رسول مانتا ہوں تو وہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے کیونکہ اسلام کے منکر اِن کلموں کے کہنے سے احتراز کرتے ہیں۔ پس جب ان دونوں حکموں میں سے کسی ایک کلمہ کا بھی وہ اظہار کر دے تو پھر اُس کو غیر مسلم نام سے نکالا جائے گا اور اُسے مسلمان قرار دے دیا جائے گا"۔[256]

غیر احمدی علماء کے نزدیک لفظ "کافر" کا مفہوم

غیر احمدی علماء تو جب ہم کو کافر کہتے ہیں تو اس کے یہ معنے بھی کرتے رہے ہیں کہ ہم جہنمی ہیں لیکن ہم تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جہنم اُن لوگوں کو ملے گی جو کہ دیدہ دانستہ شرارت سے سچائیوں کا انکار کرتے ہیں۔ کلمہ کا مُنہ سے پڑھنا تو انسان کو صداقت سے بہت کچھ قریب کر دیتا ہے۔ جو شخص انبیاء وکتب کا بھی مُنکر ہے اُس کا انکار بھی اگر دیانتداری کے ساتھ ہے اور اُس پر خدا کی حجت تمام نہیں ہوئی تو ہمارے نزدیک تو وہ شخص رحم کا مستحق ہے اور جو اسلامی آئیڈیالوجی ہم شروع میں بیان کر آئے ہیں اس کے مطابق یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صاف فرماتا ہے کہ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ[257] میری رحمت ہر چیز کو ڈھانپے ہوئے ہے اور فرماتا ہے وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ[258] مَیں نے سارے انسانوں کو اپنا مثیل ہونے کے لئے بنایا ہے اور اپنا عبد ہونے کے لئے بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ۔ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ۔[259] جو میرے عبد ہوں وہ میری جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مسلمان اس دُنیا میں باقی مذاہب کے مقابلہ میں تیسرا یا چوتھا حصّہ ہیں۔ پھر ان میں سے ہزار میں سے ایک یا اس سے بھی کم بقولِ مودودی صاحب اسلام سے قطعی طور پر ناواقف ہیں اور رسوماتِ کُفر میں مُبتلا ہیں۔[260]

تو گویا دُنیا کی کُل آبادی میں سے چالیس ہزار آدمی اسلام سے واقف ہے۔ پھر

ان میں سے بھی معلوم نہیں سچے مسلمان کتنے ہیں اور دکھاوے کے کتنے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ دُنیا میں اسلام پر عمل کرنے والے لوگ ہزار میں سے کوئی ایک ہے۔ اگر ان سب لوگوں کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جانا ہے تو رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ کے کیا معنے ہیں اور مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ کے کیا معنے ہیں۔ پھر تو خدا ہارا اور شیطان جیتا اور مقصدِ پیدائشِ عالم باطل ہو گیا۔ اِسلام کی رُو سے تو در حقیقت دُنیا کے مختلف تغیرات اور زمانہ برزخ اور یوم حشر اور زمانہ دوزخ یہ سب کے سب انسان کو صفائی اور پاکیزگی اور نجات کی طرف لے جا رہے ہیں اور تمام کے تمام انسان ہی خدائی رحمت کے نیچے آ جائیں گے اور خدا کی بات پوری ہو جائے گی کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ اور رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ یَاْتِیْ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ وَ نَسِیْمُ الصَّبَا تُحَرِّکُ اَبْوَابَھَا۔[261] یعنی جہنم پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ہوائیں اس کے دروازے ہلا رہی ہوں گی اور اس جیل خانے کے دروازے کھول دیئے جائیں گے کیونکہ اس کے اندر کوئی قیدی باقی نہیں رہے گا۔

ہم نے کبھی کُفر کا لفظ اُن معنوں میں استعمال نہیں کیا جن معنوں میں مولوی استعمال کرتے ہیں۔ ہم تو خدا کو رحیم و کریم سمجھتے ہیں۔ اس کی بخششوں کو روکنے والا کون انسان ہے۔

بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے چند اور حوالے

ہم نے اُوپر جو کچھ لکھا ہے اُس کی تائید میں بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے چند حوالے پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:-

> "کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے ان لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا۔ اگر کوئی ایسا کاغذ یا اشتہار یا رسالہ ہماری طرف سے ان لوگوں کے فتوائے کُفر سے پہلے شائع ہؤا ہے جس میں ہم نے مخالف مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہو تو وہ

پیش کریں ورنہ خود سوچ لیں کہ یہ کس قدر خیانت ہے کہ کافر تو ٹھہراویں آپ اور پھر ہم پر یہ الزام لگاویں کہ گویا ہم نے تمام مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا ہے"۔ 262

اِسی طرح آپ فرماتے ہیں:-

"یہ ایک شریعت کا مسئلہ ہے کہ مؤمن کو کافر کہنے والا آخر کافر ہو جاتا ہے۔ پھر جبکہ قریباً دو سو مولوی نے مجھے کافر ٹھہرایا اور میرے پر کُفر کا فتویٰ لکھا گیا اور اُنہی کے فتویٰ سے یہ بات ثابت ہے کہ مؤمن کو کافر کہنے والا کافر ہو جاتا ہے اور کافر کو مؤمن کہنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ تو اب اس بات کا سہل علاج ہے کہ اگر دوسرے لوگوں میں تخمِ دیانت اور ایمان ہے اور وہ منافق نہیں ہیں تو اُن کو چاہئے کہ اِن مولویوں کے بارے میں ایک لمبا اشتہار ہر ایک مولوی کے نام کی تصریح سے شائع کر دیں کہ یہ سب کافر ہیں کیونکہ انہوں نے ایک مسلمان کو کافر بنایا۔ تب مَیں ان کو مسلمان سمجھ لوں گا"۔ 263

یہ حوالہ بالکل اس حدیث کے مطابق ہے جو کہ اُوپر نقل کی جاچکی ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں:-

"کُفر دو قسم پر ہے۔ (اوّل) ایک یہ کُفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کُفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اُس کو باوجود اتمامِ حُجّت کے جھوٹا جانتا ہے"۔ 264

اسلام کی تعریف

اِسی طرح اسلام کی تعریف بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اِن الفاظ میں فرمائی ہے کہ:-

"عقیدہ کے رُو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا نبی ہے"۔ 265

اِسی طرح جزاو سزا کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالحکیم میرے متعلق لکھتا ہے کہ گویا مَیں نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ شخص جو میرے نام سے بھی بے خبر ہو گا اور گو وہ ایسے مُلک میں ہو گا جہاں تک میری دعوت نہیں پہنچی وہ کافر ہو جائے گا اور دوزخ میں پڑے گا۔ آپ فرماتے ہیں یہ سراسر افتراء ہے۔ مَیں نے اپنی کسی کتاب میں ایسا نہیں لکھا اور پھر فرماتے ہیں کہ:-

"یہ تو ایسا امر ہے کہ ببداہت کوئی عقل اس کو قبول نہیں کر سکتی۔ جو شخص بکلّی نام سے بھی بے خبر ہے اُس پر مؤاخذہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ہاں مَیں یہ کہتا ہوں کہ چونکہ مَیں مسیح موعود ہوں اور خدا نے عام طور پر میرے لئے آسمان سے نشان ظاہر کئے ہیں۔ پس جس شخص پر میرے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں خدا کے نزدیک اتمامِ حجّت ہو چُکا ہے اور میرے دعوے پر وہ اطلاع پا چُکا ہے وہ قابلِ مؤاخذہ ہو گا"۔ **266**

اِسی طرح آپ لکھتے ہیں کہ:-

"ماسوا اِس کے اگر فرض کے طور پر کوئی ایسا شخص دُنیا میں ہو کہ وہ باوجود پوری نیک نیتی اور ایسی پوری پوری کوشش کے کہ جیسا کہ وہ دُنیا کے حصول کے لئے کرتا ہے اسلام کی سچائی تک پہنچ نہیں سکا تو اُس کا حساب خدا کے پاس ہے"۔ **267**

موجودہ امامِ جماعتِ احمدیہ کی طرف سے وضاحت

موجودہ امامِ جماعتِ احمدیہ نے بھی اِس کے متعلق وضاحت کی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"باقی ہم میں اور اُن میں تو کُفر کی تعریف میں اختلاف بھی بہت سا پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ کُفر کے معنے یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا انکار حالانکہ ہم یہ معنے نہیں کرتے اور نہ کُفر کی یہ تعریف کرتے ہیں۔ ہم تو

سمجھتے ہیں کہ اسلام کے ایک حد تک پائے جانے کے بعد انسان مسلمان کے نام سے پُکارے جانے کا مستحق سمجھا جاسکتا ہے لیکن جب وہ اس مقام سے بھی نیچے گر جاتا ہے تو گو وہ مسلمان کہلا سکتا ہے مگر کامل مسلم اُسے نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ تعریف ہے جو ہم کُفر و اسلام کی کرتے ہیں اور پھر اس تعریف کی بناء پر ہم کبھی نہیں کہتے کہ ہر کافر دائمی جہنمی ہوتا ہے"۔ **268**

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں:-

"اُن کے کُفر اور ہمارے کُفر میں بہت بڑا فرق ہے۔ اُن کا کُفر تو ایسا ہے جیسے سُرمے والا سُرمہ پیستا ہے۔ وہ بھی جب کسی کو کافر کہتے ہیں تو اُس کا مطلب یہ ہوُا کرتا ہے اُسے پیس کر رکھ دیں۔ کہتے ہیں کہ وہ جہنمی ہے اور ابدی دوزخ میں پڑے گا ..... پس ہماری کُفر کی اصطلاح ہی اَور ہے اور اُن کے کُفر کی اصطلاح اَور۔ ہمارا کُفر تو اُن کے کفر کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسے سُورج کے مقابل پر ذرّہ ہو۔ پس اِس پر اُنہیں غُصّہ کیوں آتا ہے۔ آجکل بڑے زور سے کہا جاتا ہے کہ احمدی ہمیں کافر کہتے ہیں۔ اگر وہ سچّے ہیں تو ثابت کریں کہ پہلے ہم نے اُنہیں کافر کہا ہو۔ اگر وہ ذرا بھی غور کریں گے تو اُنہیں معلوم ہو گا کہ پہلے اُنہوں نے ہی ہمیں کافر کہا ہم نے کافر نہیں کہا۔ گو اِس رنگ میں بھی اُن کے کُفر اور ہمارے کُفر میں بہت بڑا فرق ہے لیکن بہرحال اُن کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ دیکھیں۔ پہلے اُنہوں نے ہمیں کافر کہا اور ہم پر کُفر کے فتوے لگائے یا ہم نے اُن کو کافر کہا؟"۔ **269**

اِس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ موجودہ امام جماعتِ احمدیہ کے نزدیک بھی کُفر دو قسم کا ہے۔ ایک کُفر کے باوجود انسان مسلمان کہلاتا ہے اور وہ ملّتِ اسلامیہ میں شامل ہوتا ہے اور دوسرے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم نے جو کچھ کہا جواب

میں کہا ہے۔ اصل ذمہ دار علماء ہیں جنہوں نے ہم کو پہلے کافر کہا۔ لفظِ کُفر کی حقیقت احمدیہ جماعت کے نزدیک محض حجت اور عدمِ حجت کے متعلق ہے۔ کُفر کے عواقب خدا تعالیٰ کو مدّ نظر رکھتے ہوئے جو غیر احمدی علماء بتاتے ہیں اُن سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ خدا دو ہیں۔ ایک مؤمنوں کا خدا اور ایک کافروں کا خدا۔ حالانکہ خدا تو ایک ہی ہے۔ ایک باپ کے دو بیٹوں میں سے ایک فرمانبردار ہوتا ہے اور ایک نافرمان لیکن ہوتا بیٹا ہی ہے۔ نافرمان ہو جانے سے باپ کے دل سے اُس کی محبت نہیں جاسکتی اور وہ اُس کی بہتری کے لئے کوشش کرنے سے باز نہیں رہتا۔ اگر خدا مسلمانوں اور کافروں کا ایک ہی ہے تو یہی کیفیت اُس کی بھی ہونی چاہئے۔ کافر کے معنے محض اتنے ہیں کہ وہ اُس کا بیمار بندہ ہے جس کے دل میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ مگر ''اُس'' کا ہونے اور اُس کا ''بندہ'' ہونے میں تو کوئی فرق نہیں آتا۔ پس کسی مذہب میں کسی شخص کو کافر کہنے کے بعد جو اُس کے لئے سزا اور جزا تجویز کی گئی ہے اُس کو مدِّ نظر رکھے بغیر ہم اُس قوم کے کُفر کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے اور اِس بات کا پتہ کہ اسلام کے کون سے فرقے پیدائشِ عالم کی غرض کو مدِّ نظر رکھتے ہیں اِسی سے مِل سکتا ہے کہ کُفر کی جو تشریح وہ کرتے ہیں آیا وہ اسلامک آئیڈیالوجی کے مطابق ہے یا اُس کے مخالف ہے۔ پس اِس بات کو واضح کرنے کے لئے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت امام جماعت احمدیہ نے کُفر کی سزا کے متعلق یوں لکھا ہے:-

> ''اِسلام اِس بات پر زور دیتا ہے کہ ہر انسان نجات ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور خواہ کوئی کیسا ہی کافر ہو مختلف قسم کے علاجوں کے بعد جن میں سے ایک علاج جہنم بھی ہے آخر جنت کو پالے گا۔ قرآن نجات کے بارہ میں وزنِ اعمال پر زور دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نیک اعمال کا بڑھ جانا انسان کی نجات کے لئے اُس کی سچی کوشش پر دلالت کرتا ہے اور جو شخص سچی کوشش کرتا ہوا مَر جاتا ہے وہ اُس سپاہی کی طرح ہے جو فتح سے پہلے مارا جاتا ہے..... اگر ایک شخص نیکی کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے مَر جاتا ہے تو یقیناً وہ خدا تعالیٰ کے فضل کا

مستحق ہے سزا کا مستوجب نہیں۔ کوئی قوم اپنے سپاہیوں کو اِس بات پر ملامت نہیں کیا کرتی کہ وہ فتح پانے سے پہلے کیوں مارے گئے"۔ 270

پھر وہ لکھتے ہیں:۔

"بات یہ ہے کہ اصل چیز محبتِ الٰہی ہے اور یہ رستہ شریعت نے اُسی کے لئے تجویز کیا ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کے عشق اور اُس کی محبت سے لبریز ہو گا...... یہ انعام اُسی کے لئے مقدر ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار ہو گا اور جو اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود محبتِ الٰہی کی آگ اپنے اندر رکھتا ہو گا اور یقیناً جس دل میں خدا تعالیٰ کی محبت ہو گی اُسے کبھی دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی طرح اُس کی نجات کا سامان پیدا کر دے گا اور حساب بنا بنا کر اور مختلف ذرائع اور طریق اختیار کر کے اُسے جنت میں لے جانے کی کوشش کرے گا"۔ 271

اِسی طرح امامِ جماعتِ احمدیہ لکھتے ہیں کہ:۔

"جنت صرف مُنہ کے اقرار کا نتیجہ نہیں۔ جنت بہت سی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے نتیجہ میں ملتی ہے۔ اِسی طرح دوزخ صرف مُنہ کے انکار کا نتیجہ نہیں بلکہ دوزخ کا شکار بننے کے لئے بہت سی شرطیں ہیں۔ کوئی انسان دوزخ میں نہیں جا سکتا جب تک اُس پر حُجّت تمام نہ ہو۔ خواہ وہ بڑی سے بڑی صداقت کا ہی مُنکر کیوں نہ ہو۔ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بچپن میں مَر جانے والے یا بُلند پہاڑوں میں رہنے والے یا جنگلوں میں رہنے والے یا اتنے بڈھے جن کی سمجھ ماری گئی ہو یا پاگل جو عقل سے کورے ہوں اِن لوگوں سے مؤاخذہ نہیں ہو گا بلکہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن اِن لوگوں کی طرف دوبارہ نبی مبعوث فرمائے گا"۔ 272

اِس حوالہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی اُس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو رُوح المعانی میں مروی ہے۔ [273]

پھر لکھا ہے:-

"نجات کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہر وہ شخص جو صداقت کے سمجھنے سے گریز کرتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ صداقت اُس کے کان میں نہ پڑے تاکہ اُسے ماننی نہ پڑے۔ یا جس پر حجت تمام ہو جائے مگر پھر بھی ایمان نہ لائے خدا تعالیٰ کے نزدیک قابلِ مؤاخذہ ہے"۔ [274]

اِن حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ موجودہ امامِ جماعت احمدیہ کے نزدیک مسلمان ایسے کافر نہیں جو ملّتِ اسلامیہ سے خارج ہوں اور اُن کے نزدیک نجات کا تعلق محبتِ الٰہی پر ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اندر محبتِ الٰہی رکھتا ہے تو اگر اُس کے اندر کچھ غلطیاں بھی ہیں اور بعض قسم کا کُفر بھی پایا جاتا ہے تب بھی اللہ تعالیٰ اُس کی نیک نیتی کو دیکھ کر اور اُس کی محبت کے جذبات کو دیکھ کر اُس کی بخشش کے کوئی نہ کوئی سامان کر دے گا۔

جماعتِ احمدیہ کی طرف سے لفظِ کافر کا کم سے کم استعمال

اِس جگہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب کہ احمدی جماعت کُفر کے معنے بھی اور کرتی تھی اور ان الفاظ کو صرف جواباً استعمال کرتی تھی تو پھر کیوں اُن کی طرف سے کوشش نہیں ہوئی کہ ان الفاظ کا استعمال کم کیا جائے یا روکا جائے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری طرف سے ایسی کوشش ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتاب "انجام آتھم" میں اِس تحریک کو پیش کیا تھا کہ:-

"نہ ہمیں غیر احمدی علماء گالیاں دیں نہ ہم اُن کا جواب دیں اور اس طرح سات سال تک خاموشی سے گزار دیں۔ اِس عرصہ میں خدا کے فیصلہ کا انتظار کیا جائے اور ان دنوں میں مجھے اسلام کے

دُشمنوں سے مقابلہ کرنے کی مُہلت دی جائے۔ اگر مَیں اِن ایّام میں اسلام کی کوئی عظیم الشان خدمت کر لوں تو خود مسلمانوں کی سمجھ میں آجائے گا کہ مَیں اسلام کا خادم ہوں، دُشمن نہیں اور اگر مَیں ایسا نہ کر سکوں تو پھر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مَیں اسلام کا خیر خواہ نہیں"۔ 275

اِسی طرح 26 فروری 1899ء کو آپ نے ایک اعلان اپنی جماعت کے نام شائع کیا اور اُس میں لکھا کہ:-

"کسی کے دل کو ان الفاظ سے دُکھ نہ دیں کہ یہ کافر ہے یا دجّال ہے یا کذّاب ہے یا مُفتری ہے...... ہم نے ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۲۷ میں شیخ محمد حسین اور اُس کے گروہ سے یہ بھی درخواست کی تھی کہ وہ سات سال تک اس طور سے ہم سے صُلح کر لیں کہ تکفیر اور تکذیب اور بدزبانی سے مُنہ بند رکھیں اور انتظار کریں کہ ہمارا انجام کیا ہوتا ہے لیکن اُس وقت کسی نے ہماری یہ درخواست قبول نہ کی اور نہ چاہا کہ کافر اور دجّال کہنے سے باز آجائیں۔ یہاں تک کہ عدالت کو اب امن قائم رکھنے کے لئے وہی طریق استعمال کرنا پڑا جس کو ہم صلحکاری کے طور سے چاہتے تھے"۔ 276

یہ دوسری کوشش تھی۔ مگر اس کے باوجود غیر احمدی علماء اپنی کُفر بازی سے باز نہ آئے۔ اِس کے بعد 1910ء میں جماعت احمدیہ میں باہم اختلاف پیدا ہو گیا اور کچھ احمدیوں نے غیر احمدیوں کی مدد حاصل کرنے کے لئے مرزا صاحب کو ایسے رنگ میں پیش کرنا چاہا کہ اُن کا وجود اور عدمِ وجود برابر ثابت ہوتا تھا۔ تب جماعت احمدیہ کے اُس حصّہ نے جو کہ مرزا صاحب کی آمد کو اہم قرار دیتا تھا اُن اصطلاحات کے مطابق جو کہ احمدیوں میں پائی جاتی ہیں اور جن کا اُوپر ذکر کیا جا چُکا ہے اِس مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا لیکن اُس وقت اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کسی وقت یہ باہمی گُفت و شُنید

پبلک میں افتراق پیدا کرنے کا ذریعہ بنائی جائیگی لیکن یہ گفت وشنید بھی 1922ء تک ختم ہو گئی۔ 1922ء کے بعد کوئی کتاب امامِ جماعت احمدیہ کی طرف سے ایسی نہیں نکلی جس میں اس مضمون کے متعلق اظہارِ خیالات کیا گیا ہو۔ اگر کوئی تحریر شائع ہوئی ہے تو وہ صلح کی تائید میں شائع ہوئی ہے۔ چنانچہ امامِ جماعتِ احمدیہ کی طرف سے ایک تحریر ''ریویو آف ریلیجنز اُردو'' جولائی 1922ء میں شائع ہوئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:-

''جو شخص غیر احمدیوں کو کافر، یہودی اور جاہل بِلا ضرورت کہتا پھرتا ہے وہ درحقیقت شریعت کا مجرم اور فتنہ انگیز ہے۔ اگر غیر احمدی اُس کے نزدیک کافر ہیں تو اُس کو یہ کہاں سے حق حاصل ہو گیا کہ وہ اُن کو کافر کہتا پھرے..... بِلاوجہ اور بے ضرورت اِس قسم کے مضامین اخبار میں نکالنا اور زبانی کہتے پھرنا واقع میں فتنہ کا مؤجب ہے اور اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو مَیں اُس کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے اخلاق کو درست کرے ورنہ وہ خدا کے نزدیک گنہگار ہے''۔

اِسی طرح یکم مئی 1935ء کو آپ کا ایک خطبہ الفضل میں چھپا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:-

''اب بھی ہمیں کس طرح بار بار اُن کی طرف سے کافر کہا جاتا ہے اور اخبارات میں لکھا جاتا ہے۔ کیا ہمارے اخبارات میں بھی لکھا جاتا ہے کہ احراری کافر ہیں؟ ہم تو کہتے ہیں جو کسی کو بِلاوجہ کافر کہتا ہے وہ اُس کی دِل آزاری کرتا ہے''۔

پس ہماری طرف سے برابر یہ کوشش ہوتی رہی ہے کہ ان الفاظ کو استعمال نہ کیا جائے لیکن احرار اور اُن کے ساتھیوں کی طرف سے ان الفاظ کو کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے اور وہ الفاظ جو کسی زمانہ میں صرف جواباً استعمال کئے گئے تھے اور جو گزشتہ پچاس برس میں جماعت احمدیہ کی طرف سے کبھی استعمال نہیں کئے گئے اشتعال دلانے کے لئے اُن کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر

کسی شخص نے کسی کو پیٹھ پیچھے گالی دی اور دوسرے شخص نے وہ گالی اُس کو پہنچا دی تو اُس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی نے کسی شخص کو تیر مارا اور وہ لگا نہیں لیکن دوسرے شخص نے وہ تیر اُٹھایا اور اُس کے سینہ میں گھونپ دیا۔

علماء کا شغلِ تکفیر

اسلام اور کُفر کے بارہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ صرف یہی بات نہیں کہ غیر احمدیوں نے احمدیوں کو کافر کہا جس کے نتیجہ میں ایک لمبے عرصہ کے بعد احمدیوں کو جواب دینا پڑا اور اس جواب میں بھی وہ بہت محتاط رہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ مسلمانوں کو کافر کہنے کی رسم علماء میں بہت دیر سے چلی آتی ہے۔ چنانچہ اسلامی بنیادی اصول کے مضمون میں ہم بتا چکے ہیں کہ شروعِ زمانۂ اسلام سے علماء بزرگانِ اسلام کو کافر کہتے آئے ہیں۔ اب ہم چند حوالے اس بارہ میں دیتے ہیں کہ زمانۂ قریب میں بھی سُنّیوں نے شیعوں کو خارج از اسلام قرار دیا ہے اور اُن کے ساتھ مناکحت حرام، اُن کا ذبیحہ حرام، اُن کا جنازہ حرام بلکہ اُن کا سُنّی کے لئے جنازہ پڑھنا بھی حرام قرار دیا ہے۔ [277]

اِسی طرح شیعہ حضرات کا فتویٰ سُنّیوں کے متعلق ہے کہ وہ سب غیر ناجی ہیں۔ خواہ شہید ہی کیوں نہ ہوں۔ [278]

تمام سُنّی جو آئمۂ اہلِ بیت پر ایمان نہیں لاتے کافر ہیں۔ [279]

دیو بندی علماء نے مولوی ابو الحسنات صاحب کے والد اور ان کے پیر مولوی احمد رضا خان صاحب کی نسبت یہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ اور اُن کے اتباع کافر ہیں۔ اور جو انہیں کافر نہ کہے یا اُن کے کافر کہنے میں کسی وجہ سے بھی شک کرے وہ بھی بِلا شُبہ قطعی کافر ہے۔ [280]

اب مولانا میکش خود بتائیں کہ اُن کے پیر مولوی احمد رضا خان صاحب اور اُن کے ماننے والوں کے کُفر میں آیا اُن کو کوئی شک ہے یا نہیں اور اسی فتویٰ میں وہ دیوبندیوں کو سچّا سمجھتے ہیں یا جھُوٹا؟

بریلوی علماء نے بھی کمی نہیں کی۔ وہ فتویٰ دیتے ہیں کہ دیو بندی علماء سب

مسلمانوں کے اجتماعی فتویٰ سے کافر ہیں۔ مرتد اور اسلام سے خارج ہیں۔ 281

اِس فتویٰ میں حرمین کے علماء بھی شامل ہیں۔ نہ معلوم میکش صاحب اِس فتویٰ کے بعد جو اجماعی ہے اپنے پہلو میں بیٹھنے والے دیوبندی علماء کی نسبت کیا فتویٰ دیتے ہیں اور اجماع کی کیا قیمت لگاتے ہیں۔

مولانا ابو الحسنات اور میکش صاحب تو آج کہہ رہے ہیں کہ احمدیوں پر کُفر کا فتویٰ اصلی ہے اور باقی فرقوں پر رسمی۔ مگر احمد رضا خان صاحب بریلوی اور علماء حرمین اپنے فتویٰ میں بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور دیوبندی علماء کا نام اکٹھا لکھتے ہیں اور آخر میں کہتے ہیں کہ یہ وہابی یعنی دیوبندی اُوپر کے گنائے ہوئے لوگوں میں سے سب سے بڑے کافر ہیں۔ 282

اہلِ حدیث کے بارہ میں سُنّی علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ مُرتد ہیں اور باجماعِ اُمّت اسلام سے خارج ہیں۔ 283

اہلِ حدیث نے مقلدین کی نسبت لکھا ہے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، مجدّدیہ سب لوگ مُشرک اور کافر ہیں۔ 284

لیکن باوجود اِس کے اِس کُفر کے نتیجہ میں کبھی بھی کسی کو اقلیت قرار دینے یا مسلمانوں کے جائز حقوق سے محروم قرار دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔ چنانچہ سب سے پہلی مثال تو اُن مرتدین کی ہے جن کو خود قرآن کریم نے کافر قرار دیا ہے۔ منافقوں کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صاف طور پر فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَ لَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا۔ 285 یعنی منافق پہلے ایمان لائے پھر کافر ہو گئے، پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے اور پھر کُفر میں اَور بھی بڑھ گئے لیکن باوجود اِن صریح الفاظ کے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں منافقوں کو اسلامی حقوق سے محروم نہیں کیا گیا بلکہ وہ آخر تک مسلمانوں میں شامل رکھے گئے، ان سے مشورے لئے جاتے رہے اور اُن کو تمام اسلامی کاموں میں شریک رکھا گیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ خدا کسی کو کافر کہتا تو وہ محض کلمہ پڑھنے کی وجہ سے باوجود خدا کے حکم کے

اسلامی حقوق سے محروم نہیں رکھا جاتا لیکن یہ علماء جس کو کافر کہیں وہ باوجود کلمہ پڑھنے کے اور قسمیں کھانے کے کہ مَیں مسلمان ہوں، اِسلامی حقوق سے محروم کیا جا سکتا ہے۔

دوسری مثال اس امر کے متعلق خوارج کی ہے۔ خوارج کے متعلق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قَوْمٌ یُحْسِنُوْنَ الْقِیْلَ وَ یُسِیْئُوْنَ الْفِعْلَ یَقْرَءُ وْنَ الْقُرْاٰنَ لَا یُجَاوِزُ تَرَاقِیَهِمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ مَرُوْقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِیَّةِ"۔[286] یعنی مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی پیدا ہو گی جو باتیں کرنے میں تو بڑی اچھی نظر آئے گی لیکن اُن کے افعال نہایت ناپسندیدہ ہوں گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن اُن کے گلے سے نہیں اُترے گا اور وہ دین سے اسی طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر اپنے نشانہ سے نِکل جاتا ہے۔

تاریخ سے ظاہر ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر متفق تھے کہ یہ حدیث خوارج کے متعلق ہے لیکن باوجود اس کے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کافر کہا پھر بھی اُن کو اسلامی حقوق سے محروم نہیں رکھا گیا۔ اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اور لازماً سیاسی طور پر اُن سے جنگ کرنی پڑی لیکن جب ان کو شکست ہوئی اور اُن کے آدمی قید ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کے ساتھ کافر جنگ کرنے والوں کا سلوک نہیں کیا بلکہ مسلمانوں والا کیا۔ چنانچہ ابن قتیبہ "کتاب الامامت والسیاست" میں لکھتے ہیں: اَخَذَ عَلِیٌّ مَا کَانَ فِیْ عَسْکَرِهِمْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ فَاَمَّا السِّلَاحَ وَالدَّوَابَّ فَقَسَّمَهٗ عَلِیٌّ بَیْنَنَا وَ اَمَّا الْمَتَاعَ وَالْعَبِیْدَ وَالْاِ مَاءَ فَاِنَّهٗ حِیْنَ قَدِمَ الْکُوْفَةَ رَدَّهٗ عَلٰی اَهْلِهٖ۔[287] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے لشکر کی تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا۔ ہتھیار اور جنگی سواریاں تو لوگوں میں تقسیم کروائے لیکن سامان و غلام اور لونڈیوں کو کُوفہ واپس آنے پر اُن کے مالکوں کو لَوٹا دیا۔

اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ اُن کے قیدیوں کو غلام نہیں بنایا گیا۔ نہ مَردوں کو، نہ عورتوں کو، نہ بچوں کو اور اُن کی جائدادیں ضبط نہیں کی گئیں، حالانکہ وہ باغی تھے۔ صرف اسلام کے نام کی وجہ سے اور کلمہ پڑھنے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن کو کافر قرار دینے کے باوجود اُن کے قیدیوں کو آزاد کر دیا، عورتوں کو آزاد کر دیا، بچوں کو آزاد کر دیا اور اُن کے سامان اُن کو واپس کر دیئے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب کوئی شخص کلمہ پڑھتا ہو تو اُس پر کُفر کا فتویٰ لگنے کے باوجود اُسے اسلامی حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔288

علماء کا ایک اَور اعتراض اور اُس کا جواب

علماء کہتے ہیں کہ احمدی جھُوٹ بولتے ہیں۔ اُن کے دِل میں کچھ اَور ہے اور ظاہر کچھ اَور کرتے ہیں۔ اندر سے یہ اسلام کے مخالف ہیں۔ یہ مسئلہ بھی نیا نہیں۔ یہ مسئلہ بھی اسلام میں زیر بحث آچُکا ہے۔ سب سے پہلا جواب تو اِس اعتراض کا یہ ہے کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ رضی اللہ عنہ سے جنہوں نے ایک شخص کو باوجود لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے کے لڑائی میں قتل کر دیا تھا۔ ناراض ہو کر کہا کہ اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِہٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَھَا اَمْ لَا۔289 تُو نے اُس شخص کا دِل پھاڑ کر کیوں نہ دیکھا کہ آیا اُس نے دھوکا دینے کے لئے یہ کلمہ کہا تھا یا سچّے دل سے۔

دوسرا جواب اِس کا یہ ہے کہ انسان تو انسان ہیں اللہ تعالیٰ نے بھی جو دِلوں کے راز جاننے والا ہے جب منافقوں کو کافر کہا اور بتایا کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں اُن کے دلوں میں وہ بات نہیں جو وہ مُنہ سے کہتے ہیں تو بھی منافق لوگ اسلامی حقوق سے محروم نہیں کئے گئے۔ اسلام کا یہ فتویٰ ہے کہ جب کوئی شخص مُنہ سے کہہ دے کہ مَیں مسلمان ہوں تو وہ اسلامی حقوق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ امام شافعیؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:-

> "ایک شخص کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رپورٹ پہنچی کہ یہ شخص دل سے مسلمان نہیں صرف ظاہر میں مسلمان ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ کیا یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ تم ظاہر میں مسلمان ہوئے ہو اور اصل میں مسلمان نہیں ہو۔ تمہاری غرض اسلام لانے سے صرف یہ ہے کہ تم

اسلامی حقوق حاصل کرو۔ اُس نے اس کے جواب میں حضرت عمرؓ سے سوال کیا کہ حضور کیا اسلام ان لوگوں کو حقوق سے محروم کرتا ہے جو ظاہر میں اسلام قبول کریں اور کیا اُن کے لئے اسلام نے کوئی راستہ کھلا نہیں چھوڑا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اسلام نے ان لوگوں کے لئے بھی رستہ کھلا رکھا ہے اور پھر خاموش ہو گئے"۔ [290]

اِسی طرح جو آیت ہم نے منافقوں کے متعلق پہلے لکھی ہے اس مضمون کی ایک دوسری آیت یعنی يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ [291] وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے یہ فقرات نہیں کہے۔ حالانکہ وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو چکے ہیں۔

امام شافعیؒ نے تفصیلی بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص مُنہ سے کلمہ پڑھتا ہے خواہ دل میں اسلام پر ایمان نہ لایا ہو اُسے مُرتد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ [292]

بحث کا خلاصہ

ان حوالوں سے جو ہم اُوپر درج کر چکے ہیں مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:-

اوّل: ایک اسلام بمعنٰی کامل ایمان ہوتا ہے اور سب مسلمان ہرگز اِس میں شامل نہیں۔ دوسرا اسلام کلمہ پڑھ کر اسلام میں شمولیت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ اِس مُسلم کے لئے یہ کوئی شرط نہیں کہ اِس کو پورا ایمان نصیب ہو بلکہ بغیر کسی قسم کے ایمان کے بھی ایسا شخص مسلمان ہو سکتا ہے اور اس کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی سوائے نصیحت اور وعظ اور دُعا کے۔

دوم: احمدیوں نے خارج از اسلام اور کافر ہونے کا فتویٰ غیر احمدیوں کے متعلق پہلے نہیں دیا بلکہ پہلے اُنہوں نے احمدیوں پر ایسا فتویٰ لگایا۔

سوم: غیر احمدیوں نے احمدیوں ہی پر یہ فتویٰ نہیں لگایا بلکہ وہ ہمیشہ سے ایک دوسرے پر

فتویٰ لگاتے چلے آئے ہیں۔

چہارم: جب غیر احمدیوں نے آپس میں ایک دوسرے پر فتویٰ لگایا اور احمدیوں پر فتویٰ لگایا تو اُنہوں نے اس کے یہ معنٰی لئے کہ وہ اسلام کی جامع و مانع تعریف سے بھی باہر ہیں۔

پنجم: جب احمدیوں نے جواباً اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق غیر احمدیوں پر کوئی فتویٰ لگایا تو اس فتوے میں اُنہوں نے یہ احتیاط کی کہ اُن کو ایمانِ کامل سے تو محروم قرار دیا لیکن اسلام کی جامع و مانع تعریف سے باہر نہیں کیا اور مختلف مواقع پر واضح کر دیا کہ وہ انہیں اسلام کی جامع و مانع تعریف کے اندر شامل رکھتے ہیں۔

ششم: غیر احمدیوں نے جب احمدیوں پر فتویٰ لگایا تو اُنہوں نے انہیں دائمی جہنمی قرار دیا لیکن احمدیوں نے جب کسی پر فتویٰ لگایا تو ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ اوّل تو اس فتویٰ کے یہ معنٰی نہیں کہ اسلام کی جامع و مانع تعریف سے وہ نکل گئے ہیں۔ دوم لفظِ کُفر کا اگر کسی معنوں میں بھی اُن پر اطلاق ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی قابلِ مؤاخذہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا مؤاخذہ محض بد نیّتی اَور اتمامِ حجت پر ہؤا کرتا ہے۔ اگر اُن کی نیت نیک ہے اور اگر اُن پر اتمامِ حجت نہیں ہؤا تو وہ کسی سزا کے مستحق نہیں۔

ہفتم: احمدیوں نے متواتر اِس بات کا اعلان کیا کہ ہم صلح کرنا چاہتے ہیں۔ اگر غیر احمدی اپنے فتوؤں کو واپس لے لیں تو ہم بھی اپنے فتوے واپس لینے کے لئے تیار ہیں اور جماعت کو روکا کہ اَیسے الفاظ دوسروں کے متعلق استعمال نہ کیا کرو لیکن غیر احمدیوں نے فتوؤں میں ابتدا بھی کی اور پھر احمدیوں کی امن کی اپیلوں پر کان بھی نہ دھرا اور شروع دن سے آج تک متواتر اُن فتوؤں کو دُہراتے اور پھیلاتے چلے آرہے ہیں۔

سوال نمبر 5 متعلق مسائلِ نماز و جنازہ و رِشتہ ناطہ

پنجم: پانچویں یہ کہا گیا ہے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ اس بناء پر اور غیر احمدیوں کو جوش اور اشتعال اِس وجہ سے ہے کہ احمدی جماعت اپنے مخالفوں کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھتی، ان کے جنازے نہیں پڑھتی اور اُن کو لڑکیاں دینے سے اجتناب کرتی ہے۔ یہ باتیں اوّل تو خالص مذہبی نہیں۔ خوجہ قوم اور بوہرہ قوم کے لوگ اپنی لڑکیاں دوسری قوم کو نہیں دیتے، مہدوی لوگ اپنی لڑکیاں دوسری قوم کو نہیں دیتے۔ بلوچستان کا بڑا حصّہ مہدوی ہے۔ وہ کسی صورت میں بھی اپنی لڑکیاں غیروں کو نہیں دیتا۔ کراچی کی تجارت خوجہ قوم اور بوہرہ قوم کے پاس ہے وہ کبھی اپنی لڑکیاں غیروں کو نہیں دیتے لیکن باوجود اس کے علماء نے کبھی ان لوگوں کے خلاف شور نہیں مچایا بلکہ ان لوگوں کی دعوتیں اُڑاتے ہیں۔ حیدر آباد کے رہنے والے مسلمانوں کی طرف سے جو ریاستوں کی آزادی کی تحریک اُٹھی تھی مہدوی قوم کے لیڈر نواب بہادر یار جنگ اس کے صدر تھے اور قائدِ اعظم نے اُن کو اپنا نائب بنا رکھا تھا مگر باوجود اس کے ان علماء نے کبھی آواز نہیں اُٹھائی کہ یہ تو اپنی لڑکیاں دوسروں کو نہیں دیتے۔ یہ تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیّد محمد صاحب جونپوری کو خدا تعالیٰ کا رسول مانتے ہیں۔ یہ تو اپنے عقیدہ کی رُو سے دُوسروں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے اُن کو لیڈر کیوں بنایا گیا ہے اور جیسا کہ مہدوی لٹریچر سے ظاہر ہے بلوچستانی مہدویوں میں سے بعض نے تو اپنا نعرہ یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ ہم ایسے سمندر میں داخل ہو گئے ہیں جس کے کنارے پر نبی بیٹھا کرتے تھے اور اُن لوگوں میں تین نمازیں پڑھنے کا حکم ہے، زائد معاف ہیں۔ عجیب عجیب قسم کے اُن میں ذکر ہیں اور بعض تو اُن میں سے یہاں تک کہتے ہیں کہ لِوَائِیْ اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ[293] میرا جھنڈا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے اُونچا ہے۔

اور وہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ ایک لاکھ کے قریب تو بلوچستان میں ہیں۔ اس

کے علاوہ پالم پور میں اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں مگر یہی مولانا مودودی جو حیدر آباد میں ملازم رہے ہیں اُنہوں نے کبھی ان کے خلاف آواز نہیں اُٹھائی۔ حالانکہ وہ جو الزام ہم پر لگاتے ہیں، ان سے زیادہ سخت الزام ان پر لگتے ہیں۔ اس کے یہ معنٰی نہیں کہ ہم ان باتوں کو جائز سمجھتے ہیں ہم صرف یہ بتاتے ہیں کہ جب یہ مولوی ہم پر الزام لگاتے ہیں تو اِن کی نیّت ٹھیک نہیں ہوتی۔ جو لوگ ان کا سر پھوڑنے کی طاقت رکھتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں اُن کے سامنے تو یہ نظریں نیچی کر لیتے ہیں اور جو لوگ امن پسند شہری ہیں اُن پر ان کا سارا غصّہ نکلتا ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ اگر آغا خان کے خلاف کچھ کہا تو گورنمنٹ بھی گردن مروڑے گی اور بہت سارے چندوں اور امدادوں سے بھی محروم ہو جانا پڑے گا۔

احمدیوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا فتویٰ پہلے غیر احمدی مولویوں نے ہی دیا ہے

اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ یہ باتیں بھی ایسی ہیں کہ جن میں پہل انہیں لوگوں نے کی ہے۔ مثلاً احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے پہلے انہیں نے روکا ہے۔ چنانچہ 1892ء میں مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی نے بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے متعلق فتویٰ دیا کہ:-

"نہ اس کو ابتداءً سلام کریں..... اَور نہ اس کے پیچھے اقتداء کریں"۔ 294

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے فتویٰ دیا کہ:-

"قادیانی کے مُرید رہنا اور مسلمانوں کا امام بننا دونوں باہم ضدین ہیں۔ یہ جمع نہیں ہو سکتیں"۔ 295

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے فتویٰ دیا کہ:-

"اس کو اور اس کے اتباع کو امام بنانا حرام ہے"۔ 296

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے فتویٰ دیا کہ:-

"اس کے خلف نماز جائز نہیں"۔ 297

مولوی عبدالسمیع صاحب بدایونی نے فتویٰ دیا کہ:-

"کسی مرزائی کے پیچھے نماز ہر گز جائز نہیں۔ مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھنا ایسا ہے جیسا ہندوؤں اور یہود و نصاریٰ کے پیچھے۔ مرزائیوں کو نماز پڑھنے یا دیگر مذہبی احکام ادا کرنے کے لئے اہلِ سُنت والجماعت اور اہلِ اسلام اپنی مسجدوں میں ہر گز نہ آنے دیں"۔ **298**

مولوی عبدالرحمٰن صاحب بہاری نے فتویٰ دیا کہ:-

"اس کے اور اس کے متبعین کے پیچھے نماز محض باطل و مردود ہے ..... ان کی امامت ایسی ہے جیسے کسی یہودی کی امامت"۔ **299**

مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی لاہور نے فتویٰ دیا کہ:-

"اس کے اور اس کے مریدوں کے پیچھے اقتداء ہر گز درست نہیں"۔ **300**

مولوی عبدالجبار صاحب عمرپوری نے فتویٰ دیا کہ:-

"مرزا قادیانی اسلام سے خارج ہے ..... ہر گز امامت کے لائق نہیں"۔ **301**

مولوی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دیوبند نے فتویٰ دیا کہ:-

"جس شخص کا عقیدہ قادیانی ہے اس کو امامِ صلوٰۃ بنانا حرام ہے"۔ **302**

مشتاق احمد صاحب دہلوی نے فتویٰ دیا کہ:-

"مرزا اور اُس کے ہم عقیدہ لوگوں کو اچھا جاننے والا جماعتِ اسلام سے جُدا ہے۔ اور اس کو امام بنانا ناجائز ہے"۔ **303**

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے فتویٰ دیا کہ:-

"اس کے پیچھے نماز پڑھنے ..... کا حکم بعینہٖ وہی ہے جو مرتد کا

ہے "۔ 304

مولوی محمد کفایت اللہ صاحب شاہجہانپوری نے فتویٰ دیا کہ:-

"ان کے کافر ہونے میں شک و شُبہ نہیں اور ان کی بیعت حرام ہے اور امامت ہرگز جائز نہیں "۔ 305

جنازے کے متعلق ان حضرات کے فتوے یہ ہیں

مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی نے فتویٰ دیا کہ:-

"ایسے دجّال، کذّاب سے احتراز اختیار کریں..... نہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں "۔ 306

مولوی عبد الصمد صاحب غزنوی نے فتویٰ دیا کہ:-

"اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے "۔ 307

قاضی عبید اللہ بن صبغۃ اللہ صاحب مدراسی نے فتویٰ دیا کہ:-

"جس نے اس کی تابعداری کی وہ بھی کافر و مرتد ہے.....
اور مرتد بغیر توبہ کے مر گیا تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھنا "۔ 308

مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹونکی لاہور نے فتویٰ دیا کہ:-

"جس نے دیدہ و دانستہ مرزائی کے جنازہ کی نماز پڑھی ہے اُس کو اعلانیہ توبہ کرنی چاہئے اور مناسب ہے کہ وہ اپنا تجدیدِ نکاح کرے "۔ 309

پھر اس سے بھی بڑھ کر انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ اِن لوگوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں بھی دفن نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ مولوی عبد الصمد صاحب غزنوی نے فتویٰ دیا کہ ان کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن نہ کیا جائے۔ تا کہ:-

"اہلِ قبور اس سے ایذاء نہ پاویں "۔ 310

قاضی عبید اللہ صاحب مدراسی نے فتویٰ دیا کہ ان کو:-

"مقابرِ اہلِ اسلام میں دفن نہیں کرنا بلکہ بغیر غسل و کفن کے

کُتّے کی مانند گڑھے میں ڈال دینا"۔[311]

اِسی طرح اُنہوں نے یہ بھی فتوے دیئے کہ کسی مسلمان کے لئے احمدیوں کو لڑکیاں دینا جائز نہیں۔ چنانچہ "شرعی فیصلہ" لکھا گیا کہ:-

"جو شخص ثابت ہو کہ واقعی وہ قادیانی کا مُرید ہے۔ اُس سے رشتۂ مناکحت کا رکھنا ناجائز ہے"۔[312]

بلکہ اس سے بڑھ کر یہ فتویٰ دیا گیا کہ:-

"جو لوگ اس پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں"[313] اور اُن کے نکاح باقی نہیں رہے جو چاہے اُن کی عورتوں سے نکاح کرلے۔

گویا احمدیوں کی عورتوں سے جبراً نکاح کرلینا بھی علماء کے نزدیک عین اسلام تھا۔

اِسی طرح یہ فتویٰ دیا گیا کہ:-

"جس نے اُس کی تابعداری کی وہ بھی کافر و مرتد ہے اور شرعاً مرتد کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور اُس کی عورت حرام ہوتی ہے اور اپنی عورت کے ساتھ جو وطی کرے گا سو وہ زنا ہے اور ایسی حالت میں جو اولاد کہ پیدا ہوتے ہیں وہ ولد الزنا ہوں گے"۔[314]

احمدیوں کی طرف سے محض جوابی فتویٰ

ان فتوؤں سے ظاہر ہے کہ نماز پیچھے نہ پڑھنے اور نماز جنازہ نہ پڑھنے کے فتوے بھی پہلے انہیں لوگوں نے دیئے۔ ہم نے کئی سال کے صبر کے بعد یہ فتوے دیئے ہیں۔ باقی یہ ظاہر بات ہے کہ انسان نماز میں جس کو امام بناتا ہے اُس کے تقویٰ کی بناء پر ہی بناتا ہے۔ جب ہم بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو خدا کا بھیجا ہؤا مانتے ہیں تو اُن کو کافر قرار دینے اور ردّ کرنے والوں کو مُتقی کِس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ لڑکیاں دینے سے انسان اِس لئے رُکتا ہے کہ تمدن اور خیالات میں جب فرق ہوتا ہے تو ایسے معاملات میں بعض دفعہ سختی سے کام لیا جاتا ہے ورنہ یہ نہیں کہ شرعی طور پر دوسرے آدمی کو پلید سمجھا جاتا ہے۔ اگر نجاست کا سوال ہوتا تو پھر اہلِ کتاب کی لڑکیاں لینے کی کیوں اجازت دی جاتی۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "شادی کفو میں کرو"۔ 315

اِس لئے یہ بھی ایک کفو ہے کہ انسان ایک امام کو مانتا ہے اور دوسرا اُسے کافر کہتا ہے تو کفو تو آپ ہی بدل جاتا ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود ابو جہل کے خاندان کے مسلمان ہو جانے کے ابو جہل کی بیٹی لینے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منع فرمایا اور یہاں تک فرمادیا کہ خدا کے دُشمن اَور خدا کے رسول کی بیٹیاں ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ حالانکہ وہ لوگ مسلمان تھے"۔ 316

شادی کے لئے کفو کی شرط

پس شادی کے لئے صرف مسلمان ہونے کی شرط نہیں کفو کی بھی شرط ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ایم۔ اے لڑکی کو ایک جاہل مَرد سے نہیں بیاہتا تو اس کے یہ معنٰی تو نہیں ہوتے کہ وہ اسے خارج از مِلّت اسلامیہ سمجھتا ہے یا ایک امیر آدمی اپنی لڑکی ایک غریب سے نہیں بیاہتا تو اس کے یہ معنے کہاں ہوتے ہیں کہ وہ اُسے خارج از مِلّت اسلامیہ سمجھتا ہے۔ ہاں یہ سمجھتا ہے کہ کفو نہ ہونے کی وجہ سے دونوں کا میل آپس میں مناسب نہیں۔ اس سے نہ غیر قومّیت ثابت ہوتی ہے، نہ غیر مذہب ثابت ہوتا ہے صرف سوشل تعلقات کی دِقّت اِس کا باعث ہوتی ہے۔

سوال نمبر 6 شِقّ اوّل متعلق خوشامدِ انگریز وغیرہ

ششم۔ یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایک غیر مسلم حکومت کی اطاعت کی تعلیم دی ہے اور اس کی تائید میں جہاد کو منسوخ قرار دے دیا ہے اور اس کی خوشامد کی ہے۔

اس کے متعلق یاد رہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی پیدائش سکھوں کے زمانہ میں ہوئی تھی اور اُنہوں نے اپنے بچپن کے زمانہ میں سکھوں کے مظالم دیکھے تھے جو مسجدوں کو گراتے تھے اور مسجدوں کو گرا کر اصطبل بناتے تھے، مسلمان لڑکیوں کو اُٹھا کر لے جاتے تھے، مسلمانوں کے مال لوٹ لیتے تھے، اذان نہیں دینے دیتے تھے۔ اس کے بعد

انگریزی حکومت آئی اور اس نے ان سب مظالم کو ختم کر دیا۔ اُن کے اس نیک سلوک کو دیکھنے کے بعد اگر بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے ان کی تعریف کی اور اُن کا مذہب میں دست اندازی نہ کرنا پسند کیا تو یہ کون سی عجیب بات ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعونِ مصر کی نوکری کی تھی اور قرآن میں صاف آتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کو اس لئے نہیں روک سکتے تھے کہ قانونِ ملک اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ 317 گویا یوسف علیہ السلام قانونِ ملک کے پابند تھے اور پابند رہنا چاہتے تھے۔

اِسی طرح مسیح علیہ السلام کے متعلق انجیل میں لکھا ہے کہ جب کچھ لوگوں نے منصوبہ کر کے اُن سے سوال کیا کہ کیا قیصر کو ہمیں ٹیکس دینا چاہئے یا نہیں؟ تو اُنہوں نے کہا کہ تم مجھے ٹیکس کا سکّہ دکھاؤ اور اس کو دیکھ کر کہا کہ اس پر تو قیصر کی تصویر ہے۔ پس جو قیصر کا ہے قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے خدا کو دو۔ 318

خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حبشہ میں بھجوا دیا۔ ان لوگوں نے کئی سال تک اس حکومت کی اطاعت کی اور اس دوران میں جب حبشہ کے بادشاہ کو ایک دُشمن سے لڑائی پیش آئی تو مسلمانوں نے اُس سے درخواست کی کہ ہمیں بھی جنگ میں شامل ہونے دیا جائے کیونکہ ہم پر آپ کے احسانات ہیں اور اُنہوں نے اس کی کامیابی کے لئے دُعائیں کیں۔ 319

سیّد احمد صاحب بریلوی سے جب لوگوں نے پوچھا کہ آپ اتنی دُور سکھوں سے جہاد کرنے کیوں جاتے ہیں؟ انگریز جو اس مُلک پر حاکم ہیں کیا وہ اسلام کے منکر نہیں۔ پھر آپ یہیں جہاد کیوں نہیں شروع کر دیتے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ انگریز مذہب میں دخل اندازی نہیں کرتے اس لئے اُن سے جہاد جائز نہیں لیکن سِکھ چونکہ مذہب میں دخل اندازی کرتے ہیں اِس لئے مَیں اُن سے لڑتا ہوں۔ 320

پس اگر مرزا صاحب نے بھی انگریزوں کی تعریف کی اور اُن کی اطاعت کی تعلیم دی تو اس میں حرج کیا ہؤا۔ اُنہوں نے وہی کچھ کیا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے

کیا تھا، جو حضرت مسیح علیہ السلام نے کیا تھا، جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا تھا اور جو سیّد احمد صاحب بریلویؒ نے کیا تھا بلکہ وہی کچھ کیا جو ان علماء نے کیا تھا جو آج احمدیت پر اعتراض کر رہے ہیں۔ دیو بند کو مختلف ریاستوں سے مدد ملتی تھی۔ کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ لوگ انگریزوں کی تعریف نہ کرتے تو وہ ریاستیں ان کو مدد دیتیں؟ بے شک بعض بعض اوقات میں بعض مولویوں نے گورنمنٹ کی مخالفت بھی کی لیکن وہ مولوی بھی موجود ہیں جو گورنمنٹ کی تعریفیں کر کر کے مربعے وصول کیا کرتے تھے لیکن مرزا صاحب نے تو کبھی کوئی مربع نہیں لیا، نہ کوئی خطاب لیا۔ پس اگر آپ نے ایک ایسی حکومت کی وفاداری کی تعلیم دی جو مسلمانوں کو اُن کے مذہبی فرائض ادا کرنے سے نہیں روکتی تھی تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ اِس پالیسی کا مخالف اِسے غلط قرار دے سکتا ہے مگر نیت پر حملہ کرنے کا اسے کوئی حق نہیں۔

انگریزی حکومت کی اطاعت اور خوشامد کا الزام

اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسلامی تعلیم کی رُو سے تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ بغاوت اور فساد کے تمام طریقوں سے بکلّی مجتنب رہ کر امن پسند زندگی بسر کریں اور حکومتِ وقت کی اُس وقت تک کامل اطاعت کریں جب تک کہ وہ حکومت مذہب میں مداخلت نہ کرے۔ جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ صرف انگریزی حکومت کے بارے میں نہیں بلکہ ہر مُلک اور ہر حکومت کے بارے میں ہے۔ جماعت احمدیہ کے نزدیک اسلامی تعلیم یہی ہے۔ امنِ عالم کے قیام کے لئے اِس تعلیم کے سوا کوئی تعلیم نہیں جو قابلِ قبول ہو۔ اِسی اُصول کے ماتحت آج بھارت کے مسلمان ہندو حکومت کے ماتحت وفاداری سے زندگی بسر کر سکتے ہیں اور اسی اصول کے ماتحت چین، برما، سیلون، افریقہ، امریکہ، جاپان اور فرانس وغیرہ ممالک کے مسلمان اپنے اپنے ملکوں کی غیر اسلامی حکومتوں کے ماتحت وفادار شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور اِسی اصول کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں

صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کے ارشاد کے ماتحت حبشہ کی عیسائی حکومت کے زیر سایہ وفادار شہریوں کی حیثیت سے برسوں امن پسندانہ زندگی بسر کی۔ اُن مسلمان صحابہ میں حضرت عثمانؓ، حضرت جعفرؓ، (جو حضرت علیؓ کے بھائی تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رُقیہؓ، حضرت اُمّ المؤمنین اُمِ سلمہؓ، حضرت اسماء زوجہ حضرت جعفرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ جیسے جلیل القدر صحابہ اور صحابیات شامل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اِن صحابہؓ کو پانچویں سال نبوت میں ارشاد فرمایا:-

"تم ملکِ حبش میں چلے جاؤ تو بہتر ہے۔ کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور وہ صدق اور راستی کی سرزمین ہے"۔ **321**

غرض کہ ایسی حکومت کی اطاعت کرنا جو مذہبی آزادی میں مداخلت نہ کرتی ہو مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے۔

اندریں حالات اِسی اصول کے ماتحت مسلمانانِ ہند کا بھی یہی مذہبی فرض تھا کہ وہ حکومتِ انگریزی کی اطاعت کرتے۔ جب تک کہ وہ حکومت اُن کے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں مزاحم نہ ہوتی۔ پس جماعت احمدیہ نے اگر اِس اسلامی تعلیم پر عمل کیا تو یہ کیونکر محلِّ اعتراض ٹھہر سکتا ہے؟

ایک سوال

لیکن یہاں پر ایک ضروری سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ انگریزی حکومت کی اطاعت تو مسلمانانِ ہند نے بھی کی جن میں مجلسِ عمل کے ارکان بھی شامل تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اُن کا یہ عمل اُن کے نزدیک اسلامی تعلیم کے مطابق تھا یا مخالف؟ اگر اسلامی تعلیم کے مخالف تھا تو پھر ماننا پڑے گا کہ اُن کی زندگی انگریزی حکومت کے صد سالہ دَور میں منافقانہ زندگی تھی اور اگر اسلامی تعلیم کے مطابق تھا اور یہی درست ہے تو پھر جماعتِ احمدیہ پر اعتراض بے معنٰی ہے۔

بطور اعتراض پیش کردہ عبارتیں

اِس سلسلہ میں تبلیغِ رسالت جلد 7 صفحہ 7 اور ضمیمہ کتاب البریّہ صفحہ 9

اور تبلیغِ رسالت جلد 7 صفحہ 17 کے حوالے سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے انگریزوں کی تعریف کی ہے۔

"خود کاشتہ پودا کا جواب"

سب سے پہلے تبلیغِ رسالت جلد 7 صفحہ 19 کے حوالہ سے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی عبارت پیش کی گئی ہے جس میں "خود کاشتہ پودا" کا فقرہ استعمال ہؤا ہے۔ چونکہ یہ حوالہ مجلسِ عمل کی طرف سے عدالت میں پیش کرنے کے علاوہ بکثرت شائع بھی کیا گیا ہے اور ہر جلسہ میں اِسے پیش کر کے بہ شدّو مد یہ الزام لگایا گیا ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کا "خود کاشتہ پودا" ہے اور اُنہوں نے مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ انگریزوں کے ایماء پر کیا تھا۔ چونکہ یہ پروپیگنڈا بہت وسیع پیمانہ پر کیا گیا ہے اِس لئے ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ اس موقع پر اِس کا کسی قدر تفصیلی جواب عرض کریں۔

نقلِ عبارت میں تحریف

سب سے پہلی بات جس کی طرف ہم معزّز عدالت کو توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اِس عبارت کو پیش کرنے میں ذمہ داری سے کام نہیں لیا گیا اَور اصل عبارت کے ابتدائی الفاظ جن سے حقیقتِ حال پر روشنی پڑتی تھی حذف کر دیئے گئے ہیں۔ اصل عبارت یوں ہے:-

"مجھے متواتر اِس بات کی خبر ملی ہے کہ بعض حاسد بد اندیش جو بوجہ اختلافِ عقیدہ یا کسی اور وجہ سے مجھ سے بُغض اور عداوت رکھتے ہیں یا جو میرے دوستوں کے دُشمن ہیں۔ میری نسبت اور میرے دوستوں کی نسبت خلافِ واقعہ اُمور گورنمنٹ کے معزّز حُکام تک پہنچاتے ہیں اس لئے اندیشہ ہے کہ ان کی ہر روز کی مفتریانہ کارروائیوں سے گورنمنٹ عالیہ کے دل میں بد گمانی پیدا ہو کر وہ تمام جانفشانیاں پچاس سالہ میرے والد مرحوم مرزا غلام مرتضیٰ اور

میرے حقیقی بھائی مرزا غلام قادر مرحوم کی جن کا تذکرہ سرکاری چٹھیات اور سر لیپل گریفن کی کتاب "تاریخ رئیسانِ پنجاب" میں ہے اور نیز میری قلم کی وہ خدمات جو میری اٹھارہ سال کی تالیفات سے ظاہر ہیں سب کی سب ضائع اور برباد نہ جائیں اور خدانخواستہ سرکار انگریزی اپنے ایک قدیم وفادار اور خیر خواہ خاندان کی نسبت کوئی تکدّرِ خاطر اپنے دل میں پیدا کرے۔ اِس بات کا علاج تو غیر ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کا مُنہ بند کیا جائے کہ جو اختلافِ مذہبی کی وجہ سے یا نفسانی حسد اور بُغض اور کسی ذاتی غرض کے سبب سے جھوٹی مخبری پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولتمدار....."[322]

اِس کے آگے وہ عبارت شروع ہوتی ہے جو عدالت میں پڑھ کر سُنائی گئی ہے۔

اِس عبارت سے مندرجہ ذیل اُمور مستنبط ہوتے ہیں:-

(الف) بعض دُشمنوں نے جن میں بعض حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے ذاتی اور خاندانی دُشمن بھی تھے انگریزی حکومت میں یہ مخبری کی کہ آپ گورنمنٹ کے باغی ہیں۔

(ب) آپ کو یہ خطرہ لاحق ہؤا کہ اِن جھوٹی مخبریوں کو گورنمنٹ انگریزی بھی درست تسلیم کرکے سچ مچ آپ کو باغی نہ سمجھ لے۔

(ج) چونکہ یہ الزام محض جھوٹا اور بے بنیاد تھا۔ اِس لئے آپ نے اِس کی پُر زور الفاظ میں تردید فرمائی اور اپنے خاندان کی حکومت انگریزی سے وفاداری کا ثبوت پیش کیا۔

(د) "خود کاشتہ پودا" کے الفاظ آپ نے اپنی جماعت کی نسبت نہیں بلکہ اپنے خاندان کی نسبت استعمال فرمائے۔

علاوہ ازیں اشتہار جس کی عبارت کانٹ چھانٹ کر پیش کی گئی ہے۔ مندرجہ ذیل الفاظ سے شروع ہوتا ہے:-

"بسا اوقات ایسے نئے فرقہ کے دُشمن اور خود غرض جن کی

عداوت اور مخالفت ہر ایک نئے فرقہ کے لئے ضروری ہے۔ گورنمنٹ میں خلاف واقعہ خبریں پہنچاتے ہیں اور مفتریانہ مخبریوں سے گورنمنٹ کو پریشانی میں ڈالتے ہیں۔ پس چونکہ گورنمنٹ عالم الغیب نہیں ہے اِس لئے ممکن ہے کہ گورنمنٹ عالیہ ایسی مخبریوں کی کثرت کی وجہ سے کسی قدر بدظنی پیدا کرے یا بدظنی کی طرف مائل ہو جائے۔ لہٰذا گورنمنٹ عالیہ کی اطلاع کے لئے چند ضروری اُمور ذیل میں لکھتا ہوں"۔ 323

پس اِن اقتباسات سے مندرجہ بالا چاروں اُمور ..... ثابت ہیں۔ اب معزز عدالت یہ خیال فرما سکتی ہے کہ اگر گورنمنٹ انگریزی نے خود ہی حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کو ایک سازش کی بناء پر دعویٰ کرنے کے لئے کھڑا کیا تھا اور آپ گورنمنٹ کے ایک کارکن یا ملازم کی حیثیت سے یہ کام سرانجام دے رہے تھے تو پھر آپ کو اس قسم کی مفتریانہ مخبریوں کی تردید کے لئے یہ اشتہارات شائع کرنے اور اس اشتہار کے ذریعہ سے گورنمنٹ کے سامنے اپنی بریّت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ عبارت جہاں سے نقل کی گئی ہے وہ کوئی خفیہ دستاویز نہیں جو مجلس عمل یا احرار کے ہاتھ لگ گئی ہے بلکہ یہ ایک شائع شُدہ مطبوعہ اشتہار ہے جو حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ نے خود شائع کر کے پبلک میں تقسیم کیا تھا۔ پھر اِس عبارت میں جماعتِ احمدیہ کی بجائے "خاندان" کا لفظ ہے اور صرف جماعتی دُشمنوں کا ہی نہیں بلکہ ذاتی اور خاندانی دُشمنوں کی مخبریوں کا بھی ذکر ہے۔ پس آپ نے جماعت احمدیہ یا اپنے دعاوی کو سرکار کا "خود کاشتہ پودا" قرار نہیں دیا بلکہ یہ لفظ اپنے خاندان کی گزشتہ خدمات کے متعلق استعمال فرمایا۔ ورنہ اپنے دعاوی کی نسبت تو آپ نے اِسی اشتہار میں صفحہ 10 سطر 6 پر تحریر فرمایا ہے کہ آپ کا یہ دعویٰ خدا کے حکم اور اُس کی وحی کی بناء پر ہے۔

خاندان کی نسبت اِس لفظ کے استعمال کی وجہ

جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا ہے اِس اشتہار میں ''خود کاشتہ پودا'' کے الفاظ آپ نے اپنے خاندان کی نسبت استعمال فرمائے ہیں۔ اِن الفاظ کے استعمال کی اصل وجہ بھی اِسی اشتہار میں بدیں الفاظ بیان کی گئی ہے:-

''ہمارا خاندان سکھّوں کے ایّام میں ایک سخت عذاب میں تھا اور نہ صرف یہی تھا کہ اُنہوں نے ظلم سے ہماری ریاست کو تباہ کیا اور ہمارے صدہا دیہات اپنے قبضہ میں کئے بلکہ ہماری اور تمام پنجاب کے مسلمانوں کی دینی آزادی کو بھی روک دیا۔ ایک مسلمان کو بانگ نماز پر بھی مارے جانے کا اندیشہ تھا۔ چہ جائیکہ اور رسُومِ عبادت آزادی سے بجالاسکتے۔ پس یہ اِس گورنمنٹ محسنہ کا ہی احسان تھا کہ ہم نے اِس جلتے ہوئے تنور سے خلاصی پائی''۔ **324**

اِس عبارت میں آپ نے سکھّوں کے دَورِ حکومت میں اپنے خاندان کی تباہ شُدہ جاگیر اَور پھر انگریزی دَور میں اِس کے ایک قلیل حصّہ کی واگزاری کی طرف اشارہ کیا ہے نہ کہ جماعت احمدیہ کی طرف۔ آپ کے خاندان کی بہت بڑی جاگیر کی واپسی حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے والد صاحب کی زندگی میں ہوئی تھی۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اِس کا ذکر بطور حُسنِ بیان کے کیا ہے ورنہ درحقیقت یہ حکومت کا کوئی قابلِ ذکر احسان ہر گز نہ تھا۔

کتاب البریہ کی عبارت

دوسری عبارت کتاب البریہ سے پیش کی گئی ہے۔ اِس کے جواب میں بھی یہی گزارش ہے کہ یہ عبارت بھی حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بطور مدح کے تحریر نہیں فرمائی بلکہ بطور ذبّ یعنی بغرض رفعِ التباس اِس الزام کی تردید کے لئے تحریر فرمائی ہے کہ آپ درپردہ انگریزی حکومت کے دُشمن اور اُس کے باغی ہیں۔ جیسا کہ کتاب البریہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے:-

”یہ بھی ذکر کے لائق ہے کہ ڈاکٹر کلارک صاحب نے اپنے بیان میں کہیں اشارۃً اور کہیں صراحتاً میری نسبت بیان کیا ہے کہ گویا میرا وجود گورنمنٹ کے لئے خطرناک ہے“۔325

پادری مارٹن کلارک نے جو ایک بہت بڑا عیسائی پادری تھا اور انگریز حکام اُس کی عزت کرتے تھے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر اقدامِ قتل کا ایک جھوٹا استغاثہ دائر کیا تھا۔ اِس مقدمہ کے دَوران میں اُس نے بطور مستغیث عدالت میں جو بیان دیا اُس میں یہ کہا تھا کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ انگریزوں کا باغی ہے اور اُس کا وجود انگریزوں کے لئے خطرناک ہے۔ آپ نے اِس الزام کی تردید کتاب البریّہ کی اس عبارت میں فرمائی ہے جس کا بطور اعتراض حوالہ دیا گیا ہے۔

تریاق القلوب کی عبارت

اِسی طرح تریاق القلوب صفحہ 15 کے حوالہ سے جو عبارت پیش کی گئی ہے اُس میں بھی تحریف کی گئی ہے اور وہ سیاق سباق سے الگ کرکے پیش کی گئی ہے۔ پیش کردہ عبارت سے معاً پہلے یہ الفاظ ہیں جو حذف کر دئے گئے ہیں:-

”تم میں سے جو ملازمت پیشہ ہیں وہ اِس کوشش میں ہیں کہ مجھے اِس محسن سلطنت کا باغی ٹھہراویں۔ مَیں سُنتا ہوں کہ ہمیشہ خلافِ واقعہ خبریں میری نسبت پہنچانے کے لئے ہر طرف سے کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ آپ لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ مَیں باغیانہ طریق کا آدمی نہیں ہوں“۔326

اِس کے آگے وہ عبارت شروع ہوتی ہے جو بطور اعتراض پیش کی گئی ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ یہ عبارت بھی انگریزی حکومت کی مدح کے طور پر نہیں لکھی گئی بلکہ محض بطور ذبّ یعنی بغرض رفعِ التباس اِس الزام کی تردید کے لئے لکھی گئی ہے کہ آپ گورنمنٹ کے باغی ہیں۔

مدح اور ذبّ میں فرق

اُوپر عرض کیا گیا ہے کہ تعریفی الفاظ بطور مدح نہ تھے بلکہ بطور "ذبّ" یعنی بغرض رفعِ الزام تھے۔

اِس کی مثال قرآن مجید میں موجود ہے قرآن مجید میں حضرت مریم کی عفّت اور عصمت بار بار اور زور دار الفاظ میں بیان کی گئی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عفّت اور عصمت کا قرآنِ مجید میں کہیں ذِکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ اپنی عفّت اور عصمت کے لحاظ سے کسی رنگ میں بھی کم نہیں ہیں بلکہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ تو اپنے مدارجِ عظمت کے لحاظ سے حضرت مریم سے افضل ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سَیِّدَۃُ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ[327] سے ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں حضرت مریم کی پاکیزگی اور عفّت و عصمت کا بار بار زور دار الفاظ میں ذکر ہونا اور اُن کے مقابل پر حضرت فاطمۃ الزہراء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا قرآن مجید میں ذکر نہ ہونا ہر گز ہر گز اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت مریم کو اُن پر کوئی فضیلت حاصل تھی کیونکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ حضرت مریم پر زنا اور بدکاری کی تہمت لگائی گئی تھی۔ اس لئے اُن کی بریّت اور رفع الزام کے لئے بطور "ذبّ" اُن کی تعریف کی ضرورت تھی مگر چونکہ حضرت فاطمۃ الزَہراء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ پر ایسا کوئی الزام نہ تھا اس لئے باوجود اُن کی عظمت و شان کے اُن کی تعریف و توصیف کی ضرورت نہ تھی۔ بعینہٖ اِسی طرح چونکہ حضرت مرزا صاحب پر آپ کے مخالفین کی طرف سے حکومت کا باغی ہونے اور اس کے خلاف تلوار کی لڑائی کی خفیہ تیاریوں میں مصروف ہونے کا جھوٹا الزام لگایا گیا تھا اس لئے ضروری تھا کہ اظہارِ حقیقت کے لئے زور دار الفاظ میں الزامات کی تردید کی جاتی۔

پس منظر

پھر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی ان تحریرات پر غور کرنے کے لئے اِس پس منظر کو بھی مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے جس میں یہ عبارتیں لکھی گئیں۔

حضرت مرزا صاحب کی پیدائش کے قریب زمانہ میں اور آپ کے دعویٰ سے قریباً

چالیس سال قبل حکومت انگریزی کا تسلّط پنجاب پر ہو چُکا تھا۔ اس سے پہلے پنجاب پر سکّھوں کی حکومت تھی جن سے انگریزوں نے قبضہ حاصل کیا تھا۔ سِکھ دَور کے جبر واستبداد اور وحشیانہ مظالم کی داستان حد درجہ المناک ہے۔ مسلمانوں کو اُس زمانہ میں انتہائی صبر آزما حالات میں سے گزرنا پڑا۔ اُنہیں جبراً مُرتد بنایا گیا، اذانیں حکماً ممنوع قرار دی گئیں، مسجدیں اصطبل بنالی گئیں، مسلمان عورتوں کی عصمت دری، مسلمانوں کا قتل اور لُوٹ مار سکّھوں کا روز مرہ کا مشغلہ تھا۔ یہ تو پنجاب کی حالت تھی۔ ہندوستان میں 1857ء کے سانحہ عظیم کے بعد کا زمانہ مسلمانوں کے لئے ابتلاء اور مصیبت کا زمانہ تھا۔ وہ تحریک ہندوؤں کی اُٹھائی ہوئی تھی لیکن اِس کو "جنگ آزادی" کا نام دیا گیا اور یہ اثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس میں ہندوستانی مسلمان مِن حیث القوم پس پردہ شامل ہیں۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد انگریزوں نے زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی۔ اِس لئے نئی حکومت کے دِل میں متقدم حکومت کے ہم مذہب لوگوں کے بارہ میں شکوک و شُبہات کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا۔ اس پر 1857ء کا سانحہ مستزاد تھا۔ دوسری طرف ہندو قوم تھی جو تعلیم و تربیت، صنعت و حرفت، سیاست و اقتصاد غرضیکہ ہر شُعبہ میں مسلمانوں کے بالمقابل ترقی یافتہ تھی۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کا معاشرتی بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ وہ مسلمانوں کے سیاسی زوال سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کے منصوبے سوچ رہے تھے۔ یہ دَور ہندوستانی مسلمانوں کے لئے نازک ترین دَور تھا۔ پس ایک طرف ہندو قوم کی ریشہ دوانیاں، مسلمانوں کا اقتصادی بائیکاٹ، مسلمانوں پر ان کا علمی، سیاسی اور اقتصادی تفوق اور اُن کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کے منصوبے تھے اور دوسری طرف سکّھوں کے جبر واستبداد اور وحشیانہ مظالم کے لرزہ خیز واقعات۔

اِن حالات میں انگریزی دَورِ حکومت شروع ہوُا۔ انگریزوں نے اپنی حکومت کی ابتداء اِس اعلان سے کی کہ رعایا کے مذہبی معاملات میں نہ صرف حکومت خود مداخلت نہیں کرے گی بلکہ دُوسری قوموں کی طرف بھی ایک دوسرے کے

مذہبی معاملات میں مداخلت برداشت نہیں کی جائے گی۔ ایسے قوانین بنا دئے گئے جن کے نتیجہ میں رعایا کے باہمی تنازعات کا فیصلہ عدل و انصاف سے ہونے لگا۔ ہندوؤں اور سکّھوں کی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں کے آگے حکومت حائل ہو گئی۔ بالخصوص پنجابی مسلمانوں کو سکّھوں کے اس جبر و استبداد سے اس طرح نجات مل گئی کہ گویا وہ ایک دہکتے ہوئے تنور سے یکدم باہر نکل آئے۔

قرآن مجید کی واضح ہدایت

ایک طرف دو مشرک قومیں (ہندو اور سکھ) مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھیں تو دوسری طرف ایک عیسائی حکومت تھی جس کے ساتھ تعاون یا عدمِ تعاون کا مسلمانوں کو فیصلہ کرنا تھا۔ اِن حالات میں مسلمانوں کے لئے قرآن مجید کی اِس تعلیم پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۔[328] یقیناً یقیناً تُو دیکھے گا کہ مسلمانوں کے بدترین دُشمن یہودی اور مُشرک ہیں اور یقیناً یقیناً تو دیکھے گا کہ دوستی اور محبت کے لحاظ سے سب سے زیادہ مسلمانوں کے قریب عیسائی کہلوانے والے ہیں۔

اِس واضح حکم میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ یہود یا ہنود اگر ایک طرف ہوں اور دوسری طرف عیسائی ہوں تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی دوستی اور مودّۃ کا ہاتھ عیسائیوں کی طرف بڑھائیں۔ چنانچہ عملاً مسلمانوں نے یہی کیا اور ہمیں یقین ہے کہ اگر یہ قرآنی تعلیم مشعلِ راہ نہ بھی ہوتی تو بھی مسلمانوں کا مفاد اِسی میں تھا اور حالات کا اقتضاء یہی تھا کہ وہ ہندوؤں اور سکّھوں کے مقابلہ میں انگریزوں کے ساتھ تعاون کرتے اور انگریزوں کی مذہبی رواداری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہندوؤں کے تباہ کن منصوبوں سے محفوظ رہ کر پُر امن تبلیغی مساعی کے ذریعہ سے اپنی تعداد کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہتے۔ بعد کے حالات کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انگریزی عملداری کے ابتداء میں مسلمانوں کی تعداد ہندو پاکستان میں ایک کروڑ کے قریب تھی لیکن انگریزوں کے انخلاء 1947ء کے وقت مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ تھی۔

گویا تین صدیوں کی اسلامی حکومت کے دَوران میں جس قدر مسلمانوں کی تعداد تھی صرف ایک صدی سے بھی کم زمانہ میں اس سے دس گنا بڑھ گئی۔ چنانچہ سر سیّد احمد خان، مولانا شبلی نعمانی، نواب محسن الملک بہادر، نواب وقار الملک بہادر، نواب صدیق حسن خان اور دوسری عظیم شخصیتوں نے دَورِ اوّل میں اور قائدِ اعظم محمد علی جناح نے دَورِ آخر میں ہندوؤں کی غلامی پر انگریزوں کے تعاون کو ترجیح دی اور مندرجہ بالا قرآنی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے انگریزوں کی طرف دستِ تعاون بڑھایا۔ سر سیّد مرحوم نے انگریزی حکومت کو مسلمانوں کی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے متعدد کتب و رسائل تصنیف کئے۔ مسلمانوں کی مغربی تعلیم میں ترقی کے لئے شبانہ روز کوششیں کیں جن کا نمونہ علی گڑھ یونیورسٹی کی صورت میں موجود ہے۔ چنانچہ احمدیت کا شدید ترین معاند اخبار ''زمیندار'' لاہور کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا ہے:-

''ان دنوں سیاست کا تقاضا یہی تھا کہ انگریز کی حمایت کی جاتی''۔ 329

مہدی سُوڈانی

پھر یہ بات مدِّ نظر رکھنی ضروری ہے کہ مہدی سوڈانی کی تحریک 1879ء اور اس کے برطانوی حکومت کے ساتھ تصادم کے باعث انگریزی قوم کے دل و دماغ پر یہ چیز گہرے طور پر نقش ہو چکی تھی کہ ہر مہدویت کے علم بردار کے لئے ضروری ہے کہ وہ تیغ و سنان ہاتھ میں لے کر غیر مسلموں کو قتل کرے۔

(ت) حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے سامنے کوئی اسلامی حکومت نہ تھی۔ پاکستان کا آئیڈیا (Idea) بھی اس وقت تک پیدا نہیں ہوا تھا۔ اگر انگریز اُس وقت چلا جاتا تو اُس کی جگہ وہی حکومت قائم ہوتی جو آج ہندوستان میں قائم ہے۔ پاکستان کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔ کیا بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا یہی جُرم ہے کہ وہ اس قسم کی حکومت کے مقابلہ میں انگریزی حکومت کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ تو مستقبل کا حال تھا اور ماضی قریب کا حال یہ تھا کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے مُلک میں سکھّوں کی حکومت تھی جنہوں نے مسجدوں کے اصطبل

بنا دئے تھے۔ جو زبر دستی مسلمان لڑکیوں کو چھین لے جاتے تھے، جنہوں نے اذان کو جُرم قرار دے رکھا تھا، جن کی ساری حکومت میں تین چار مسلمان ملازم تھے، جن کے حالاتِ مظالم کو معلوم کر کے حضرت سیّد احمدؒ بریلوی جیسے بے سر وسامان بزرگ جہاد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اپنے لڑکپن میں ان دِل خراش واقعات کو سُننے اور دیکھنے والا شخص اگر انگریزی حکومت کو خدا کی رحمت نہ قرار دیتا تو کیا کہتا۔ کیا کوئی عقلمند انسان ایسا ہو سکتا ہے جو اِن حالات میں پلنے کے بعد انگریزی حکومت کے طرزِ عمل کی تعریف نہ کرتا اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جو رائے گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری کے متعلق ظاہر کی ہے وہ ظاہر نہ کرتا۔ ہم اِس کی تائید میں معزّز عدالت کے سامنے غیر احمدی عالموں اور لیڈروں کے چند اقوال پیش کرتے ہیں۔

گورنمنٹ برطانیہ سے وفاداری کے متعلق غیر احمدی علماء اور لیڈروں کے اقوال

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو سردارِ اہلِ حدیث کہلاتے ہیں۔ اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر 10 جلد 6 صفحہ 287 میں لکھتے ہیں:-

"مسلمان رعایا کو اپنے گورنمنٹ سے (خواہ وہ کسی مذہب یہودی عیسائی وغیرہ پر ہو اور اس کے امن و عہد میں وہ آزادی کے ساتھ شعائر مذہبی ادا کرتی ہو) لڑنا یا اس سے لڑنے والوں کی جان ومال سے اعانت کرنا جائز نہیں ہے۔ وَبِنَاءً عَلَیہِ اہلِ اسلام ہندوستان کے لئے گورنمنٹ انگریزی کی مخالفت وبغاوت حرام ہے"۔

اور لکھتے ہیں:-

"مولانا سیّد محمد نذیر حسین صاحب محدّث دہلوی نے اصل معنے جہاد کے لحاظ سے بغاوت 1857ء کو شرعی جہاد نہیں سمجھا بلکہ اس کو بے ایمانی و عہد شکنی و فساد و عناد خیال کر کے اس میں شمولیت اور اس کی معاونت کو معصیت قرار دیا"۔ **330**

پھر لکھتے ہیں:-

"سلطان (روم) ایک اسلامی بادشاہ لیکن امنِ عام و حُسنِ انتظام کی نظر سے (مذہب سے قطع نظر) برٹش گورنمنٹ بھی ہم مسلمانوں کے لئے کچھ کم فخر کا موٴجب نہیں ہے اور خاص کر گروہِ اہلِ حدیث کے لئے تو یہ سلطنت بلحاظ امن و آزادی اس وقت کی تمام اسلامی سلطنتوں (روم، ایران، خراسان) سے بڑھ کر فخر کا محل ہے"۔ **331**

اور لکھتے ہیں:-

"اِس امن و آزادیٔ عام و حسنِ انتظام برٹش گورنمنٹ کی نظر سے اہلِ حدیث ہند اس سلطنت کو از بس غنیمت سمجھتے ہیں اور اس سلطنت کی رعایا ہونے کو اسلامی سلطنتوں کی رعایا ہونے سے بہتر جانتے ہیں اور جہاں کہیں وہ رہیں یا جائیں (عرب میں، خواہ روم میں، خواہ اور کہیں) کسی اور ریاست کا محکوم و رعایا ہونا نہیں چاہتے"۔ **332**

اسی طرح سر سیّد احمد خان نے بھی اپنی کتاب رسالہ "اسبابِ بغاوتِ ہند" برٹش گورنمنٹ کی وفاداری کی تلقین کی ہے اور اِس کے خلاف کھڑے ہونے کو "بغاوت" قرار دیا ہے اور حضرت سیّد احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اِس انگریزی آزاد عملداری کو اپنی عملداری خیال کرتے تھے کیونکہ اس میں حکومتِ برطانیہ نے پوری مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔

مولانا محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں:-

"سیّد صاحب (حضرت سیّد احمد رائے بریلوی) کا سرکارِ انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا اور وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے"۔ **333**

مولانا ظفر علی خان صاحب کا ارشاد

مولانا ظفر علی خاں ہندوستان کو دار الاسلام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"مسلمان ایک لمحہ کے لئے بھی ایسی حکومت سے بدظن ہونے کا خیال نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی بد بخت مسلمان گورنمنٹ سے سرکشی کی جرأت کرے تو ہم ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ وہ مسلمان مسلمان نہیں"۔ 334

پھر لکھتے ہیں:-

"زمیندار اور اس کے ناظرین گورنمنٹ برطانیہ کو سایۂ خدا سمجھتے ہیں اور اس کی عنایتِ شاہانہ و انصافِ خسروانہ کو اپنی دلی ارادت، قلبی عقیدت کا کفیل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہ عالم پناہ کی پیشانی کے ایک قطرے کی بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کے لئے تیار ہیں اور یہی حالتِ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے"۔ 335

اِس قسم کے اتنے حوالے موجود ہیں جو کئی جلدوں میں بھی نہیں سما سکتے۔ ان میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ کسی الزام و اتہام کو دُور کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ صرف انگریزی حکومت کے طریقۂ عمل کی پسندیدگی کی وجہ سے ہے۔

اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو گورنمنٹ انگریزی کے بارہ میں جو بار بار لکھنا پڑا وہ بمقابلۂ سکھ حکومت کے انگریزی حکومت کی بہتری کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ مسلمان مولوی اور دوسرے مذاہب والے خصوصاً عیسائی پادری آپ کے خلاف گورنمنٹ انگریزی میں جھوٹی شکایتیں کرتے رہتے تھے کہ آپ بباطن گورنمنٹ انگریزی کے دُشمن ہیں اور موقع پا کر اُس کے خلاف جنگ کا اعلان کریں گے۔

اور گورنمنٹ انگریزی بھی آپ کو اس وجہ سے شُبہ کی نظر سے دیکھتی تھی کہ آپ کا دعویٰ مسیحِ موعود اور مہدی موعود ہونے کا تھا اور انگریزی حکومت اِس قسم کے دعوے کی وجہ سے ان کی شکایت کو توجہ کی نظر سے دیکھتی تھی کیونکہ قریب ہی کے زمانہ

میں مہدی سوڈانی کے دعویٰ نے جو جنگ کی حالت پیدا کر دی تھی وہ انگریزوں کو بھُولی نہیں تھی اور اِس وجہ سے بھی کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جب مہدی موعود آئے گا تو ہندوستان کے بادشاہوں سے جنگ کرے گا اور وہ اُس کے سامنے بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پیش کئے جائیں گے اور اِسی طرح وہ مسیح موعود کے متعلق یہ خیال بھی کرتے تھے کہ مسیح موعود اہلِ کتاب سے جزیہ قبول نہیں کرے گا بلکہ صرف اسلام قبول کرے گا اور جو اسلام نہیں قبول کرے گا اُسے قتل کر دے گا۔ مسلمانوں کے یہ عقائد اقتراب الساعۃ ، حجج الکرامہ مؤلفہ نواب صدیق حسن خان میں موجود ہیں۔ اِس لئے ضروری تھا کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ ان عقائد کی تردید کرتے اور انگریزی گورنمنٹ کو یقین دلاتے کہ آپ کے خلاف مولویوں کی جو شکایات حکومت کو پہنچائی جاتی ہیں وہ غلط ہیں اور میرے نزدیک ایسی حکومت کی جس نے مذہبی آزادی دے رکھی ہو اور جو مذہبِ اسلام کے قبول کرنے سے نہ روکتی ہو، اطاعت کرنا ضروری ہے۔ ایسی شکایات کا ذکر فرماتے ہوئے آپ اپنی کتاب ''انجام آتھم'' میں مولویوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

''بعض ان کے اپنی بدگوہری کی وجہ سے گورنمنٹ انگریزی میں جھوٹی شکائتیں میری نسبت لکھتے رہے اور اپنی عداوت باطنی کو چھپا کر مخبروں کے لباس میں نیش زنی کرتے رہے اور کر رہے ہیں..... یہ نادان نہیں جانتے کہ کوئی بات زمین پر نہیں ہو سکتی جب تک کہ آسمان پر نہ ہو جائے اور گورنمنٹ انگریزی میں یہ کوشش کرنا کہ گویا میں مخفی طور پر گورنمنٹ کا بدخواہ ہوں یہ نہایت سفلہ پن کی عداوت ہے''۔ 336

نیز اپنی کتاب ''نور الحق'' مطبوعہ 1893ء میں پادریوں کا ذکر کرتے ہوئے خصوصاً پادری عماد الدین کا جس نے اپنی کتاب توزین الاقوال میں حکومت کو آپ کے خلاف اکسایا تھا۔ لکھا:-

''اس میں ایک خالص افترا کے طور پر میرے بعض حالات لکھے ہیں اور بیان کیا ہے کہ یہ شخص ایک مفسد آدمی اور گورنمنٹ کا دُشمن ہے

اور مجھے اِس کے طریق چال چلن میں بغاوت کی نشانیاں دکھائی دیتی ہیں
اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایسے ایسے کام کرے گا اور مخالفوں میں
سے ہے"۔ 337

پس حکومت سے مخالفین کی یہ شکایتیں اِس امر کا مؤجب ہوئیں کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ ان کو ردّ کریں اور انگریزی حکومت کا مذہبی آزادی دینے کی وجہ سے بار بار شکریہ ادا کریں۔

سوال نمبر 6 شِق دوئم متعلق مسئلۂ جہاد

اِس کے بعد ہم جہاد کے مسئلہ کو لیتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اِس رنگ میں پیش کیا جاتا ہے کہ گویا بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے انگریزوں کو خوش کرنے یا اُن کی مدد کے لئے اِس کو پیش کیا تھا۔

سو اِس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے دعویٰ کیا تھا اُس وقت جہاد کا مسئلہ صرف انگریزوں کے لئے ہی مفید نہیں تھا بلکہ فرانس، سپین، روس اور جرمنی کے لئے بھی مفید تھا جن کے ماتحت بہت سے اسلامی علاقے تھے۔ اُس وقت انگریزوں اور اُن قوموں کا آپس میں اختلاف تھا۔ پس یہ بات عقل میں نہیں آسکتی کہ انگریز کسی شخص سے ایسی بات کہلواتے جو صرف اُن کو فائدہ نہ پہنچاتی ہو بلکہ اُن کے دُشمنوں کو بھی فائدہ پہنچاتی ہو۔

اگر انہیں اپنی تائید کروانی ہوتی تو وہ محض اس رنگ میں ہونی چاہئے تھی کہ انگریزوں کے ہمارے مُلک پر بڑے احسانات ہیں اِس لئے انگریزوں سے جہاد نہیں کرنا چاہئے لیکن حضرت مرزا صاحب نے تو اپنی کتابوں میں اِس بات پر زور دیا ہے کہ چونکہ ساری دُنیا میں اب مذہب کے لئے جنگیں نہیں کی جاتیں جس طرح کہ پہلے کی جاتی تھیں اس لئے اس زمانہ میں جہاد جائز نہیں اور انگریز یہ بات کبھی کہلوا ہی نہیں سکتے تھے۔ اُن کا فائدہ تو اِس بات میں تھا کہ روسیوں یا جرمنوں یا فرانسیسیوں یا سپینش سے تو جہاد جائز ہوتا لیکن اُن سے جہاد جائز نہ ہوتا۔

جہاد کی حقیقت

اِس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے جہاد کی حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہ بات ہر شخص پر ظاہر ہے کہ چودہ سال تک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے قِسم قِسم کے ظلم سہے لیکن پھر بھی مخالفوں کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا۔ اِسی دَوران میں تیرہ سال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کرنی پڑی لیکن مدینہ جانے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا نہیں چھوڑا گیا اور مدینہ کے اِرد گرد حملے کر کے لوگوں پر زور ڈالا گیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقاطعہ کریں اور آپ سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں۔ تب کہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے دفاع کی اجازت دی گئی اور لڑائی کا حکم اِن الفاظ میں نازل ہؤا: اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ۔ اِلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ 338 یعنی اُن لوگوں کو جن پر حملہ کیا جاتا ہے حملہ کا جواب دینے کی اِس لئے اجازت دی جاتی ہے کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے اور یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی مدد پر قادر ہے۔ یہ لوگ جن کو اجازت دی گئی ہے وہ ہیں جو اپنے گھروں سے بغیر کسی قصور کے نکالے گئے۔ اُن کا قصور صرف اِتنا تھا کہ وہ کہتے تھے اللہ ہمارا ربّ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بعض انسانوں کے حملہ کو دوسرے انسانوں کے ذریعہ سے نہ روکے تو عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کی عبادت گاہیں اور راہبوں کی خلوت گاہیں اور مساجد جن سب میں اللہ تعالیٰ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے گرا دی جائیں اور اللہ تعالیٰ یقیناً اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو خدا کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً طاقتور اور غالب ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم اُن کو زمین میں طاقت بخشیں تو وہ نمازوں کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیک باتوں کا حکم دیں گے اور بُری باتوں سے روکیں گے اور سب باتوں کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہی ہونا چاہئے۔

اِن آیات سے ظاہر ہے کہ اسلام میں جہاد کا حکم اِسی وجہ سے دیا گیا کہ مسلمانوں کو رَبُّنَا اللّٰہُ کہنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی اور محض دین کی وجہ سے وہ مُلک سے نکالے جاتے تھے اور اُن پر طرح طرح کے ظلم کئے جاتے تھے اور اِس حکم میں یہ شرط لگائی گئی کہ اُن لوگوں سے لڑیں جنہوں نے اُن پر حملہ کیا ہے، دوسروں سے نہیں اور یہ بھی بتایا گیا کہ مذہب میں دخل اندازی کی رُوح اگر پھیل جائے تو اس میں صرف مسلمانوں کا ہی نقصان نہیں اور صرف اُنہی کی مسجدیں نہیں گرائی جائیں گی بلکہ اس کے نتیجہ میں عیسائیوں کے گرجے بھی گرائے جائیں گے، یہودیوں کے معبد بھی گرائے جائیں گے اور راہبوں کے خلوت خانے بھی گرائے جائیں گے اور پھر یہ بھی کہا گیا کہ وہ لوگ جو اِس نیت کے ساتھ کہ خدا تعالیٰ کے نام کو دُنیا میں آزادی حاصل ہو اور مذہبی اُمور میں دست اندازی نہ کی جائے اُن لوگوں سے لڑیں گے جو کہ مذہبی دست اندازی کی خاطر اُن سے لڑتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنے دُشمنوں پر غلبہ عطا فرمائے گا اور جو لوگ اِن وجوہ سے جنگ کریں گے وہ یقیناً جب غالب آئیں گے تو خدا کی عبادتوں کو قائم کریں گے، غریبوں کے لئے اپنے مال خرچ کریں گے ہر ایک کو نیک بات کی تعلیم دیں گے اور بُری باتوں سے روکیں گے اور مذہبی اُمور میں اپنا اختیار نہیں جتائیں گے بلکہ اِن باتوں کو خدا پر چھوڑ دیں گے۔

یہ حکم کتنا واضح ہے۔ جہاد صرف اُن لوگوں سے ہے جو کہ مسلمانوں کے خلاف دین کے لئے لڑتے ہیں اور جو خدا تعالیٰ کی اُس عبادت سے روکتے ہیں جو اُن کے طریق کے خلاف ہے اور جو اپنے سے مخالف لوگوں کی عبادت گاہوں کو گرانا جائز سمجھتے ہیں ایسے لوگوں سے جنگ جائز کی گئی اور اِس قسم کی جنگ کے متعلق یہ بھی پیش گوئی کی گئی کہ جو شخص اِس نیت کے ساتھ اور اِن حالات میں جنگ کرے گا وہ ضرور کامیاب ہو گا۔

سورۃ بقرہ میں بھی یہ مضمون دوبارہ بیان کیا گیا ہے۔ وہاں فرمایا گیا ہے:- وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ [339] اور اللہ تعالیٰ کے رستہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن دفاعی جنگ میں بھی حد سے مت بڑھو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں سے پیار نہیں کرتا اور تم جہاں بھی اُن کو پاؤ اُن سے جنگ کرو اور جن علاقوں سے اُنہوں نے تم کو نکال دیا ہے تم بھی اُن کو وہاں سے نکال دو اور دین کے معاملہ میں ظلم کرنا قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اور تم اُن سے کبھی بھی مسجد حرام کے علاقہ میں نہ لڑو۔ سوائے اس کے کہ وہ اس علاقہ میں تم سے لڑائی کریں۔ اگر وہ تم سے اس علاقہ میں لڑائی کریں تو تم کو بھی اجازت ہے کہ تم بھی اس علاقہ میں اُن سے لڑو۔ الٰہی احکام کا انکار کرنے والوں کو یہی سزا ہوتی ہے لیکن اگر وہ لڑائی سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کی غلطیوں کو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور تم اُن سے لڑو یہاں تک کہ دین کے معاملہ میں ظلم کرنا بند ہو جائے اور اطاعت اور فرمانبرداری صرف اللہ کے لئے باقی رہے۔ (لوگ اپنے خیالات اور اپنے عقیدوں کو جبراً لوگوں پر نہ ٹھونسیں) اگر وہ لوگ اِن باتوں سے باز آجائیں تو سختی اور مقابلہ صرف اُن لوگوں کے لئے جائز ہے جو ظلم کرتے ہوں، دوسروں کے لئے نہیں۔

یہ آیت بھی کتنی واضح ہے۔ اِس میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ صرف اُن لوگوں سے جنگ جائز ہے جو کہ لڑتے ہیں اور اُن سے بھی حدود اور مطالباتِ انسانیت کے ماتحت جنگ جائز ہے۔ اِس سے آگے گزرنا جائز نہیں اور انہی علاقوں میں جنگ جائز ہے جن علاقوں میں دُشمن جنگ کریں اور دین کے معاملہ میں دخل نہ دُشمن کے لئے جائز ہے نہ مؤمن کے لئے جائز ہے اور مسلمان کو جنگ میں اتنی احتیاط کرنی چاہئے کہ مقدس مقامات کے قریب جنگ نہ کرے۔ سوائے اس کے کہ دُشمن اُسے مجبور کر دے اور جب دُشمن جنگ سے رُکے تو پھر مسلمانوں کو بھی رُک جانا چاہئے اور یہ کہ اسلامی جنگ محض اس لئے ہوتی ہے کہ دین کے معاملہ میں کسی کو دُکھ میں ڈالنے سے روکا جائے اور دین کے

معاملہ کو صرف اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ اپنا دین لوگوں سے نہ منوائیں اور جو بھی اِن باتوں پر عمل کرے اُس کے ساتھ لڑائی جائز نہیں۔

اِسی طرح ایک دوسری سورۃ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اسلامی جہاد صرف اُن لوگوں سے ہوتا ہے جو کہ دین میں دخل دینا چاہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ **340** اللہ تعالیٰ تمہیں اُن لوگوں سے دوستی اور سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے لڑائی نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف اُن لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے دین کے متعلق تم سے لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا یا تم کو گھروں سے نکالنے والوں کی مدد کی۔ ایسے لوگوں سے جو دوستی اور پیار رکھتا ہے وہ ظالم ہے (اور اپنی قوم کا دُشمن ہے)۔

اِس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جہاد صرف دینی جنگ کا نام ہے کیونکہ اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ صرف اُن سے دوستی ناجائز ہے جو کہ دین کے معاملہ میں تم سے لڑائی کرتے ہیں۔ اگر ہر جنگ جہاد ہے تو پھر اِس کے تو یہ معنے ہوں گے کہ جو دینی اُمور کی وجہ سے مسلمان قوم سے لڑائی کرے اُن کے ساتھ ریشہ دوانیاں اور تعلق جائز ہے۔ حالانکہ کوئی عقلمند اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ پس یہ آیت بتاتی ہے کہ قرآن تسلیم کرتا ہے کہ جنگیں دو قسم کی ہوں گی۔ ایک وہ جنگ جو کہ دینی جنگ ہو گی اور اسلام کو اسی جنگ سے تعلق ہے وہ جہاد کہلائے گی۔ اِس کے علاوہ دینی جنگیں بھی انصاف اور عدل کے قوانین کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کی جاسکتی ہیں مگر وہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں کہلائیں گی۔

خلاصہ یہ کہ قرآنِ کریم کی رُو سے جہاد فی سبیل اللہ وہی ہے جو

(1) دین کی خاطر ہو اور

(2) ایسے لوگوں کے ساتھ کیا جائے جو کہ دین بدلوانے کے لئے مسلمانوں پر حملہ کریں یا دین کی وجہ سے اُن کو گھروں سے نکالیں۔

(3) جہاد میں بھی اس حد تک دُشمن کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے جس حد تک وہ خود کرتا ہے۔ اگر وہ گھروں سے مسلمانوں کو نکالے تو مسلمان بھی اُن کو گھروں سے نکال سکتے ہیں۔ اگر وہ مقدس مقامات کے قریب جنگ کریں تو وہ بھی وہاں جنگ کر سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کا فرض ہو گا کہ وہ معابد کی حفاظت کریں اور مذہب میں دخل اندازی نہ کریں۔

(4) اور اگر دُشمن ایسی جنگ سے رُک جائے تو پھر یہ بھی اس قسم کی جنگ کو ختم کر دیں۔

(5) قرآن کریم نے بتایا ہے کہ جو شخص ان شرطوں کے مطابق جنگ کرے گا چاہے وہ کمزور بھی ہو اللہ تعالیٰ اُس کی فتح کے سامان پیدا کر دے گا۔

جہاد کے لئے امام کی شرط

ایک اَور آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جہاد صرف منظم صورت میں جائز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً [341] یعنی تم کو چاہیئے کہ سب مسلمان جہاد میں شریک ہوں۔ جس طرح کہ کفّار سارے کے سارے جہاد میں شریک ہیں کیونکہ وہ اِس کو مذہبی جنگ بنا رہے ہیں۔

اب سب کے سب مسلمان تبھی شامل ہو سکتے ہیں جب کوئی امام اُن کو جمع کرنے والا ہو۔ چنانچہ اِس آیت کی تشریح میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَّ رَائِهٖ۔[342] امام ایک ڈھال کی طرح ہوتا ہے اِس لئے سب مسلمانوں کو اُس کے پیچھے لڑائی کرنی چاہیئے۔

یعنی جہاد کے لئے شرط ہے کہ ایک امام اس کا اعلان کرے اور سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس کے ساتھ مل کر دینی جنگ میں شامل ہوں اور امام کا فرض ہے کہ دوسرے مسلمانوں سے زیادہ اس جنگ میں شریک ہو۔

اِن آیتوں اور حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے زمانہ میں

اِس قسم کے جہاد کی کوئی صورت پیدا نہیں تھی۔ نہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے یا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے پر کسی شخص کو مُلک سے نِکالا جاتا تھا، نہ اس لئے کسی قوم پر حملہ کیا جاتا تھا کہ وہ کیوں اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہے، نہ لوگوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کر لیں اور نہ کوئی امام موجود تھا جو مسلمانوں کو منظم کرتا اور جو مسلمانوں کے آگے ہو کر لڑتا جس سے یہ پتہ لگ جاتا کہ وہ شخص لڑائی کروانے میں دیانتدار ہے۔ صرف دوسروں کا خون کرواکے تماشا نہیں دیکھ رہا۔ پس نہ تو مسلمانوں پر اس قسم کے حملے ہو رہے تھے نہ مسلمان منظم تھے۔ مولوی جہاد پر لوگوں کو اُکسا دیتے تھے اور آپ مسجدوں میں بیٹھے رہتے تھے اور دوسرے مسلمان طاقتور غیر حکومتوں کی بندوقوں کا شکار ہوتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی کوئی مدد اُن کو نہیں مِل رہی تھی۔ حالانکہ اس آیت میں جنگ کرنے والوں سے خدا تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ اُن کو مدد دی جائے گی۔ حضرت مرزا صاحب نے اس کے علاوہ کچھ نہیں لکھا۔ یہی جو قرآن کا حکم ہے آپ نے اس کی تشریح کی ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کے متعلق ایک رسالہ ''جہاد'' لکھا ہے جو بائیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں:-

''جاننا چاہئے کہ جہاد کا لفظ جُہد کے لفظ سے مشتق ہے۔ جس کے معنے ہیں کوشش کرنا اور پھر مجاز کے طور پر دینی لڑائیوں کے لئے بولا گیا''۔ 343

پھر فرماتے ہیں:-

''سو واضح ہو کہ اسلام کو پیدا ہوتے ہی بڑی بڑی مُشکلات کا سامنا پڑا تھا اور تمام قومیں اس کی دُشمن ہو گئی تھیں جیسا کہ یہ ایک معمولی بات ہے کہ جب ایک نبی یا رسول خدا کی طرف سے مبعوث ہوتا ہے اور اُس کا فرقہ لوگوں کو ایک گروہ ہونہار اور راستباز اور باہمت اور ترقی کرنے والا دکھائی دیتا ہے تو اس کی نسبت موجودہ قوموں اور فرقوں کے دِلوں میں ضرور ایک قسم کا بُغض اور حسد پیدا

ہو جایا کرتا ہے"۔ **344**

پھر فرماتے ہیں:۔

"یہی اسباب تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں مُشرکوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کے عالموں کو نہ محض حق کے قبول کرنے سے محروم رکھا بلکہ سخت عداوت پر آمادہ کر دیا۔ لہٰذا وہ اِس فکر میں لگ گئے کہ کسی طرح اسلام کو صفحۂ دُنیا سے مِٹا دیں اور چونکہ مسلمان اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تھوڑے تھے اِس لئے اُن کے مخالفوں نے بباعث اُس تکبّر کے جو فطرتاً ایسے فرقوں کے دِل اور دماغ میں جاگزیں ہوتا ہے جو اپنے تئیں دولت میں، مال میں، کثرتِ جماعت میں، عزت میں، مرتبت میں دوسرے فرقہ سے برتر خیال کرتے ہیں۔ اس وقت کے مسلمانوں یعنی صحابہؓ سے سخت دُشمنی کا برتاؤ کیا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آسمانی پودا زمین پر قائم ہو بلکہ وہ ان راستبازوں کے ہلاک کرنے کے لئے اپنے ناخنوں تک زور لگا رہے تھے اور کوئی دقیقہ آزار رسانی کا اُٹھا نہیں رکھا تھا"۔ **345**

پھر فرماتے ہیں:۔

"اُنہوں نے دردناک طریقوں سے اکثر مسلمانوں کو ہلاک کیا اور ایک زمانہ دراز تک جو تیرہ برس کی مدّت تھی، اُن کی طرف سے یہی کارروائی رہی اور نہایت بے رحمی کی طرز سے خدا کے وفادار بندے اور نوعِ انسان کے فخر، اُن شریر درندوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اور یتیم بچے اور عاجز اور مسکین عورتیں کوچوں اور گلیوں میں ذبح کئے گئے۔ اِس پر بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شر کا ہرگز مقابلہ نہ کرو"۔ **346**

پھر لکھتے ہیں:۔

"اِن صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اور انہوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا ایک شکار سمجھ لیا۔ تب اُس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گزر جائے، اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اُس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اُس نے اپنی پاک کلام قرآن شریف کے ذریعہ سے اپنے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے مَیں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ مَیں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں اور مَیں خدائے قادر ہوں، ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا اور اِس حکم کی اصل عبارت جو قرآن شریف میں اب تک موجود ہے یہ ہے اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ۔ اِلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ یعنی خدا نے اُن مظلوم لوگوں کی جو قتل کئے جاتے ہیں اور ناحق اپنے وطن سے نکالے گئے فریاد سُن لی اور اُن کو مقابلہ کی اجازت دی گئی اور خدا قادر ہے جو مظلوم کی مدد کرے...... مگر یہ حکم مختص الزمان والوقت تھا۔ ہمیشہ کے لئے نہیں تھا بلکہ اُس زمانہ کے متعلق تھا جب کہ اسلام میں داخل ہونے والے بکریوں اور بھیڑوں کی طرح ذبح کئے جاتے تھے"۔ 347

پھر فرماتے ہیں:-

"عجیب اتفاق یہ ہے کہ عیسائیوں کو تو خالق کے حقوق کی نسبت غلطیاں پڑیں اور مسلمانوں کو مخلوق کے حقوق کی نسبت۔ یعنی عیسائی دین میں تو ایک عاجز انسان کو خدا بنا کر اُس قادر قیوم کی حق تلفی کی گئی جس کی مانند نہ زمین میں کوئی چیز ہے اور نہ آسمان میں اور مسلمانوں نے انسانوں پر ناحق تلوار چلانے سے بنی نوع کی حق تلفی کی

اور اس کا نام جہاد رکھا۔ غرض حق تلفی کی ایک راہ عیسائیوں نے اختیار کی اور دوسری راہ حق تلفی کی مسلمانوں نے اختیار کرلی اور اِس زمانہ کی بد قسمتی سے یہ دونوں گروہ ان دونوں قسم کی حق تلفیوں کو ایسا پسندیدہ طریق خیال کرتے ہیں کہ ہر ایک گروہ جو اپنے عقیدہ کے موافق اِن دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی حق تلفی پر زور دے رہا ہے وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ گویا وہ اس سے سیدھا بہشت کو جائے گا اور اِس سے بڑھ کر کوئی بھی ذریعہ بہشت کا نہیں اور اگرچہ خدا کی حق تلفی کا گناہ سب گناہوں سے بڑھ کر ہے لیکن اِس جگہ ہمارا یہ مقصود نہیں ہے کہ اُس خطرناک حق تلفی کا ذکر کریں جس کی عیسائی قوم مرتکب ہے بلکہ ہم اِس جگہ مسلمانوں کو اُس حق تلفی پر مُتنبہ کرنا چاہتے ہیں جو بنی نوع کی نسبت اُن سے سرزد ہو رہی ہے"۔ **348**

پھر فرماتے ہیں:-

"یہ خیال اُن کا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ جب پہلے زمانہ میں جہاد روا رکھا گیا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اَب حرام ہو جائے۔ اِس کے ہمارے پاس دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ خیال قیاس مع الفارق ہے۔ یعنی دلیل کی بنیاد ایسی چیز پر قائم کی گئی ہے جس کا اس سے جوڑ نہیں ہے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کسی پر تلوار نہیں اُٹھائی بجز اُن لوگوں کے جنھوں نے پہلے تلوار اُٹھائی اور سخت بے رحمی سے بے گناہ اور پرہیزگار مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کیا اور ایسے درد انگیز طریقوں سے مارا کہ اَب بھی اُن قصّوں کو پڑھ کر رونا آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر فرض بھی کرلیں کہ اسلام میں ایسا ہی جہاد تھا جیسا کہ ان مولویوں کا خیال ہے تاہم اِس زمانہ میں وہ حکم قائم نہیں رہا کیونکہ لکھا ہے کہ جب مسیح موعود ظاہر ہو جائے گا تو سیفی جہاد اور

مذہبی جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ مسیح نہ تلوار اُٹھائے گا اور نہ کوئی اور زمینی ہتھیار ہاتھ میں پکڑے گا بلکہ اُس کی دُعا اُس کا حربہ ہو گا اور اُس کی عقدِ ہمت اُس کی تلوار ہو گی۔ وہ صلح کی بنیاد ڈالے گا اور بکری اور شیر کو ایک ہی گھاٹ پر اکٹھے کرے گا اور اُس کا زمانہ صلح اور نرمی اور انسانی ہمدردی کا زمانہ ہو گا۔ ہائے افسوس کیوں یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ تیرہ سو برس ہوئے کہ مسیح موعود کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے کلمہٴ یَضَعُ الْحَرْبَ جاری ہو چُکا ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ مسیح موعود جب آئے گا تو لڑائیوں کا خاتمہ کر دے گا"۔ **349**

پھر لکھتے ہیں:-

"جب کہ مسلمانوں کے پاس صبر اور ترکِ شر اور اخلاقِ فاضلہ کا یہ نمونہ ہے جس سے تمام دُنیا پر اُن کو فخر ہے تو یہ کیسی نادانی اور بد بختی اور شامتِ اعمال ہے جو اَب بالکل اس نمونہ کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ جاہل مولویوں نے خدا اُن کو ہدایت دے عوام کالانعام کو بڑے دھوکے دئے ہیں اور بہشت کی کنجی اِسی عمل کو قرار دے دیا ہے جو صریح ظلم اور بے رحمی اور انسانی اخلاق کے بر خلاف ہے۔ کیا یہ نیک کام ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مثلاً اپنے خیال میں بازار میں چلا جاتا ہے اور ہم اس قدر اُس سے بے تعلق ہیں کہ نام تک بھی نہیں جانتے اور نہ وہ ہمیں جانتا ہے مگر تاہم ہم نے اُس کے قتل کرنے کے ارادہ سے ایک پستول اُس پر چھوڑ دیا ہے۔ کیا یہی دینداری ہے؟ اگر یہ کچھ نیکی کا کام ہے تو پھر درندے ایسی نیکی کے بجالانے میں انسانوں سے بڑھ کر ہیں۔ سُبحان اللہ وہ لوگ کیسے راستباز اور نبیوں کی رُوح اپنے اندر رکھتے تھے کہ جب خدا نے مکّہ میں اُن کو یہ حکم دیا کہ بدی کا مقابلہ مت کرو اگرچہ ٹکڑے ٹکڑے کئے جاؤ۔ پس وہ اِس حکم کو پاکر شیر خوار

بچوں کی طرح عاجز اور کمزور بن گئے۔ گویا نہ اُن کے ہاتھوں میں زور ہے نہ اُن کے بازوؤں میں طاقت"۔350

پھر فرماتے ہیں:-

"کیا ایسا دین خدا کی طرف سے ہو سکتا ہے جو یہ سکھاتا ہے کہ یونہی بے گناہ، بے جُرم، بے تبلیغ، خدا کے بندوں کو قتل کرتے جاؤ۔ اِس سے تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے"۔351

پھر فرماتے ہیں:-

"ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو اسلام نے خدائی حکم سے تلوار اُٹھائی وہ اُس وقت اُٹھائی گئی کہ جب بہت سے مسلمان کافروں کی تلواروں سے قبروں میں پہنچ گئے۔ آخر خدا کی غیرت نے چاہا کہ جو لوگ تلواروں سے ہلاک کرتے ہیں وہ تلواروں سے ہی مارے جائیں۔ خدا بڑا کریم اور رحیم اور حلیم ہے اور بڑا برداشت کرنے والا ہے لیکن آخر کار راستبازوں کے لئے غیرت مند بھی ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ جب کہ اس زمانہ میں کوئی شخص مسلمانوں کو مذہب کے لئے قتل نہیں کرتا تو وہ کس حکم سے ناکردہ گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں کیوں اُن کے مولوی اِن بے جا حرکتوں سے جن سے اسلام بدنام ہوتا ہے اُن کو منع نہیں کرتے"۔352

پھر فرماتے ہیں:-

"موجودہ طریق غیر مذہب کے لوگوں پر حملہ کرنے کا جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے جس کا نام وہ جہاد رکھتے ہیں۔ یہ شرعی جہاد نہیں ہے بلکہ صریح خدا اور رسول کے حکم کے مخالف اور سخت معصیت ہے"۔353

پھر اسی صفحہ پر فرماتے ہیں کہ چونکہ مسلمانوں میں یہ عادت راسخ ہو گئی ہے اس لئے کسی مسلمان بادشاہ کو چاہئے کہ وہ ان امور کی طرف توجہ کرے اور اس کے لئے اُنہوں نے امیرِ افغانستان کو منتخب کر کے اُسے نصیحت کی کہ وہ ایسا کرے۔

پھر فرماتے ہیں:-

"اسلام ہر گز یہ تعلیم نہیں دیتا کہ مسلمان راہزنوں اور ڈاکوؤں کی طرح بن جائیں اور جہاد کے بہانے سے اپنے نفس کی خواہشیں پوری کریں"۔**354**

پھر فرماتے ہیں:-

جہاد کا حکم بادشاہ کے بغیر نہیں۔ اِس لئے امیر صاحب افغانستان کو چاہئے کہ وہ علماء کو سمجھائیں ورنہ ہو سکتا ہے کہ علماء اس حکم کو دیکھ کر کہ امیر کے بغیر جہاد نہیں اور پھر یہ دیکھ کر کہ امیر صاحب جہاد کا اعلان نہیں کرتے اُن کو بھی دائرۂ اسلام سے خارج کر دیں۔ پس امیر صاحب کو اسلام کے حقوق کی حفاظت کے لئے اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ایسا کرنا چاہئے۔**355**

پھر فرماتے ہیں:-

"مسئلہ جہاد کے متعلق جو غلط فہمی ہوئی ہے اُس کے ذمہ دار صرف مولوی نہیں بلکہ پادری بھی ہیں جنہوں نے حد سے زیادہ اِس بات پر زور دیا کہ اسلام میں جہاد فرض ہے اور دوسری قوموں کو قتل کرنا مسلمانوں کے مذہب میں بہت ثواب کی بات ہے۔ میرے خیال میں سرحدی لوگوں کو جہاد کے مسئلہ کی خبر بھی نہیں تھی۔ یہ تو پادری صاحبوں نے یاد دلایا۔ میرے پاس اس خیال کی تائید میں دلیل یہ ہے کہ جب تک پادری صاحبوں کی طرف سے ایسے اخبار اور رسالے اور کتابیں سرحدی ملکوں میں شائع نہیں ہوئے تھے اُس وقت تک ایسی

وارداتیں بہت ہی کم سُنی جاتی تھیں یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بالکل نہیں تھیں بلکہ جب سکھوں کی سلطنت اِس مُلک سے اُٹھ گئی اور اُن کی جگہ انگریز آئے تو عام مسلمانوں کو اس انقلاب سے بڑی خوشی تھی اور سرحدی لوگ بھی بہت خوش تھے۔ پھر جب پادری فنڈل صاحب نے 1849ء میں کتاب میزان الحق تالیف کر کے ہندوستان اور پنجاب اور سرحدی مُلکوں میں شائع کی اور نہ فقط اِسلام اور پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کی نسبت توہین کے کلمے استعمال کئے بلکہ لاکھوں انسانوں میں یہ شُہرت دی کہ اسلام میں غیر مذہب کے لوگوں کو قتل کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ بڑا ثواب ہے اِن باتوں کو سُن کر سرحدی حیوانات جن کو اپنے دین کی کچھ بھی خبر نہیں جاگ اُٹھے اور یقین کر بیٹھے کہ در حقیقت ہمارے مذہب میں غیر مذہب کے لوگوں کو قتل کرنا بڑے ثواب کی بات ہے۔ مَیں نے غور کر کے سوچا ہے کہ اکثر سرحدی وارداتیں اور جوش عداوت جو سرحدی لوگوں میں پیدا ہوئی اس کا سبب پادری صاحبوں کی وہ کتابیں ہیں جن میں وہ تیز زبانی اور بار بار جہاد کا ذکر لوگوں کو سُنانے میں حد سے زیادہ گزر گئے۔ یہاں تک کہ آخر میزان الحق کی عام شُہرت اور اُس کے زہریلے اثر کے بعد ہماری گورنمنٹ کو 1867ء میں ایکٹ نمبر 6723 سرحدی اقوام کے غازیانہ خیالات کے روکنے کے لئے جاری کرنا پڑا۔ یہ قانون سرحد کی چھ قوموں کے لئے شائع ہوا تھا اور بڑی اُمید تھی کہ اِس سے وارداتیں رُک جائیں گی لیکن افسوس کہ بعد اِس کے پادری عماد الدین امرتسری اور چند دوسرے بد زبان پادریوں کی تیز اور گندی تحریروں نے ملک کی اندرونی محبت اور مصالحت کو بڑا نقصان پہنچایا اور ایسا ہی اور پادری صاحبوں کی کتابوں نے جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں دِلوں میں عداوت کا تخم بونے

میں کمی نہیں کی۔ غرض یہ لوگ گورنمنٹ عالیہ کی مصلحت کے بہت خارج ہوئے۔ ہماری گورنمنٹ کی طرف سے یہ کارروائی نہایت قابلِ تحسین ہوئی کہ مسلمانوں کو ایسی کتابوں کے جواب لکھنے سے منع نہیں کیا"۔ 356

پھر ان فتنوں کو روکنے کے لئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"میرے نزدیک احسن تجویز وہی ہے جو حال میں رُومی گورنمنٹ نے اختیار کی ہے اور وہ یہ کہ امتحاناً چند سال کے لئے ہر ایک فرقہ کو قطعاً روک دیا جائے کہ وہ اپنی تحریروں میں اور نیز زبانی تقریروں میں ہرگز ہرگز کسی دوسرے مذہب کا صراحۃً یا اشارۃً ذکر نہ کرے۔ ہاں اختیار ہے کہ جس قدر چاہے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کیا کرے اِس صورت میں نئے نئے کینوں کی تخم ریزی موقوف ہو جائے گی اور پُرانے قصّے بھُول جائیں گے اور لوگ باہمی محبت اور مصالحت کی طرف رجوع کریں گے"۔ 357

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جہاد کے متعلق وہی تعلیم دی ہے جو قرآن کریم نے دی ہے اور آپ کے زمانہ میں جو جہاد کو روکا گیا ہے اُس کی تین وجہیں آپ نے بتائی ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ حکم دَوری ہے یعنی جب جب وہ حالات پیدا ہوں جن حالات میں اِس حکم کو جاری کیا گیا تھا اُس وقت یہ حکم جاری ہوگا نہ کہ ہر زمانہ میں اور وہ حالات اِس زمانہ میں پیدا نہیں۔

دوسرے یہ کہ جو تعریف جہاد کی اس وقت کے علماء کر رہے ہیں اور جس پر عمل کرنے کے لئے مسلمان کو بھڑکا رہے ہیں وہ تعریف اسلام سے ثابت نہیں۔ اس میں وحشت کی تعلیم دی گئی ہے اور اسلام کے خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ اِس حکم کو اس زمانہ میں روکنے کا فیصلہ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے نہیں کیا

بلکہ خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمادی تھی کہ مسیح موعود کے زمانہ میں دینی جنگیں ختم ہو جائیں گی لیکن اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جس جہاد سے آپ نے روکا ہے وہ جہاد بالسَّیف ہے اور جہاد بالسَّیف سے زیادہ تاکیدی حکم جہاد بالقرآن کا ہے جس میں آپ ساری عمر مشغول رہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر فرماتا ہے کہ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا۔ [358] یعنی قرآنِ کریم کے ساتھ تم غیر مسلموں کا مقابلہ کرو اور یہی بڑا جہاد ہے۔

چنانچہ اس آیت کے ماتحت تفسیر رُوح المعانی جلد 6 صفحہ 162 پر لکھا ہے:-

أَیْ بِالْقُرْاٰنِ وَ ذٰلِكَ بِتِلَاوَةِ مَا فِيْهِ مِنَ الْبَرَاهِيْنَ وَالْقَوَارِعِ وَ الزَّوَاجِرِوَالْمَوَاعِظِ وَ تَذْكِيْرِ اَحْوَالِ الْاُمَمِ الْمُكَذَّبَةِ فَاِنَّ دَعْوَةَ كُلِّ الْعَالَمِيْنَ عَلَى الْوَجْهِ الْمَذْكُوْرِ جِهَادٌ كَبِيْرٌ۔ یعنی اِس جگہ پر جہاد سے مراد قرآنِ کریم کے ذریعہ سے جہاد کرنا ہے اور یہ اِس طرح ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں جو براہین اور کُفر کے خلاف باتیں ہیں اسی طرح جن خلافِ اخلاق اُمور پر زجر کیا گیا ہے اور جو جو نصائح کی گئی ہیں اُن سب کو پڑھا جائے اور نبیوں کی مُنکر اُمّتوں کے احوال بیان کر کر کے لوگوں کو نصیحت کی جائے کیونکہ دُنیا کے تمام انسانوں کو اِس طریق سے اِسلام کی طرف بُلانا ہی سب سے بڑا جہاد ہے۔

بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تائید میں علماء اسلام کے حوالے

یہ مذہب جو آپ کا جہاد کے متعلق ہے اِس میں بانیٔ سلسلہ احمدیہ منفرد نہیں بلکہ دیگر علماءِ اسلام بھی اسی قسم کا مذہب رکھتے تھے۔ چنانچہ مفرداتِ راغب والے لکھتے ہیں: اَلْجِهَادُ ثَلَاثَةُ اَضْرَبٍ مُجَاهَدَةُ الْعَدُوِّ الظَّاهِرِ وَ مُجَاهَدَةُ الشَّيْطَانِ وَ مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ۔ [359] یعنی جہاد تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جہاد ہے جو اُس کھلے دُشمن سے کیا جائے جو مسلمانوں سے لڑائی کرے۔ ایک وہ جہاد ہے جو شیطان سے کیا جائے اور ایک وہ جہاد ہے جو اپنے نفس سے کیا جائے۔

حنفیوں کی کتاب ھدایہ جلد 2 صفحہ 291، 292 میں لکھا ہے:-

اِنَّمَا فُرِضَ لِاِعْزَازِ دِیْنِ اللّٰہِ وَ دَفْعِ الشَّرِّ عَنِ الْعِبَادِ"۔

کہ جہاد دینِ الٰہی کو معزز بنانے کے لئے اور خدا کے بندوں کو شر اور فساد سے محفوظ رکھنے کے لئے فرض کیا گیا ہے۔

اور پھر اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس کی طرح قرآن کریم کی اِس آیت میں اشارہ ہے کہ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔ 360

مولانا سیّد نذیر حسین صاحب دہلوی امیر اہلِ حدیث نے بھی جہاد کی وہی تعریف کی ہے جو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے کی۔ آپ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے

"اصل معنیٔ جہاد کے لحاظ سے بغاوت 1857ء کو شرعی جہاد نہیں سمجھا بلکہ اُس کو بے ایمانی و عہد شکنی و فساد و عناد خیال کر کے اُس میں شمولیت اور اُس کی معاونت کو معصیت قرار دیا"۔ 361

اِس طرح حنفیوں کی طرف سے یہ فتویٰ شائع ہؤا ہے کہ:-

"جو حکومت مسلمانوں کے مذہبی شعائر میں پوری آزادی دیتی ہے اُن کے جان و مال و آبرو کی محافظ ہے۔ قرآن اور رسُول کی بے حُرمتی کو قانوناً جُرم قرار دیتی ہے۔ بیت اللہ اور بیت الرسول کی زیارت سے نہیں روکتی اُس کے ساتھ ترکِ تعلقات کیسے واجب ہو سکتا ہے"۔ 362

شیعہ صاحبان کی طرف سے کہا گیا ہے کہ:-

"برطانیۂ عظمٰی کی برکات کا اعتراف کرتے ہوئے شیعانِ ہندوستان کی طرف سے دِلی خلوص اور وفاداری کا اظہار کرتا ہوں اور اعلیٰ حضرت شہنشاہِ معظم جارج پنجم خَلَّدَ اللّٰہُ سُلْطَانَہٗ و ملکہ کی سلامتی اور اقبال کی دُعا پر اِس مبارک جلسہ کو برخاست کرتا ہوں"۔ 363

سر سیّد احمد خان لکھتے ہیں:-

''مسلمانوں کا بہت روزوں سے آپس میں سازش اور مشورہ کرنا اِس ارادہ سے کہ ہم باہم متفق ہو کر غیر مذہب کے لوگوں پر جہاد کریں اور اُن کو حکومت سے آزاد ہو جائیں، نہایت بے بنیاد بات ہے۔ جبکہ مسلمان ہماری گورنمنٹ کے مست امن تھے۔ کسی طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کر سکتے تھے۔ بیس تیس برس پیشتر ایک بہت بڑے نامی مولوی محمد اسمٰعیل نے ہندوستان میں جہاد کا وعظ کہا اور آدمیوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ اُس وقت اُس نے صاف بیان کیا کہ ہندوستان کے رہنے والے جو سرکارِ انگریزی کے امن میں رہتے ہیں ہندوستان میں جہاد نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہزاروں آدمی جہادی ہر ایک ضلع ہندوستان میں جمع ہوئے اور سرکار کی عملداری میں کسی طرح کا فساد نہیں کیا اور غربی سرحد پنجاب پر جا کر لڑائی کی اور یہ جو ضلع میں پاجی اور جاہلوں کی طرف سے جہاد کا نام ہؤا اگر اس کو ہم جہاد ہی فرض کریں تو بھی اس کی سازش اور صلاح قبل دسویں مئی 1857ء مطلق نہ تھی''۔ 364

علّامہ سیّد رشید رضا صاحب شامی ثم مصری اپنی تفسیر المنار جلد 10 مطبوعہ قاہرہ صفحہ 307 پر لکھتے ہیں:-

''ہم نے یہ دلیلیں اِس لئے کثرت سے دی ہیں کہ یورپین لوگ اور اُن کے مقلد اور اُن کے شاگرد مشرقی عیسائیوں میں سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جہاد کے معنے یہ ہیں کہ مسلمان ہر اُس شخص سے لڑے جو کہ مسلمان نہیں تاکہ اُس کو مجبور کر کے اسلام میں داخل کرے۔ خواہ غیر مسلموں نے اُن پر زیادتی نہ کی ہو اور اُن سے دُشمنی نہ کی ہو اور اے پڑھنے والے تُجھ پر روشن ہو چُکا ہو گا اُن دلیلوں سے جو

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اُن دلیلوں سے جو ہم آئندہ بیان کریں گے اور بھی روشن ہو جائے گا کہ اسلام پر غیر مسلموں کا یہ الزام جھوٹ اور افتراء ہے"۔

اِسی طرح فرماتے ہیں:-

"وہ تفصیل جو ہم نے اوپر لکھی ہے اُس سے یہ ثابت ہو چُکا ہے کہ جہاد بالسیف کے مسئلہ میں مسلمانوں کا اجماع صرف اِس بات پر ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی قوم حملہ کرے تو یہ جہاد فرض ہوتا ہے اور اُس وقت بھی اسی صورت میں فرض ہوتا ہے کہ جب کہ امام واجب الطاعت جنگِ عام کا حکم دے لیکن اگر وہ صرف کچھ لوگوں کو اس لڑائی کا حکم دے تو پھر اُنہی لوگوں پر یہ جنگ فرض ہو گی باقی لوگوں پر یہ جنگ فرض نہیں ہو گی"۔ **365**

مولانا ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر "زمیندار" تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ:-

"اگر خدانخواستہ گورنمنٹ انگلشیہ کی کسی مسلمان طاقت سے اَن بَن ہو جائے تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو اسی طرح سرکار کی جلتی آگ میں کُود کر اپنی عقیدت مندی کا ثبوت دینا چاہئے جس طرح سرحدی علاقہ اور سمالی لینڈ کی لڑائیوں میں مسلمان فوجی سپاہیوں نے اپنے مذہبی اور قومی بھائیوں کے خلاف جنگ کر کے اِس بات کا بارہا ثبوت دیا ہے کہ اطاعتِ اولی الامر کے حکم کے وہ کِس درجہ پابند ہیں۔ مسلمانوں کا سر پھرا ہوُا نہیں ہے کہ وہ اِس مہربان و عادل گورنمنٹ سے سرکشی اختیار کریں"۔ **366**

جہاد قیامت تک کے لئے ہے

غرض بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے نہ تو جہاد کے اسلامی حکم کو منسوخ کیا ہے اور نہ ملتوی کیا ہے بلکہ اُس جہاد کو منسوخ کیا ہے جو اسلامی تعلیم کے خلاف موجودہ زمانہ کے علماء نے

سمجھا تھا اور اِس کے خلاف بھی اپنی مرضی سے فتویٰ نہیں دیا بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے آپؐ کے منشاء کے مطابق ایک اعلان کیا ہے۔ یہ حکمِ جہاد قیامت تک کے لئے جاری ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ جن وجوہ سے یہ حکم جاری کیا جاتا ہے وہ وجوہ پیدا ہو جائیں۔ اگر کسی جگہ پر بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے نسخ یا حرام کا لفظ جہاد کے لئے استعمال کیا ہے تو اس کے معنے محض اتنے ہی ہیں کہ اِس حکم کے لئے جو شرائط ہیں وہ اِس زمانہ میں پوری نہیں ہیں یا یہ کہ اِس زمانہ میں جو معنے اِس حکم کے کئے جا رہے ہیں اِس معنوں کے رُو سے وہ ناجائز ہے کیونکہ وہ معنے غلط اور احکامِ قرآن کے خلاف ہیں۔ یہ امر کہ جہاں کہیں حرام یا منسوخ کا لفظ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے لکھا ہے اس کے معنے حقیقی نسخ کے یعنی واقعی اور دائمی نسخ کے نہیں ہو سکتے۔ اِسی بات سے ثابت ہے کہ آپ اُصولی طور پر یہ عقیدہ بیان کر چکے ہیں کہ قرآنِ کریم کا کوئی حکم قیامت تک نہیں بدل سکتا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

> ''میری گردن اُس جُوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا ہے اور کسی کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شُعشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے''۔ **367**

نسخ کے یہ محدود معنے کہ عارضی طور پر کسی شئے کو روک دیا جائے، عربی زبان میں عام مستعمل ہیں۔ چنانچہ مفرداتِ راغب جیسی زبردست لُغتِ قرآن میں لکھا ہے کہ:-

> ''اَلنَّسْخُ اِزَالَۃُ شَیْءٍ بِشَیْءٍ یَتَعَقَّبُہٗ کَنَسْخِ الشَّمْسِ الظِّلَّ وَ الظِّلِّ الشَّمْسَ وَ الشَّیْبِ الشَّبَابَ''۔ **368** یعنی نسخ کا لفظ سُورج کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جبکہ وہ سائے کو دُور کر دیتا ہے اور سائے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جبکہ وہ سورج کو چُھپا دیتا ہے اور بڑھاپے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جب وہ جوانی کو دُور کر دیتا ہے یعنی کبھی تو نسخ عارضی ازالہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ سورج کے سایہ کو

مٹا دینے کے متعلق جو عارضی ہوتا ہے اور کبھی مستقل ازالہ کے لئے
اِس کا استعمال کیا جاتا ہے جیسے بڑھاپے کے جوانی کو مٹا دینے کے متعلق
جو کہ مستقل ہوتا ہے۔

بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے صاف لکھا ہے کہ

"فرما چُکا ہے سیّد کونَین مصطفیٰ
عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا اِلتواء"

جس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ نے جو کچھ بھی اس بارہ میں لکھا ہے وہ صرف اِلتواء کے معنوں میں ہے۔ مستقل طور پر اِس حکم کو منسوخ کرنے کے معنوں میں نہیں اور اِس عارضی اِلتواء کے متعلق بھی آپ نے یہی تشریح کی ہے کہ جہاد کے اِلتواء کے متعلق بھی مَیں نہیں کہہ رہا بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ کی ایک تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ ہو سکتا ہے آئندہ کسی زمانہ میں مسلمانوں کے لئے لڑائی کرنا ضروری ہو اور دینی جنگوں کی ضرورت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

"ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں۔ کیونکہ یہ عاجز اِس دُنیا کی حکومت اَور بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا۔ درویشی اور غربت کے لباس میں آیا ہے اور جبکہ یہ حال ہے تو پھر علماء کے لئے اشکال ہی کیا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی وقت اُن کی یہ مُراد بھی پوری ہو جائے"۔ 369

علماء کا جہاد کے متعلق غلط نظریہ

ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ حال کے علماء بھی اسی جہاد کے قائل تھے اور ہیں جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ سو اس شُبہ کے ازالہ کے لئے ہم ذیل کے حوالے درج کرتے ہیں:-

(1) "خلیفہ وقت کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا یعنی خدا اور

اُس کے رسول کا مقدس پیغام خدا کی مخلوق تک پہنچانا اور اُنہیں دعوتِ اسلام دینا۔ جب کسی حکمران کو دعوتِ اسلام دی جاتی ہے تو دو شرطیں پیش کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمان ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر مسلمان نہیں ہوتے تو جزیہ دو اور یہ دونوں شرطیں نہ مانی جاتیں تو پھر مجاہدینِ اسلام کو ان سرکشوں کا بھرکس نکالنے کا حکم ملتا اور اس کا نام جہاد ہے"۔ 370

(2) "واضح ہو کہ اہلِ اسلام کے ہاں کُتب احادیث اور فقہ میں جہاد کی صورت یوں لکھی ہے کہ پہلے کفّار کو موعظہ حسنہ سُنا کر اسلام کی طرف دعوت کی جائے ۔ اگر مان گئے تو بہتر نہیں تو کفّارِ عرب سے بباعثِ شدّتِ کُفر اور بُت پرستی اُن کے ایمان یا قتل کے سوا کچھ نہ مانا جائے"۔ 371

(3) سابق علماء تو الگ رہے ۔ اب تک مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب اِس بیسویں صدی کے نصفِ آخر میں بھی یہی عقیدہ رکھتے اَور اِسی کی اشاعت کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:-

"یہی پالیسی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد خلفائے راشدینؓ نے عمل کیا۔ عرب جہاں مسلم پارٹی پیدا ہوئی تھی سب سے پہلے اسی کو اسلامی حکومت کے زیر نگیں کیا گیا۔ اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کے ممالک کو اپنے اصول و مسلک کی طرف دعوت دی ..... آنحضرتؐ کے بعد جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو اُنہوں نے روم اَور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومتوں پر حملہ کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حملے کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچا دیا"۔ 372

اِن حوالوں سے ظاہر ہے کہ اسلام کے نہایت پاک اور ضروری حکمِ جہاد کو جو موجودہ مہذّب دُنیا کی تعلیمات و اُصولِ جنگ سے بھی بہتر اور نہایت منصفانہ اور عادلانہ تھا اور ہے ان علماء نے نہایت مکروہ اور ظالمانہ اور وحشیانہ شکل دے دی تھی۔ اِس زمانہ کا مامور تو الگ رہا ہر محبّ ِاسلام کا فرض تھا اور ہے کہ اِس کی تردید کرے اور اِس تردید کو تمام عالم میں پھیلائے تا کہ اسلام کے چہرہ سے یہ بد نما داغ دُور ہو جائے۔

چونکہ اس مضمون پر خاص زور دیا گیا ہے اور بعض زائد حوالے دونوں طرف سے عدالت عالیہ میں پیش ہوئے ہیں اس لئے ہم ایک ضمیمہ ساتھ لگا رہے ہیں جو جہاد کے متعلق دوسرے حوالوں سے بحث کرتا ہے۔

اِس اعتراض کا جواب کہ جماعتِ احمدیہ کو اسلام سے کوئی ہمدردی نہیں

آخر میں ہم یہ لکھ دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ رسالہ ''جہاد'' چونکہ جہاد کے متعلق جماعتِ احمدیہ کے مسلک کو نہایت واضح کر دیتا ہے اِس لئے ہم اِس رسالہ کی ایک کاپی اپنے بیان کے ساتھ شامل کئے دیتے ہیں۔ اگر آنریبل ججز اِس رسالہ پر نظر ڈالیں گے تو ان پر ساری حقیقت کھل جائے گی۔ اِس اعتراض کا پس منظر اصل میں یہ ہے کہ احمدیہ جماعت انگریزوں کی قائم کردہ ہے اور اِس کو اسلام سے کوئی ہمدردی نہیں۔

ہم اِس کے جواب میں وہ نوٹ پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں جو ہندوستان کے ایک مانے ہوئے عالم اور اخبار وکیل امر تسر کے ایڈیٹر مولانا عبد اللہ العمادی نے 1908ء میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی وفات پر شائع کیا تھا۔ یہ وہ شخص ہے جو مسلمان لیڈروں میں بڑی حیثیت رکھتا تھا اور جو بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا ہمعصر تھا اور جس کے سامنے اُن کی زندگی کے حالات گزرے تھے۔ اس کے مقابلہ میں بعد کو آنے والے لوگوں کے بیان کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ وہ نوٹ یہ ہے:-

''وہ شخص، بہت بڑا شخص۔ جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔
وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔

جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے اور جس کی دونوں مُٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دُنیا کے لئے تیئیس برس تک زلزلہ اور طوفان بنارہا، جو شورِ قیامت ہو کر خفتگان خوابِ ہستی کو بیدار کرتا تھا۔ خالی ہاتھ دُنیا سے اُٹھ گیا۔ یہ تلخ موت، یہ زہر کا پیالہ موت جس نے مَرنے والے کی ہستی تہِ خاکِ پنہاں کی۔ ہزاروں لاکھوں زمانوں پر۔ تلخ ناکامیاں بن کر رہے گی۔ اور قضاء کے حملہ نے ایک جیتی جان کے ساتھ جن آرزوؤں اور تمناؤں کا قتلِ عام کیا ہے۔ صدائے ماتم مدتوں اس کی یادگار تازہ رکھے گی۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اِس قابل نہیں کہ اِس سے سبق حاصل نہ کیا جائے اور مٹانے کے لئے اسے امتدادِ زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دُنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دُنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دُنیا میں انقلاب کر کے دکھلا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی اِس رحلت نے اُن کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو، ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ اُن کا ایک بڑا شخص اُن سے جُدا ہو گیا اور اس کے ساتھ مخالفینِ اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اُس کی ذات سے وابستہ تھی، خاتمہ ہو گیا۔ اُن کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے، ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے

تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دُشمنوں کو عرصہ تک پست و پائمال بنائے رکھا، آئندہ بھی جاری رہے..... مرزا صاحب اِس پہلی صفِ عشاق میں نمودار ہوئے تھے جس نے اسلام کے لئے یہ ایثار گوارا کیا کہ ساعتِ مہد سے لے کر بہار و خزاں کے سارے نظارے ایک مقصد پر ہاں ایک شاہدِ رعنا کے پیمانِ وفا پر قربان کر دیئے۔ سیّد احمدؒ، غلام احمد ، رحمت اللہؒ، آل حسنؒ، وزیر خاںؒ، ابو المنصورؒ۔ یہ سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے زمرہ کے لوگ تھے جنہوں نے بابِ مدافعت کا افتتاح کیا اور آخر وقت تک مصروفِ سعی رہے۔

اختلافِ طبائع اور اختلافِ مدارجِ قابلیت کے ساتھ ان کے رازِ خدمت بھی جُداگانہ تھے اور اِسی لئے اثر اور کامیابی کے لحاظ سے اُن کے درجے بھی الگ الگ ہیں۔ تاہم اِس نتیجہ کا اعتراف بالکل ناگزیر ہے کہ مخالفینِ اسلام کی صفیں سب سے پہلے انہی حضرات نے برہم کیں۔ مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر اُن سے ظہور میں آیا قبولِ عام کی سند حاصل کر چُکا ہے اور اِس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اِس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چُکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ وقت ہرگز لوحِ قلب سے نَسْیاً مَّنْسِیًّا نہیں ہو سکتا جبکہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گِھر چُکا تھا اور مسلمان جو حافظِ حقیقی کی طرف سے عالمِ اسباب و وسائط میں اس کی حفاظت پر مامور تھے اپنے قُصوروں کی پاداش میں پڑے سِسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کرسکتے تھے۔ ایک طرف حملوں کے امتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دُنیا اسلام کی شمعِ عرفانِ حقیقی کو سرِ راہِ منزل مزاحمت سمجھ کے مِٹا دینا چاہتی تھی اور عقل و دولت کی

زبردست طاقتیں اِس حملہ آور کی نسبت گرمی کے لئے ٹوٹی پڑتی تھیں اور دوسری طرف ضعفِ مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابلہ پر تیر بھی نہ تھے اور حملہ اور مدافعت دونوں کا قطعی وجود ہی نہ تھا۔ چونکہ خلافِ اصلیت محض شامتِ اعمال سے مفسدہ 1857ء کا نفسِ ناطقہ مسلمان ہی قرار دیئے گئے تھے۔ اِس لئے مسیحی آبادیوں اور خاص کر انگلستان میں مسلمانوں کے خلاف پولیٹیکل جوش کا ایک طوفان برپا تھا اور اِس سے پادریوں نے صلیبی لڑائیوں کے داعیان راہ سے کم فائدہ نہ اُٹھایا۔ قریب تھا کہ خوفناک مذہبی جذبے ان حضرات کے میراثی عارضۂ قلب کا جو اسلام کی خودرو سرسبزی کے سبب بارہ تیرہ صدیوں سے ان میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا چلا آیا تھا درمان ہو جائے کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصّہ مرزا صاحب کو حاصل ہؤا۔ اِس مدافعت نے نہ صرف عیسائی مذہب کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اُڑا دیئے جو سلطنت کے زیر سایہ ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھوٗاں ہو کر اُڑنے لگا........ غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گراں بارِ احسان رکھے گی کہ اُنہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے وہ فرضِ مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اُس وقت تک کہ مسلمان کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایتِ اسلام کا جذبہ اُن کے شعارِ قومی کا عنوان نظر آئے، قائم رہے گا۔ اِس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے .....

ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعویٰ پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جاسکیں....... مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ مَیں ان سب کے لئے حکم و عدَل ہوں لیکن اِس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اِسلام کو نمایاں کر دینے کی اُن میں مخصوص قابلیت تھی اور یہ نتیجہ تھا اُن کی فطری استعداد کا، ذوقِ مطالعہ اور کثرتِ مشق کا۔ آئندہ اُمید نہیں ہے کہ ہندوستان کی مذہبی دُنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اِس طرح مذہب کے مطالعہ میں صَرف کر دے"۔

اِس بیان کے علاوہ ہم جماعتِ احرار کے لئے ہم اُن کے لیڈر چوہدری افضل حق صاحب کی ایک رائے بھی بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں جس سے احراریوں کے دعویٰ کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"آریہ سماج کے معرضِ وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسدِ بے جان تھا جس میں تبلیغی حِس مفقود ہو چکی تھی۔ سوامی دیانند کی مذہبِ اسلام کے متعلق بدظنّی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چوکنّا کر دیا مگر حسبِ معمول جلدی خوابِ گراں طاری ہو گئی۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہو سکی۔ ہاں ایک دِل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اُٹھا۔ ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اِسلام کی نشر و اشاعت کے لئے بڑھا۔ اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی کے داغ سے پاک نہ ہوُا۔ تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے

قابلِ تقلید ہے بلکہ دُنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے"۔ 373

سوال نمبر 7 متعلق اعتراض عَدم ہمدردیٔ مسلمانان

ہفتم یہ کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے مسلمان حکومتوں اور مسلمان تحریکوں سے کبھی ہمدردی نہیں کی۔

افسوس ہے کہ جماعتِ اسلامی، مجلسِ عمل اور احرار نے اس معاملہ میں بھی غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ ہمارے زمانے کی بڑی بڑی مشہور اسلامی حکومتیں تُرکی، عرب، مصر، ایران، افغانستان اور انڈونیشیا ہیں۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے زمانہ میں صرف تُرکی کی حکومت تھی جو مسلمانوں کے سامنے آئی تھی۔ ایران تو بالکل نظر انداز تھا اور افغانستان ایک رنگ میں انگریزوں کے ماتحت حکومت تھی۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے سامنے کوئی ایسی جنگ نہیں ہوئی جس میں ترکی اور یورپ کی بڑی طاقتوں کو آپس میں لڑنا پڑا ہو۔ سوائے اس جنگ کے جو کہ یونان کے ساتھ ہوئی تھی اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اِس معاملہ میں ترکی کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے ترکی حکومت کی تائید

آپ کے بعد دوسری جنگ ترکی اور اٹلی کے درمیان ہوئی جس میں جماعتِ احمدیہ نے ترکی سے ہمدردی ظاہر کی اور اٹلی کے خلاف جذبات کا اظہار کیا۔

تیسری جنگ ترکی اور اتحادی قوموں کے ساتھ ہوئی جس میں ترکی اپنی اغراض کے لئے نہیں کھڑا ہؤا تھا بلکہ جرمن کی تائید کے لئے کھڑا ہؤا تھا۔ لازماً اتحادی قوموں نے اپنی اپنی حکومتوں کی مدد کی۔ وہ وقت کسی ہمدردی کے اظہار کا تھا ہی نہیں۔ تمام مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ ترکی کی شکست کے بعد تحریکِ خلافت پیدا ہوئی لیکن اپنے ہاتھوں سے ترکی کی حکومت کو تباہ کرنے کے بعد خلافت کا شور مچانا یہ تو کوئی پسندیدہ طریق

نہیں تھا مگر اُس وقت بھی موجودہ امام جماعت احمدیہ نے ترکی کی تائید میں دو ٹریکٹ لکھے جن میں سے ایک کا نام ''ترکی کا مستقبل اور مسلمانوں کا فرض'' ہے اور دوسرے کا نام ''معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آئندہ رویہ'' ہے۔

عربوں کی امداد

پھر جب عربوں کے ساتھ یورپین لوگوں نے معاہدہ کیا تو اس پر بھی امام جماعت احمدیہ نے سختی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور کہا کہ عربوں کے ساتھ انگریزوں نے ظلم کیا ہے اور ان کے ساتھ دھوکا کیا ہے۔374

انڈونیشیا کی آزادی

پھر انڈونیشیا کی آزادی کا سوال پیدا ہؤا تو اس میں بھی احمدی جماعت نے انڈونیشیا کی آزادی کی پوری طرح تائید کی اور انڈونیشیا کی زمین اسی طرح احمدی محبّانِ وطن کے خون سے رنگین ہے جس طرح کہ غیر احمدی محبّانِ وطن کے خون سے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ انڈونیشین ایمبیسیڈر (سفیر) نے اپنی حکومت کی طرف سے گزشتہ فسادات کے موقع پر حکومتِ پاکستان کے فارن منسٹر کے خلاف شورش پیدا ہونے پر انڈونیشین حکومت کی ناپسندیدگی کو ظاہر کیا۔ یہ انڈونیشین ایمبیسیڈر احمدی نہیں تھا اور اب تک وہی ایمبیسیڈر ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ مجلسِ عمل کے نمائندہ شمسی صاحب نے اس کو (اپنی ناجائز اغراض پوری کرنے کے لئے) احمدی قرار دیا ہے حالانکہ جس شخص کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ احمدی ہے وہ کبھی بھی ایمبیسیڈر نہیں ہؤا۔ وہ موجودہ فسادات سے پہلے اور موجودہ ایمبیسیڈر سے پہلے انچارج کی حیثیت میں پاکستان میں رہا ہے اور ان فسادات سے پہلے بدل کر عراق میں بطور منسٹر کے چلا گیا تھا مگر یہ بتانے کے لئے کہ گویا بیرونی دُنیا میں اِن مظالم پر کوئی نفرت نہیں پیدا ہوئی تھی اگر کسی نے دلچسپی بھی لی تھی تو وہ صرف ایک احمدی تھا۔ یہ جھوٹ بولا گیا کہ انڈونیشین ایمبیسیڈر فساد کے وقت میں احمدی تھا۔ فسادات کے وقت میں جو ایمبیسیڈر تھا وہ آج بھی ہے اور وہ نہ اُس وقت احمدی تھا اور نہ اِس وقت تک ہے۔

شُدھی کا مقابلہ

ہندوستان میں جب ملکانہ میں آریوں نے لوگوں کو شُدھ کرنا شروع کیا تو اُس وقت احمدی ہی تھے جو مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے اور اُنہوں نے اعلان کر دیا کہ اِس معاملہ کے دَوران میں ہم احمدیت کی تبلیغ نہیں کریں گے۔ 375

چنانچہ بیس ہزار کے قریب آدمیوں کو وہ واپس لائے اور وہ آج تک بھی حنفی ہیں احمدی نہیں اور اس وقت ملکانہ لیڈروں نے ہمارے اس کام کا اقرار کیا اور اس کی پبلک میں گواہی دی۔ 376

سکھ حملہ آوروں کا مقابلہ اور وَرتمان کی شرارت کا جواب

1927ء میں جب لاہور میں مسجد سے نکلتے ہوئے چند مسلمانوں پر سکھوں نے بِلاوجہ حملہ کر دیا تو اُس وقت بھی احمدی ہی اس مقابلہ کے لئے آگے آئے۔ 377 اور ورتمان کی شرارت کا جواب بھی احمدیوں نے ہی دیا۔ 378 چنانچہ ان ہی کی کوششوں کے نتیجہ میں 53 الف کا قانون بنا۔ ورتمان کے ایڈیٹر کو سزا ملی اور یہ وہی زمانہ ہے جبکہ احرار معرضِ وجود میں آرہے تھے مگر ابھی اُنہوں نے اپنا نام احرار اختیار نہیں کیا تھا۔

بہار اور کلکتہ کے فسادات

پھر جب بمبئی، بہار اور کلکتہ کے فسادات ہوئے تو اس وقت مسلمانوں کی تائید میں امام جماعتِ احمدیہ نے انگریزی میں ٹریکٹ لکھ کر انگلستان میں شائع کیا اور انگلستان کے کئی اخبارات نے ان سے متاثر ہو کر مسلمانوں کی تائید میں نوٹ لکھے۔

بہار کے فسادات

جب بہار کے فسادات ہوئے اور بہت سے مسلمان مارے گئے تو قائدِ اعظم کی چندہ کی تحریک کا سب سے پہلے جماعت احمدیہ نے خیر مقدم کیا اور یہ پیش کیا کہ وہ اپنی تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ چندہ دیں گے۔ چنانچہ اُنہوں نے چندہ دیا اور نہ صرف قائدِ اعظم کے فنڈ میں چندہ دیا بلکہ خود وہاں وفد بھیجے جو مسلمانوں کو اُن کی جگہوں میں بسائیں اور اُن کے حقوق اُن کو دِلائیں۔ 379

کشمیر کمیٹی

جب کشمیریوں پر ظلم ہؤا تو اُس وقت بھی آگے آنے والی جماعت، جماعتِ احمدیہ ہی تھی۔ خود علامہ اقبال نے کشمیر کمیٹی کا صدر امام جماعت احمدیہ کو بنوایا۔ دو سال تک احمدی وکیل مُفت کشمیر کے مقدمے لڑتے رہے۔ مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک جتنے مقدمے اُن دِنوں میں مسلمانوں پر کئے گئے اور جتنی گرفتاریاں مسلمانوں کی ہوئیں اُن میں سے پچانوے فیصدی مقدمے احمدیوں نے لڑے اور گرفتار شُدگان کی تعداد میں سے اَسّی فیصدی کو رہا کرایا۔ حالانکہ احمدی وکیلوں کی تعداد غیر احمدی وکیلوں کے مقابلہ میں شاید ایک فیصدی ہو گی۔ **380**

باؤنڈری کمیشن

باؤنڈری کمیشن کے موقع پر قائدِ اعظم کی نظر باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش ہونے کے لئے صرف چوہدری ظفر اللہ خاں پر پڑی اور جب لیگ نے دیکھا کہ کانگرس شرارت کر کے سکھوں اور بعض اور قوموں کو آگے لا رہی ہے یہ بتانے کے لئے کہ ساری قومیں مسلمانوں کے خلاف ہیں تو لیگ کے کہنے پر جماعتِ احمدیہ نے بھی اپنا وفد باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش کیا اور اس بات کا اظہار کیا کہ جماعت احمدیہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہے اور وہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ ضلع جس میں اُن کا سنٹر ہے وہ پاکستان میں جائے۔ ضلع گورداسپور کی ساری آبادی میں مسلمان ساڑھے اکاون فیصدی تھے۔ اگر احمدی کافر قرار دے کے اس میں سے نکال دیئے جاتے جیسا کہ احراریوں کا تقاضا تھا تو ضلع گورداسپور کی کل مسلمان آبادی چھیالیس فیصدی رہ جاتی تھی۔ اِس ضرورت کو مدِّنظر رکھتے ہوئے لیگ نے چاہا کہ احمدی وفد پیش ہو اور اس ضرورت کے ماتحت احمدی وفد پیش ہؤا اور اُس نے صفائی سے کہہ دیا کہ ہم مسلمانوں کا حصّہ ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور اِس کا ثبوت یہ ہے کہ باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش ہونے کی صرف لیگ یا کانگرس کو اجازت تھی اور دوسری کوئی جماعت انہی کی اجازت سے پیش ہو سکتی تھی۔

کشمیر کی جنگ میں حصّہ

جب پارٹیشن ہوئی اور کشمیر میں لڑائی شروع ہوئی تو احمدی جماعت ہی تھی جو کہ منظم طور پر اس جنگ میں شرکت کے لئے گئی اور انہوں نے تین سال تک برابر اس محاذ کو سنبھالے رکھا جو کہ کشمیر کا سخت ترین محاذ تھا۔ یہاں تک کہ فوجی حُکّام کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ اس لڑائی کے لمبے عرصے میں احمدی فوج نے ایک انچ زمین بھی دُشمن کے ہاتھ میں نہیں جانے دی۔[381]

اُس وقت مولانا مودودی یہ اعلان کر رہے تھے کہ کشمیر کا جہاد ناجائز ہے۔[382] ہم اُن کے فتویٰ سے متفق ہیں کہ یہ مذہبی جہاد نہ تھا مگر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تو فرمایا ہے کہ جو اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لئے لڑتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔ پس یہ جنگ اسلام کی تعلیم کے مطابق منع نہ تھی بلکہ پسندیدہ تھی۔

اور یہ احراری علماء احمدیوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کی کوشش کر رہے تھے اور احمدی فوج کی بدنامی کے لئے پورا زور لگا رہے تھے۔

تقسیم پنجاب کے وقت مسلمانوں سے تعاون

پھر گزشتہ تقسیم پنجاب کے فسادات کے موقع پر جماعتِ احمدیہ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ جو تعاون کیا ہے اُس کے متعلق ہم مندرجہ ذیل شہادتیں اپنے حال کے مخالفین کی ہی پیش کرتے ہیں۔ اخبار ''زمیندار'' 3/اکتوبر 1947ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:-

> ''اِس میں شک نہیں مرزائیوں نے مسلمانوں کی خدمت قابلِ شکریہ طریقہ پر کی''۔

20 ستمبر 1947ء کا اخبار زمیندار لکھتا ہے:-

> ''قادیان میں اس وقت تقریباً ایک لاکھ پناہ گزین موجود ہیں''۔

11 اکتوبر 1947ء کے اخبار زمیندار نے لکھا:-

> ''کل صبح ہندوستانی فوج کے ایک بڑے افسر نے تین

بریگیڈ یئرز کے ہمراہ قادیان کا دَورہ کیا۔ اس پارٹی کا متفقہ بیان ہے کہ قادیان کے تمام حصّے صحرا کا منظر پیش کر رہے ہیں، ہر جگہ ہُو کا عالم ہے۔ البتہ تین علاقے ایسے ہیں جہاں ایسے مسلمان دکھائی دیئے جو کفّار کے مقابلہ کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کا عزم صمیم کر چکے ہیں۔ ان لوگوں کے چہروں سے بشاشت ٹپکتی ہے..... پناہ گزینوں کی حالت بہت ابتر ہے۔ مقامی مِلٹری نے انہیں خوراک دینے سے اِنکار کر دیا اور احمدیہ انجمن سے کہا ہے کہ وہ ان مصیبت زدوں کے لئے خوراک کا انتظام کرے۔ چنانچہ انجمن اپنا راشن کم کر کے اِن پناہ گزینوں کو خوراک دے رہی ہے"۔ 383

مولانا محمد علی جوہر کی تصدیق

اِس سوال کے جواب کے آخر میں ہم جماعتِ احمدیہ کے متعلق مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی رائے بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ مولانا محمد علی ایسے بڑے لیڈر تھے کہ قائدِ اعظم اور مولانا محمد علی کے مقابلہ میں اور کوئی سیاسی لیڈر نہیں ٹھہر سکتا اور اسلام کی اتنی غیرت رکھتے تھے کہ دُشمن بھی اُن کی اِس خوبی کو تسلیم کرتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے اخبار "ہمدرد" دہلی مؤرخہ 24 ستمبر 1927ء میں لکھا:-

"ناشکر گزاری ہو گی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور اُن کی اس منظم جماعت کا ذکر اِن سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بِلا اختلافِ عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت تک اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی تنظیم و تجارت میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں اور وہ وقت دُور نہیں جبکہ اسلام کے اِس منظم فرقہ کا طرزِ عمل سوادِ اعظم اسلام کے لئے بالعموم اور اُن اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے

گنبدوں میں بیٹھ کر خدمتِ اسلام کے بُلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں۔ مشعلِ راہ ثابت ہو گا"۔ 384

اِس حوالہ سے ظاہر ہے کہ مولانا محمد علی جوہر ؔ کے نزدیک نہ صرف جماعت احمدیہ کُلّی طور پر مسلمانوں کی بہبودی میں لگی ہوئی تھی اور مسلمانوں کی تنظیم اور جماعت کی ترقی کے لئے کوشش کر رہی تھی بلکہ اُن کے نزدیک مسلمان علماء کے لئے ضروری تھا کہ وہ جماعتِ احمدیہ کے کاموں میں اس کی تردید نہیں بلکہ تائید کریں اور تائید ہی نہیں اُس کے نقشِ قدم پر چلیں۔

سوال نمبر 8 دربارہ اعتراض دُشنام دہی

ہشتم: کہا گیا ہے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کو عموماً اور مسلمان علماء کو خصوصاً سخت گالیاں دی ہیں۔

یہ اعتراض بھی بالکل غلط ہے۔ بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جو کچھ کہا ہے جواباً کہا ہے۔ جب یہ لوگ ایک لمبے عرصے تک گالیوں سے باز نہ آئے تو اُنہوں نے کچھ الفاظ استعمال کئے تا کہ اُن کو احساس ہو جائے کہ ان الفاظ کا استعمال مناسب نہیں۔

بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے حق میں غیر احمدی علماء کے سخت الفاظ

بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے متعلق جو سخت الفاظ استعمال کئے گئے اُن کی ایک مختصر سی لِسٹ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ان علماء نے لکھا:-

"مرزا (کادیانی) کافر ہے۔ چھُپا مُرتد ہے۔ گمراہ ہے۔ گمراہ کُنندہ مُلحد ہے۔ دجّال ہے۔ وسوسہ ڈالنے والا۔ ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والا۔ لَا شَکَّ اَنَّ مِرْزَا کَافِرٌ۔ مُرْتَدٌ۔ زِنْدِیْقٌ۔ ضَالٌّ۔ مُضِلٌّ۔ مُلْحِدٌ۔ دَجَّالٌ۔ وَسْوَاسٌ۔ خَنَّاسٌ"۔ 385

"مرزا قادیان اہلِ اسلام سے خارج ہے اور سخت مُلحد اور ایک دجّال دجالون مخبر عنہا سے ہے اور پیرو اُس کے گمراہ ہیں"۔ 386

''حقیقت میں ایسا شخص منجملہ اُن دجّالوں کے ایک دجّال مگر بڑا بھاری دجّال بلکہ اُس کا عمّ وخال ہے''۔ 387

''وہ کافر ہے۔ بدکردار شریعتِ محمدیہ کا مخالف۔ اس کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ خدا اس کا مُنہ کالا کرے''۔ 388

''غلام احمد قادیانی کج رو۔ پلید۔ جس کا عقیدہ فاسد ہے اور رائے کھوٹی گمراہ ہے۔ لوگوں کو گمراہ کرنے والا۔ چھپا مُرتد ہے بلکہ وہ اپنے اس شیطان سے زیادہ گمراہ ہے جو اُس سے کھیل رہا ہے''۔ 389

''اسلام کا چھپا دُشمن۔ مسیلمۂ ثانی۔ دجّالِ زمانی نجومی۔ رملی۔ جوتشی۔ اٹکل باز جفری بھنگڑ بھکڑ۔ اَرڑ پوپو۔ مکّار۔ جھوٹا۔ فریبی۔ ملعون۔ شوخ۔ گستاخ۔ مثیلِ دجّال۔ اعورالدجال۔ غدّار۔ کاذب۔ کذّاب۔ ذلیل و خوار۔ مردود۔ بے ایمان۔ روسیاہ۔ رہبر ملاحدہ۔ عبدالدراھم والدنانیر تمغاتِ لعنت کا مستحق۔ موردِ ہزار لعنت۔ ظلّام افّاک۔ مفتری عَلَی اللہ جس کا الہام احتلام۔ بے حیا۔ دھوکا باز۔ حیلہ باز۔ بھنگیوں اور بازاری شُہدوں کا سرگروہ۔ دہریہ جہان کے احمقوں سے زیادہ احمق۔ جس کا خدا شیطان۔ یہودی۔ ڈاکو۔ خون ریز۔ بے شرم۔ مکّار۔ طرار۔ جس کی جماعت بدمعاش بدکردار۔ زانی۔ شرابی۔ مالِ مردم خور۔ اس کے پیروخرانِ بے تمیز''۔ 390

''دجّال ۔ ملحد۔ کافر۔ رُوسیاہ۔ بدکار۔ شیطان۔ لعنتی۔ بے ایمان۔ ذلیل و خوار۔ خستہ خراب۔ کاذب۔ شقی سرمدی۔ لعنت کا طوق اس کے گلے کا ہار ہے۔ لعن طعن کا جُوت اس کے سر پر پڑا۔ اللہ کی لعنت ہو۔ اس کی سب باتیں بکواس ہیں''۔ 391

کیا ان الفاظ کے کہنے کا ان علماء کا حق تھا لیکن اس کے جواب میں بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو کوئی بات کہنے کا حق نہیں تھا؟ علاوہ ازیں یہ بات بھی یاد رکھنے والی ہے کہ

بعض الفاظ جو زیادہ سخت نظر آتے ہیں اصل میں عربی زبان میں ہیں اور ان کا غلط ترجمہ کر کے لوگوں کو اشتعال دلایا جاتا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ 547 کا حوالہ ہے۔

آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ 457 کا حوالہ

1- کہا گیا ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ 457 پر تمام غیر احمدی مسلمانوں کو ''کنجریوں کی اولاد'' قرار دیا ہے۔ اِس کے جواب میں عرض ہے کہ آئینہ کمالاتِ اسلام پہلی مرتبہ 1893ء میں شائع ہوئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن 1924ء میں (یعنی آج سے تیس سال قبل) شائع ہوُا۔ جو عبارت مجلسِ عمل نے پیش کی ہے وہ عربی زبان میں ہے اور اس کے نیچے عربی عبارت کا کوئی ترجمہ اصل کتاب میں نہیں ہے جو ترجمہ مجلس عمل نے کیا ہے جماعت احمدیہ نے کبھی بھی درست تسلیم نہیں کیا بلکہ 1933ء و1934ء سے لے کر آج تک متواتر بیس سال سے ہماری طرف سے یہ اعلان کیا جاتا رہا کہ یہ ترجمہ غلط ہے بلکہ ذرّیۃ البغایا کے معنے ''ہدایت سے دُور'' اور ''حد سے بڑھ جانے'' کے ہیں۔ نیز یہ کہ یہ عبارت غیر احمدی مسلمانوں کی نسبت نہیں ہے بلکہ متعصب اور بدزبان پادریوں اور پنڈتوں کی نسبت ہے۔ اندریں حالات اگر اس تحریر یا اس کے اس ترجمہ کی اشاعت سے اشتعال پیدا ہوُا تو اس کی ذمّہ داری ان علماء پر ہے جنہوں نے بار بار عوام میں اس عبارت کا خود ساختہ ترجمہ شائع کر کے ان کو اشتعال دلایا۔

2- ذُرّیۃ البغایا جس کا ترجمہ کنجریوں اور بدکاروں کی اولاد کیا گیا ہے اس کی تفسیر حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے اِس عبارت میں خود ہی فرما دی ہے۔ ''اَلَّذِیْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ''۔ یعنی ذرّیۃ البغایا وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مُہر کر دی ہے۔ وہ قبول نہیں کریں گے یعنی رُشد و ہدایت سے محروم لوگ۔

3- کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام کی اشاعت 1893ء کے وقت آپ کے ماننے والوں کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ ابھی تک جماعت احمدیہ کا نام (''مسلمان فرقہ احمدیہ'' جو

1900ء میں رکھا گیا) بھی نہیں رکھا گیا تھا۔ نمازوں اور جنازوں میں بھی علیحدگی واقع نہیں ہوئی تھی اس کتاب کے ضمیمہ میں اس سال جلسہ سالانہ قادیان میں باہر سے شامل ہونے والوں کی تعداد تین سو بیس لکھی ہے اور اُس وقت زیادہ سے زیادہ دو تین ہزار آدمی آپ کو ماننے والے تھے۔ اگر مجلسِ عمل کا ترجمہ درست مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ کو ماننے والوں کے سوا تمام لوگ ذرّیۃ البغایا ہیں اور وہ آپ کو ہرگز نہیں مانیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ مفہوم بالبداہت غلط اور باطل ہے۔ کیونکہ آپ کے ماننے والوں کی تعداد 1893ء کے بعد ہی بڑھی اور بڑھتے بڑھتے لکھوکھہا تک پہنچ گئی۔ پس پیش کردہ ترجمہ یقیناً غلط ہے۔

4- ایک اور ثبوت اِس عمل کا کہ محوّلہ عبارت میں عام غیر احمدی مسلمان مراد نہیں ہیں، یہ ہے کہ اسی کتاب کے صفحہ 530 پر (مجلسِ عمل کی پیش کردہ عبارت سے چند صفحات پہلے) حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہوئے عام مسلمانوں کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:-

"اے قیصرہ محترمہ آنچہ انجامکار و اہم جمیع امورے خواہم۔ نصحاً در خدمت بہ تقدیم رسانم آنست کہ مسلمانان عضد خاص سلطنت و جناحِ دولتِ تو مے باشند و نیز آنہارا در ملکِ تو خصوصیت ممتازے و جلیلے است کہ از نظر دوربینت پوشیدہ نیست۔ باید درآنہا مخصوصاً بہ نظر مرحمت و شفقت و لطف فوق العادت نگاہے بکنی و راحت و آرام و تالیف قلوب آنہارا نصب عین صحت خود سازی و بسیاری راازآنہا بر منازلِ عالیہ و مدارجِ قرب مشرف و سرفراز بفرمائی۔ آنچہ من بینم۔ تفضیل و تخصیص و ترجیح آنہابر جمیع اقوام از لوازمات و منبع مصالح و برکات است۔ خدارادلِ مسلمانان راخوش و کشت اُمید آنہارا سرسبز بکن زیراکہ حق تعالیٰ ترا نزولِ اجلال در زمین آنہا مرحمت فرمودہ و مالکِ مُلک گردانیدہ کہ مسلمانان قریب ہزار سال عنانِ امر و نہیش

در دست داشتہ اند"۔

یعنی اے قیصرہ! میں آپ کو محض للہ نصیحت کرتا ہوں کہ مسلمانانِ ہند تیرے خاص بازو ہیں اور ان کو تیری مملکت میں ایک خصوصیت حاصل ہے۔ اِس لئے تجھے چاہئے کہ مسلمانوں پر خاص نظرِ عنایت رکھے اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائے اور ان کی تالیف قلوب کرے اور ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ مُلکی مناصب اور عہدوں پر سرفراز کرے۔ وہ اس مُلک پر ایک ہزار سال تک حکومت کر چکے ہیں اور اُن کو اِس مُلک میں ایک خاص شان حاصل تھی اور وہ ہندوؤں پر حاکم رہے ہیں۔ اِس لئے تجھے یہی مناسب ہے کہ تو اُن کی عزت و تکریم کرے اور بڑے سے بڑے عُہدے ان کے سُپرد کرے۔

(ب) پھر اِسی آئینہ کمالاتِ اسلام کے صفحہ 265، 266 حاشیہ بر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ تکفیر کرنے والے علماء کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے آپ کو دوسرے عام مسلمانوں کے ساتھ بدیں الفاظ شامل فرماتے ہیں:-

"مولوی لوگ اپنے نفسانی جھگڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور دعوتِ اسلام کی نہ لیاقت رکھتے ہیں اور نہ اس کا کچھ جوش، نہ اس کی کچھ پرواہ۔ اگر ان سے کچھ ہو سکتا ہے تو صرف اسی قدر کہ اپنی ہی قوم اور اپنے ہی بھائیوں اور اپنے جیسے مسلمانوں اور اپنے جیسے کلمہ گویوں اور اپنے جیسے اہلِ قبلہ (حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور آپ کے ماننے والوں۔ ناقل) کو کافر قرار دیں۔ دجّال کہیں اور بے ایمان نام رکھیں اور فتویٰ لکھیں کہ اُن سے ملنا جائز نہیں اور اُن کا جنازہ پڑھنا روا نہیں"۔

(ج) پھر صفحہ 339 پر تحریر فرماتے ہیں:-

"مسیح موعود کا دعویٰ اس حالت میں گراں اور قابلِ احتیاط ہوتا کہ جب اس دعویٰ کے ساتھ نعوذ باللہ کچھ دین کے احکام کی کمی و بیشی ہوتی اور ہماری عملی حالت دوسرے مسلمانوں سے کچھ فرق رکھتی۔

اب جبکہ ان باتوں میں سے کوئی بھی نہیں۔ صرف مابہ النزاع حیاتِ مسیح اور وفاتِ مسیح ہے اور مسیح موعود کا دعویٰ اس مسئلہ کی در حقیقت ایک فرع ہے اور اس دعویٰ سے مراد کوئی عملی انقلاب نہیں اور نہ اسلامی اعتقادات پر اس کا کچھ مخالفانہ اثر ہے تو کیا کوئی اس دعویٰ کے قبول کرنے کے لئے کسی بڑے معجزہ یا کرامت کی حاجت ہے؟"

(د) پھر صفحہ ۴۱۹ پر عرب کے مشائخ کو اِن الفاظ میں مخاطب فرماتے ہیں:-

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَيُّهَا الْاَ تْقِيَاءُ الْاَصْفِيَاءُ مِنَ الْعَرَبِ الْعُرَبَآءِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ اَرْضِ النُّبُوَّةِ وَجِيْرَانَ بَيْتِ اللّٰهِ الْعُظْمٰى اَنْتُمْ خَيْرَ اُمَمِ الْاِسْلَامِ وَخَيْرَ حِزْبِ اللّٰهِ الْاَعْلٰى"۔

ترجمہ فارسی: "بنام مشائخ و صلحائے عرب۔ السلام علیکم اے اتقیائے برگزیدہ ہا از عرب عرباء۔ السلام علیکم اے ساکنانِ زمینِ نبوت وہمسایہ گانِ خانۂ بزرگِ خداوند جّل وعلا۔ شما بہترینِ امت ہائے اسلام و گروہِ برگزیدہ خدائے بزرگ ہستید"۔ 392

(ر) پھر اسی کتاب کے آخر میں آخری ضمیمہ کے صفحہ ۴ پر زیر عنوان اشتہار کتاب آئینہ کمالات اسلام تحریر فرماتے ہیں:-

"مجھے یہ بڑی خواہش ہے کہ مسلمانوں کی اولاد اور اسلام کے شرفاء کی ذرّیت جن کے سامنے نئے علوم کی لغزشیں دن بدن بڑھتی جاتی ہیں اِس کتاب (آئینہ کمالاتِ اسلام۔ناقل) کو دیکھیں۔ اگر مجھے وُسعت ہوتی تو مَیں تمام جلدوں کو مُفت للہ تقسیم کرتا"۔

مندرجہ بالا سب عبارتیں اُسی آئینہ کمالاتِ اسلام کی ہیں جس کے صفحہ 547 کا حوالہ مجلسِ عمل نے دیا ہے اور یہ الزام لگایا ہے کہ اِس عبارت میں نَعُوْذُ بِاللّٰہ حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ نے غیر احمدی مسلمانوں کو کنجریوں کی اولاد قرار دیا ہے۔ جو شخص اس کتاب میں دوسرے تمام مسلمانوں کو اپنی طرح کا مسلمان قرار دیتا ہے اور اُن کو

"مسلمانوں کی اولاد" اور "اسلام کے شرفاء کی ذرّیت" قرار دیتا ہے اور اُن مشائخ کو جو آپ کی جماعت میں شامل نہیں ہوئے تھے، اپنے پاکیزہ الفاظ میں یاد کرتا ہے۔ کیا ممکن ہے کہ وہ اس کتاب میں اِن کو نَعُوْذُ بِاللّٰہ "کنجریوں کی اولاد" قرار دے؟

5-ایک اور ثبوت اس امر کا کہ پیش کردہ الفاظ غیر احمدی مسلمانوں کی نسبت نہیں ہیں، خود پیش کردہ عبارت کا سیاق وسباق ہے جو درج ذیل ہے:-

> "جب مَیں بیس سال کی عمر کو پہنچا تبھی سے میرے دل میں یہ خواہش رہی کہ اسلام کی نصرت کروں اور آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مقابلہ کروں۔ چنانچہ اِس غرض سے مَیں نے متعدد کتب تصنیف کیں جن میں سے ایک براہین احمدیہ ہے ..... نیز اور بھی کتابیں ہیں جن میں سے سُرمہ چشم آریہ، توضیح مرام، فتح اسلام، ازالہ اوہام ہیں۔ نیز ایک اور کتاب بھی جو مَیں نے انہی دنوں لکھی ہے۔ اس کا نام دافع الوساوس (آئینہ کمالاتِ اسلام) ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو دین اسلام کا حسن دیکھنا اور دشمنانِ اسلام کو لاجواب کرنا چاہتے ہیں یہ کتاب نہایت مفید ہے۔ یہ کتابیں ایسی ہیں کہ سب کے سب مسلمان ان کو محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے معارف اور مطالب سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور میری تائید کرتے اور جو میری دعوت (یعنی دعوتِ اسلام) کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہاں وہ ذُرِّیۃ البغایا جن کے دِلوں پر اللہ تعالیٰ نے مُہر کر دی ہوئی ہے، وہ قبول نہیں کرتے"۔ 393

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنے مخصوص دعاوی کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اپنے دعویٰ سے پہلے بیس سالہ عمر کی زندگی کا ذِکر فرمایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ براہین احمدیہ میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل رسول ہونا اور قرآنِ مجید کا کامل کتاب ہونا ثابت کیا ہے اور تمام مسلمان فی الواقع اب تک اِس کے

مدّاح ہیں۔ حتّٰی کہ خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی (جنہوں نے سب سے پہلے بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر کُفر کا فتویٰ لگایا) اِس پر تعریف وستائش سے بھرا ہوا شاندار ریویو لکھا اور اُسے فی زماننا بے نظیر کتاب اور اس کے مؤلف کو بے نظیر مؤیدِ اسلام قرار دیا اور کتاب سُرمہ چشم آریہ جس کا ذکر اس جگہ حضور نے کیا ہے ''مسلم بُک ڈپو'' لاہور نے اپنے خرچ پر شائع کی۔

عبارت پیش کردہ میں ''دعوت'' سے مراد اپنے مخصوص مَابِهِ النِّزَاع دعاوی نہیں ہوسکتے کیونکہ ان کا ذکر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے مندرجہ بالا عبارت کے بعد بالفاظ ذیل فرمایا ہے:-

''اور جب مَیں اپنی پختگی عمر کو پہنچا اور چالیس سال کی عمر ہوئی تو نسیمِ وحی میرے پاس میرے ربّ کی عنایات لائی تا میری معرفت اور یقین میں اضافہ کرے''۔

پیش کردہ عبارت میں جو ''دعوت'' کا لفظ ہے اس سے مراد ''دعوتِ اسلام'' ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مجلس عمل کی پیش کردہ عبارت از صفحہ 547 کے ساتھ کامل مطابقت رکھنے والی اور مضمونِ واحد پر مشتمل عبارت اِس آئینہ کمالاتِ اسلام کے صفحہ 388 پر موجود ہے:-''وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنِّیْ عَاشِقُ الْاِسْلَامِ وَ فِدَاءُ حَضْرَةِ خَیْرِ الْاَنَامِ وَ غُلَامُ اَحْمَدَ الْمُصْطَفٰی حُبِّبَ اِلَیَّ مُنْذُ صَبَوْتُ اِلَی الشَّبَابِ وَ قَادَنِی التَّوْفِیْقُ اِلٰی تَأْلِیْفِ الْکِتَابِ اَنْ اَدْعُوا الْمُخَالِفِیْنَ اِلٰی دِیْنِ اللّٰہِ الْاَجْلٰی فَاَرْسَلْتُ اِلٰی کُلِّ مُخَالِفٍ کِتَابًا وَ دَعَوْتُ اِلَی الْاِسْلَامِ شَیْخًا وَّ شَابًّا''۔ [394]

اِس عربی عبارت کا فارسی ترجمہ آئینہ کمالاتِ اسلام کے صفحہ 392، 393 حاشیہ میں بدیں الفاظ درج ہے:-

''خدا تعالیٰ خوب میداند کہ من عاشقِ اسلام و فدائے سیّد الانام و غلامِ احمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مے باشم۔ از عنفوان وقتے کہ بالغ بسنّ شباب و موفق بتالیف کتاب شدہ ام دوست دار آں بُودہ ام

کہ مخالفین رابسُوئے دین روشن خدا دعوت کنم۔ بنا بر آں بسُوئے ہر
مخالفے مکتوبے فرستادم و جوان و پیر راندائے قبولِ اسلام دادہ ام"۔

مجلسِ عمل کی پیش کردہ اور مندرجہ بالا دونوں عبارتوں کا یکجائی طور پر مطالعہ کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ اوّل الذکر عبارت میں لفظ "دعوت" سے مراد "دعوتِ اسلام" ہی ہے نہ کہ اپنے مخصوص مَابِہِ النِّزاع دعاوی کو قبول کرنے کی دعوت۔

ذُرِّیَّۃُ الْبغَایَا کا صحیح مطلب

6- جیسا کہ اُوپر عرض کیا جا چُکا ہے "ذُرِّیَّۃُ الْبغَایَا" کے معنی "ہدایت سے دُور" اور "سر کش انسان کے ہیں۔

(الف) خود حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ نے اِس کا یہی ترجمہ کیا ہے۔ آپ کا ایک شعر ہے۔

اٰذَیْتَنِیْ خُبْثًا فَلَسْتُ بِصَادِقٍ
إِنْ لَّمْ تَمُتْ بِالْخِزْیِ یَا ابْنَ بَغَاءٖ

اِس شعر میں ابن بغاء کا لفظ اِستعمال ہوا ہے۔ آپ اپنے اِس شعر کا مندرجہ ذیل ترجمہ کرتے ہیں:-

"خباثت سے تُو نے مجھے ایذا دی ہے۔ پس اگر تُو اب رُسوائی سے ہلاک نہ ہوا تو مَیں اپنے دعویٰ میں سچّا نہ ٹھہروں گا۔ اے سر کش انسان"۔ 395

یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مندرجہ بالا ترجمہ خود حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کا اپنا کیا ہوا ہے جو بہر حال حُجّت ہے۔ کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام کی عربی عبارت کا ترجمہ خود حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کا کیا ہوا نہیں بلکہ مولانا عبد الکریم سیالکوٹی کا ہے۔ اِس لئے وہ بطور سند کے پیش نہیں ہو سکتا۔ پس حضرت بانئ سلسلہ احمدیہ کے نزدیک "ذرّیۃ البغایا" کا مطلب "سر کش انسان" ہو گا، نہ کہ کنجریوں کی اولاد۔

(ب) تاج العروس میں جو عربی لُغت کی مشہور کتاب ہے لکھا ہے کہ اَلْبَغِیُّ مطلق باندی کو کہتے ہیں چاہے وہ بدکار نہ ہو۔ یعنی اِس لفظ میں بدکاری کا مفہوم داخل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اِس تاج العروس میں بَغِیٌّ کے معنی متکبّر انسان کے بھی ہیں۔ پھر قاموس اور صراح میں جو عربی لُغت کی کتابیں ہیں لکھا ہے:۔

"یُقَالُ لِلْاُمَّةِ بَغِیٌّ وَ لَا یُرَادُبِہِ الشَّتَمُ وَ الْبَغَایَا اَیْضاً الطَّلَائِعُ الَّتِیْ تَکُوْنُ قَبْلَ وُرُوْدِ الْجَیْشِ"۔

یعنی جب باندی کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو اِس سے مُراد گالی نہیں ہوتی اور بغایا اُس ہراول دستے کو کہتے ہیں جو مقدمۃ الجیش یعنی لشکر کے آگے ہو آتے ہیں۔

اندریں صورت "ذرّیۃ البغایا" کے معنے ایسے لوگ ہوں گے جو گالی گلوچ اور تکفیر بازی اور معاندت میں عام لوگوں سے پیش پیش ہیں۔

(ج) تاج العروس میں ہے کہ "بغی" کا لفظ بدکار اور غیر بدکار دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اندریں صورت کیا ضرور ہے کہ اِس کا ترجمہ "بدکار" ہی لیا جائے۔ خصوصاً جبکہ بزرگانِ سلف کا یہ طریق رہا ہے اور یہی طریقہ ازراہِ احتیاط بھی مناسب ہے کہ اگر ایک لفظ کے دو معنے ہو سکتے ہوں تو انسب یہی ہے کہ وہ معنی لئے جائیں جو نرمی کے زیادہ قریب ہوں۔

مثال کے طور پر قرآن مجید کی آیت وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍۙ۔ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍۙ۔ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍۙ۔ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ۔ [396] پس دُشمنِ اسلام کے لئے لفظ زنیم استعمال ہوا ہے۔ اِس لفظ کے معنی حرامزادہ بھی ہیں اور اُس شخص کے بھی جو اُس کی طرف منسوب ہوتا ہو جس میں سے وہ درحقیقت نہ ہو۔

1- چنانچہ لُغت کی کتاب الفرائد الدریّہ میں زنیم کے معنی لکھے ہیں "Ignoble"۔

2- "المنجد" (لُغت کی کتاب) میں اِس کے معنی "الدنی الاصل" یعنی بد اصل لکھے ہیں۔

3- تفسیر کبیر مصنفہ حضرت امام رازیؒ جلد 8 صفحہ 265 مطبوعہ مصر میں لکھا ہے:۔

"فَالْحَاصِلُ اَنَّ الزَّنِیْمَ ھُوَ وَلَدُ الزِّنَاءِ"۔ یعنی زنیم کے معنی "ولد الزنا" کے ہیں۔ 397

4- تفسیر حسینی مترجم اُردو موسومہ بہ تفسیر قادری جلد 2 صفحہ 564 میں لکھا ہے:-

"زنیم۔ حرامزادہ۔ نطفہ نا تحقیق کہ اُس کا باپ معلوم نہیں"۔

لیکن عام طور پر علماء اور مفسرین نے اِس کے معنی بد فطرت اور شریر انسان یا ایسی قوم کی طرف منسوب ہونے والا جس میں سے وہ در حقیقت نہ ہو ہی کئے ہیں جو احتیاط کے پہلو سے نرمی کے زیادہ قریب ہیں۔ 398

ذرّیۃ البغایا کے متعلق حضرت امام باقرؒ کا حوالہ

پس انصاف اور امن پسندی کا اقتضاء یہ تھا کہ مخالفین اِس ذرّیۃ البغایا کا ایسا مفہوم نہ لیتے جو منشائے متکلّم کے بھی خلاف ہے، عبارت کے سیاق و سباق کے بھی خلاف ہے، واقعات کے بھی خلاف ہے اور جماعتِ احمدیہ کے مؤقف کے بھی بر خلاف ہے۔ شیعوں کے مشہور امام حضرت امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں:-

"اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ اَوْلَادُ بَغَایَا مَا خَلَا شِیْعَتُنَا"۔ 399

اے ابو حمزہ! خدا کی قسم ہمارے شیعوں کے سوا باقی تمام لوگ "اولادِ بغایا" ہیں۔

اِس عبارت میں بعینہٖ وہی لفظ اولادِ بغایا غیر شیعوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے جو آئینہ کمالاتِ اسلام کی عبارتِ زیر بحث میں ہے۔

حضرت امام باقرؒ کی مندرجہ بالا عبارت جب ذرّیۃ البغایا کے بارے میں اعتراض کے جواب میں جماعتِ احمدیہ کی طرف سے احرار کے سامنے پیش کی گئی تو مجلس احرار کے ترجمان اخبار "مجاہد" نے اِس کا مندرجہ ذیل جواب دیا:-

"ولد البغایا، ابن الحرام اور ولد الحرام۔ ابن الحلال اور بنت الحلال وغیرہ سب عرب کا اور ساری دُنیا کا محاورہ ہے جو شخص نیکی کو

ترک کر کے بدکاری کی طرف جاتا ہے اُس کو باوجودیکہ اُس کا حسب نسب درست ہو۔ صرف اعمال کی وجہ سے ابن الحرام، ولد الحرام کہتے ہیں۔ اِس کے خلاف جو نیکوکار ہوتے ہیں اُن کو ابن الحلال کہتے ہیں۔ اندریں حالات امامؑ کا اپنے مخالفین کو اَولادِ بغایا کہنا بجا اور درست ہے"۔ 400

لیکن ہمیں افسوس ہے کہ مجلس احرار اور اُس کے ہمنواؤں کو جماعتِ احمدیہ کی مخالفت میں یہ "عرب کا، ساری دُنیا کا محاورہ" یاد نہ رہا اور اُنہوں نے ممبروں پر، اسٹیج پر، اخبارات میں، رسائل میں، کتابوں میں غرضیکہ ہر جگہ پھر پھر کر یہ پروپیگنڈا جاری رکھا کہ نعوذ باللہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور جماعتِ احمدیہ کے نزدیک تمام غیر احمدی مسلمان نعوذباللہ کنجریوں کی اولاد ہیں۔ حالانکہ وہ یہ جانتے تھے کہ اُن کا یہ بیان کردہ ترجمہ جماعت احمدیہ کو مسلّم نہیں اور نہ یہ مسلّم ہے کہ یہ عبارت غیر احمدی مسلمانوں کی نسبت ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جن لوگوں کو وہ یہ عبارت سُنا سُنا کر اور اِس عبارت کا مخاطب بتا بتا کر اشتعال دلا رہے ہیں وہ اِس عبارت کی تحریر کے وقت (1893ء میں) پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہے کہ اِس اشتعال انگیزی اور اِس کے نتیجہ میں فسادات کی تمام ذمّہ داری خود اُن علماء پر ہے۔

9- پھر شیعہ صاحبان کے مستند امام حضرت جعفر صادق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

"مَنْ أَحَبَّنَا كَانَ نُطْفَةُ الْعَبْدِ وَ مَنْ اَبْغَضَنَا كَانَ نُطْفَةُ الشَّيْطَانِ"۔ 401

یعنی جو شخص ہم سے محبت رکھتا ہے وہ بندے کا نطفہ ہے۔ مگر وہ جو ہم سے بُغض رکھتا ہے وہ نطفۂ شیطان ہے۔

کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؒ اور حضرت امام باقرؒ ایسے جلیل القدر اماموں نے شیعوں کے علاوہ تمام مسلمانوں کو اَولادِ بغایا اور نطفۂ شیطان قرار دیا تھا کیونکہ اِس قسم کے الفاظ سے صرف اظہارِ ناراضگی مقصود ہوتا ہے اور اُن کی

حقیقتِ لغوی مُراد نہیں ہوتی۔ نیز کیا غیر شیعہ مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ شیعوں کو قتل کرنا شروع کر دیں۔ اُن کے گھروں کو آگ لگا دیں اور اُن کا سازو سامان لُوٹ لیں اور جب اِس فساد کے اسباب کے بارہ میں تحقیقات شروع ہو تو مجلسِ عمل کی طرح یہ تحریری بیان داخل کر دیں کہ چونکہ شیعوں کے اماموں نے تمام غیر شیعہ مسلمانوں کو ''اولادِ بغایا'' اور ''نطفۂ شیطان'' قرار دیا تھا۔ اِس لئے اشتعال انگیزی اور فسادات کی ذمّہ داری خود شیعوں پر ہے۔

10- حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں:-

''مَنْ شَھِدَ عَلَیْھَا بِالزِّنَا فَھُوَ وَلَدُالزِّنَاءِ''۔402 یعنی جو شخص حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگائے وہ ولد الزنا ہے۔

اِس عبارت میں بھی حضرت امام اعظمؒ کا منشاء محض اظہارِ ناراضگی ہے نہ کہ معترض کے نسب پر اعتراض۔

خلاصہ کلام یہ کہ آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ 547 کی عبارت میں غیر احمدی مسلمانوں کے بارے میں کوئی سخت لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ جن لوگوں کی نسبت وہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ معدودے چند مخصوص افراد تھے جو فوت ہو چکے۔ موجودہ زمانہ کے لوگوں کا اِس عبارت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں اور اِس لفظ کے معنی صرف ہدایت سے دُور سرکش اور متکبّر انسانوں کے ہیں، نہ کہ کنجریوں کی اَولاد۔

اِس سلسلہ میں آخری گزارش یہ ہے کہ آئینہ کمالاتِ اسلام 1893ء میں شائع ہوئی۔ یہ عبارت عربی زبان میں ہے جس کو عام مسلمان سمجھ ہی نہیں سکتے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ اِس کی اشاعت کے 18 سال بعد تک زندہ رہے۔ آپ کی زندگی میں بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی غالباً 1933ء یا 1934ء تک کسی غیر احمدی عالم نے اِس عبارت کا مخاطب غیر احمدی مسلمانوں کو قرار نہیں دیا۔ سب سے پہلے 1933ء یا 1934ء میں مجلسِ احرار نے اِس عبارت کا خود ساختہ ترجمہ شائع کیا تو اُسی وقت جماعتِ احمدیہ نے بذریعہ اشتہارات و اخبارات وکُتب و رسائل یہ اعلان کر دیا تھا کہ ''ذرّیۃ البغایا'' کے

مخاطب غیر احمدی نہیں ہیں اور اس کا درست ترجمہ بھی وہ نہیں ہے جو مجلس احرار پیش کرتی ہے بلکہ اِس کا ترجمہ ہدایت سے دُور اور سرکش انسان ہے۔

چنانچہ لاہور سے احمدیہ فیلوشپ آف یوتھ نے ''گالی اور اظہار واقعہ میں فرق'' نامی ایک اشتہار 34-1933ء میں شائع کیا جو الفضل میں بھی شائع ہؤا۔ احمدیہ پاکٹ بُک ایڈیشن دسمبر 1934ء کے صفحہ 672 پر مفصل طور پر و ایڈیشن 1945ء کے صفحہ 962 و ایڈیشن 1952ء کے صفحہ 904 پر یہی اعلان کیا گیا۔

الفضل میں شائع ہؤا۔ پروفیسر الیاس برنی کی کتاب ''قادیانی مذہب'' کا جواب 35-1934ء میں شائع ہؤا۔ اس میں بھی صفحہ 322 پر یہی تحریر کیا گیا۔ چنانچہ پروفیسر الیاس برنی صاحب نے اپنی کتاب ''قادیانی مذہب'' کے بعد کے ایڈیشنوں میں ''قادیانی حساب'' صفحہ 24 تا صفحہ 27 پر جو سب کے سب فسادات سے پہلے شائع ہو چکے تھے خود یہ تحریر کیا کہ:-

> ''جماعت احمدیہ کا جواب یہ ہے کہ اِس لفظ کا ترجمہ ''ہدایت سے دُور اور سرکش انسان'' ہے۔ کنجریوں کی اَولاد نہیں''۔

پس باوجود اِس قدر متواتر اور بار بار تردید کے اگر احرار اور اُن کے ہمنواؤں نے اپنی اشتعال انگیزی کی مہم کو تیز کرنے کے لئے اِس حوالہ کو استعمال کیا تو اس سے فسادات کی ذمّہ داری اُن پر ہے۔

نجم الھُدیٰ صفحہ 10 کا حوالہ

اِسی طرح کہا گیا ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے نجم الھُدیٰ صفحہ 10 پر تمام غیر احمدی مسلمانوں کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ میرے دُشمن خنزیر ہیں اور اُن کی عورتیں کُتیاں ہیں۔ خِنزِیر کا لفظ قرآنِ کریم میں بھی اپنے مخالفوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔[403]

علاوہ ازیں مجلس عمل کی طرف سے نجم الھدیٰ صفحہ 10 میں جو حوالہ دیا گیا ہے وہ نامکمل ہے۔ اُنہوں نے اگلی سطر نقل نہیں کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی پیش کردہ عبارت میں اُن کے نہ ماننے والوں کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف

اُن لوگوں کا ذِکر ہے جو گالیاں دینے والے تھے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں:-

"اُنہوں نے گالیاں دیں اور مَیں نہیں جانتا کیوں دیں۔ کیا ہم اُس دوست کی مخالفت کریں یا اُس سے کنارہ کریں"۔ **404**

اس عبارت میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اُن دُشمنوں کا ذکر فرمایا ہے جو آپ کے محبوب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی اور بدگوئی سے کام لیتے تھے اور حضور کو گندی گالی دینے سے اُن کا مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو حضورؐ کی محبت سے دُور کر دیں مگر حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں کہ ہم ان دُشمنوں کی غلیظ گالیوں کے باعث اپنے محبوب سے کبھی کنارہ کش نہیں ہو سکتے۔

یہ گالیاں دینے والے کون تھے؟ اِس کی تفصیل بھی اسی کتاب نجم الھدیٰ کے صفحہ 12 پر پیش کردہ عبارت کے آگے تفصیل سے موجود ہے۔ حضور عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:-

(الف)"سو آپ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ دین صلیبی اُونچا ہو گیا اور پادریوں نے ہمارے دین کی نسبت کوئی دقیقہ طعن کا اُٹھا نہیں رکھا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور بہتان لگائے اور دُشمنی کی..... اور تھوڑی مدّت سے ایک لاکھ کتاب اُنہوں نے ایسی تالیف کی ہے جس میں ہمارے دین اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز گالیوں اور بہتان اور تہمت کے اور کچھ نہیں اور ایسی پلیدی سے وہ تمام کتابیں پُر ہیں کہ ہم ایک نظر بھی اُن کو دیکھ نہیں سکتے اور تم دیکھتے ہو کہ اُن کے فریب ایک سخت آندھی کی طرح چل رہے ہیں اور اُن کے دِل حیا سے خالی ہیں اور تم مشاہدہ کرتے ہو کہ اُن کا وجود تمام مسلمانوں پر ایک موت کھڑی ہے اور کمینہ طبع آدمی خس و خاشاک کی طرح اُن کی طرف کھینچے جا رہے ہیں..... پھر ان کی اپنی عورتیں اِسی غرض کے لئے شریفوں کے گھروں میں بھیجیں.....

ان کے مذہب باطل نے ہمارے مُلک کی نیکیوں کو دُور کر دیا اور کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں یہ مذہب باطل داخل نہ ہو..... اسلام پر وہ مصیبتیں پڑیں جن کی نظیر پہلے زمانوں میں نہیں ہے۔ پس وہ اُس شہر کی طرح ہو گیا جو مسمار ہو جائے اور اُس جنگل کی طرح جو وحشیوں سے بھر جائے"۔ 405

(ب) "ہم صرف اُن لوگوں کی طرف توجہ کرتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بصراحت یا اشارات سے گالیاں دیتے ہیں اور ہم اُن پادری صاحبوں کی عزت کرتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں دیتے اور ایسے دلوں کو جو اِس پلیدی سے پاک ہیں ہم قابلِ تعظیم سمجھتے ہیں اور تعظیم و تکریم کے ساتھ اُن کا نام لیتے ہیں اور ہمارے کسی بیان میں کوئی ایسا حرف اور نقطہ نہیں ہے جو اُن بزرگوں کی کسرِ شان کرتا ہو اور صرف ہم گالی دینے والوں کی گالی اُن کے مُنہ کی طرف واپس کرتے ہیں تا اُن کے افتراء کی پاداش ہو"۔ 406

(ج) "آپ لوگ دیکھتے ہیں کہ ہزار ہا مسلمان مُرتد ہو کر دین اسلام کو چھوڑ گئے ہیں۔ پس سوچ لو کہ کیا یہ نہایت بڑی مصیبت ہمارے دین محمدی پر نہیں ہے؟ اور پھر اُنہوں نے علاوہ بدمذہبی پھیلانے کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں بھی دیں اور ہمارے دین اسلام پر اعتراض کئے اور ہجو کی اور بات کو انتہا تک پہنچا دیا۔ کیا خدا نے ان کو ہمیں دُکھ دینے کیلئے موقع دیا اور ہمیں نہ دیا؟" 407

(د) "اس زمانہ میں فسادِ عظیم صلیبی کارروائیوں کا فساد ہے۔ اسی فساد نے بہت سے بیابانی اور شہری لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ پس یہ امر واجب ہے کہ مجدد اس صدی کا اس اصلاح کے لئے آوے اور بموجب منشاءِ احادیث کے کسرِ صلیب اور قتلِ خنازیر کرے"۔ 408

مندرجہ بالا عبارتوں سے (جو سب کی سب نجم الھدیٰ کی ہیں اور مجلس عمل کی

پیش کردہ عبارت سے آگے درج ہیں) صاف ظاہر ہے کہ مجلسِ عمل کی پیش کردہ عبارت میں ''دُشمن'' کے لفظ سے بھی گالیاں دینے والے بدزبان پادری اور اُن کی وہ عورتیں تھیں جن کا عبارت ''الف'' میں ذکر ہے۔ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گندی اور پلید گالیاں دیں اور مسلمانوں کے دلوں کو دُکھایا اور ''ینا بیع الاسلام اور امہات المسلمین'' نامی فحش سے بھری ہوئی کتابیں شائع کر کے کئی مسلمانوں کو مرتد کیا۔

پس مجلسِ عمل نے اِس عبارت کو پیش کر کے اور عوام الناس کو یہ بتا بتا کر کہ اے مسلمانو! تم کو مرزا صاحب نے سؤر اور تمہاری عورتوں کو کُتیاں قرار دیا ہے۔ ناحق اشتعال دلایا اور فساد برپا کیا۔

حالانکہ غیر احمدی مسلمانوں کو اِس کتاب میں اور مجلس عمل کی پیش کردہ عبارت از صفحہ 10 سے چند سطریں پہلے صفحہ 9 و صفحہ 11 پر تمام مسلمانوں کو اپنے بھائی قرار دیا ہے اور صفحہ 4 پر لکھا ہے:-

> ''اور میں خادموں کی طرح اس کام کے لئے اسلامی جماعت کے کمزوروں کے لئے کھڑا ہوں''۔

گویا اپنے آپ کو مسلمانوں کا خادم قرار دیا ہے۔ پس یہ الزام بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ آپ نے عام مسلمانوں کو نَعُوذُ بِاللّٰہ خنزیر وغیرہ الفاظ سے یاد کیا ہے بلکہ اِس پروپیگنڈا کی ایک اور واضح مثال ہے جو مجلسِ عمل اور مجلس احرار کے ممبران عام ناواقف مسلمانوں میں کرتے رہے اور جس کے نتیجہ میں یہ فسادات رُونما ہوئے۔

(ذ) اب آخری گزارش یہ ہے کہ اگرچہ ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ اِس عبارت میں صرف بدزبان عیسائی پادریوں اور اُن کی مبلّغہ عورتوں کا ذکر ہے لیکن اگر نجم الھدیٰ میں ان کا بالصراحت ذکر نہ بھی ہوتا تب بھی کم از کم اتنا تو خود اس عبارت سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں مسلمانوں کا ذکر نہیں بلکہ اُن ''گالیاں'' دینے والے ''دُشمنوں'' کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں سے بھی بوقت تحریر کتاب نجم الھدیٰ (1898ء میں) آپ کو گالیاں دینے والے معدودے چند مولوی ہی تھے نہ کہ عام مسلمان۔ تو اِس

صورت میں بھی یہی سمجھا جا سکتا تھا کہ خطاب اُن چند مخصوص ''دُشمنوں'' سے ہے نہ کہ عام مسلمانوں سے۔

وہ ''دُشمن'' جو آپ کو 1898ء میں گالیاں دیتے تھے فوت بھی ہو چکے اور اَب اُن میں سے ایک بھی زندہ نہیں لیکن سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے احرار لیڈروں نے عام جلسوں میں یہاں تک کہا کہ ''مرزا صاحب نے خواجہ ناظم الدین اور ممتاز دولتانہ اور دوسرے تمام مسلمانوں کو خنزیر اور اُن کی عورتوں کو کُتیاں قرار دیا ہے''۔ حالانکہ عبارت پیش کردہ میں مسلمانوں کا نام نہیں ہے بلکہ صرف گالیاں دینے والے دُشمنوں کا ذکر ہے۔

ہم یہ صورتِ حال معزز عدالت کے نوٹس میں لا کر نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ اِس قسم کے اشتعال انگیز اور بے بنیاد پروپیگنڈا کے نتیجہ میں جو فسادات رُونما ہوئے احرار اور ان کے ہمنوا اس کی ذمّہ داری سے کسی طرح بچ نہیں سکتے۔

غرضیکہ یہ حوالہ عیسائیوں کے متعلق ہے۔ مسلمانوں کے متعلق ہے ہی نہیں۔ یہ علماء خواہ مخواہ اپنے آپ کو عیسائی قرار دے کر اِسے اپنے پر چسپاں کر رہے ہیں۔

علاوہ ازیں بول چال میں جب کسی جانور کا نام انسانوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو اُس کی معروف صفت کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ خنزیر کی معروف صفت یہ ہے کہ وہ دائیں بائیں نہیں دیکھتا، سیدھا حملہ کرتا ہے۔ انہیں معنوں میں قرآنِ کریم نے یہودیوں کو خنزیر کہا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہود کو گالی دی ہے بلکہ اُن کی صفت بتائی ہے کہ بندروں کی طرح یہ لوگ بدکار ہو گئے اور سؤروں کی طرح دائیں بائیں نہیں دیکھتے، سوچتے نہیں اور یونہی اسلام پر حملہ کر دیتے ہیں۔ یہی معنی حضرت مسیح موعودؑ کے مندرجہ بالا کلام کے ہیں جو عیسائیوں کے متعلق اُن کے ہزاروں حملوں کے جواب میں کہے گئے ہیں۔ اگر قرآن کریم نے یہ الفاظ استعمال کر کے گالی نہیں دی تو بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے وہی الفاظ استعمال کر کے کس طرح گالیاں دی ہیں۔

پس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا وہ شعر جو عام طور پر مخالفین کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔

اوّل اُن بدزبان عیسائیوں کے متعلق ہے۔ مسلمانوں کے متعلق نہیں۔
دوم وہ گالی نہیں قرآنِ کریم کی اتباع میں عیسائیوں کے ناواجب حملوں کی تشریح کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے جو الفاظ بھی استعمال کئے ہیں اُن سے بہت زیادہ سخت الفاظ ہزاروں نہیں لاکھوں دفعہ یہ لوگ استعمال کر چکے ہیں۔ گزشتہ فسادات کے موقع پر بھی جو الفاظ انہوں نے استعمال کئے ہیں اور جو عدالتِ عالیہ کے سامنے پیش ہوئے ہیں وہ بتاسکتے ہیں کہ ان لوگوں کی اندرونی کیفیت کیا ہے۔

انوار الاسلام کا حوالہ

انوار الاسلام صفحہ 20 کے حوالہ سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اِس میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے عام مسلمانوں کو (نَعُوْذُبِاللّٰہ) "ولد الحرام" قرار دیا ہے کہ "جو شخص ہماری فتح کا قائل نہ ہو گا، یہ سمجھا جائے گا کہ اُسے ولد الحرام بننے کا شوق ہے"۔

ہمیں افسوس ہے کہ اصل عبارت میں قطع و برید کی گئی ہے جس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اِس جگہ "فتح" سے کیا مُراد ہے؟

اصل واقعہ یہ ہے کہ اِس عبارت میں رُوئے سخن مولوی عبدالحق غزنوی کی طرف ہے۔ اِس جگہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے پادری عبداللہ آتھم کے متعلق اپنی پیشگوئی پر مولوی عبدالحق غزنوی کی نکتہ چینی کا جواب دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ آتھم مُدّتِ معیّنہ کے اندر اس لئے نہیں مَرا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے الہاماً بتایا تھا کہ اُس نے پیشگوئی کی شرط "بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے" سے فائدہ اُٹھایا ہے لیکن مولوی عبدالحق مذکور نے اس کی تکذیب کی اور آپ کو گالیاں دیں اور عیسائیوں کو غالب اور فاتح قرار دیا تو آپ نے انوارالاسلام میں لکھا:-

> "ہاں اگر یہ دعویٰ کرو کہ عبداللہ آتھم نے ایک ذرّہ حق کی طرف رجوع نہیں کیا اور نہ ڈرا تو اِس وہم کی بیخ کنی کے لئے یہ سیدھا اور صاف معیار ہے کہ ہم عبداللہ آتھم کو دو ہزار روپیہ نقد دیتے ہیں۔ وہ تین مرتبہ قسم کھا کر یہ اقرار کر دے کہ میں نے ایک ذرّہ بھی

اسلام کی طرف رجوع نہیں کیا اور نہ اسلامی پیشگوئی کی عظمت میرے دل میں سمائی بلکہ برابر سخت دِل اور دُشمنِ اسلام رہا اور مسیح کو برابر خدا ہی کہتا رہا۔ پھر اگر ہم اسی وقت بِلا توقف دو ہزار روپیہ نہ دیں تو ہم پر لعنت اور ہم جھوٹے اور ہمارا الہام جھوٹا اور اگر عبداللہ آتھم قسم نہ کھائے یا قسم کی سزا میعاد کے اندر نہ دیکھ لے تو ہم سچّے اور ہمارا الہام سچّا۔ پھر بھی اگر کوئی مُحکّم سے ہماری تکذیب کرے اور اس معیار کی طرف متوجہ نہ ہو اور ناحق سچائی پر پَردہ ڈالنا چاہے تو بیشک وہ ولد الحلال اور نیک ذات نہیں ہوگا کہ خواہ نخواہ حق سے رُو گردان ہوتا ہے اور اپنی شیطنت سے کوشش کرتا ہے کہ سچّے جھوٹے ہو جائیں"۔ **409**

اِسی طرح صفحہ 27 پر یہ ذکر کر کے کہ آتھم کے قسم کی طرف رُخ نہ کرنے اور انعام نہ لینے سے صاف ثابت ہے کہ اُس نے خوف کے دنوں میں درپردہ اسلام کی طرف رجوع کیا تھا۔ فرماتے ہیں:-

"اِس سے بتمامتر صفائی ثابت ہے کہ ہماری فتح ہوئی اور دینِ اسلام غالب رہا۔ پھر بھی اگر کوئی عیسائیوں کی فتح کا گیت گاتا رہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ آتھم کو قسم کھانے پر مستعد کرے اور ہم سے تین ہزار روپیہ دلاوے اور میعاد گزرنے کے بعد ہم کو بیشک مُنہ کالا دجّال کہے۔ اگر ہم نے اِس میں افتراء کیا ہے تو بیشک ہمارے آگے آجائے گا اور ہماری ذِلّت ظاہر ہو گی لیکن اے میاں عبدالحق! اگر اس تقریر کو سُن کر چُپ ہو جاؤ تو بتلا کہ سچّی لعنت کس پر پڑی اور واقعی طور پر مُنہ کِس کا کالا ہوا؟" **410**

اِس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس تحریر کے مخاطب عام مسلمان نہیں ہیں بلکہ خاص طور پر میاں عبدالحق ہیں جنہوں نے اسلام کے بالمقابل عیسائیوں کی حمایت کی تھی۔

(ب) ہم قبل ازیں "ذرّیۃ البغایا" کی تشریح کے ضمن میں زیر عنوان "آئینہ کمالات اسلام

کا حوالہ ''احرار کے اخبار ''مجاہد'' 4 مارچ 1936ء سے شیعوں کے امام حضرت امام جعفر صادقؒ اور اہلِ سُنت کے امام حضرت امام ابو حنیفہؒ کے حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ لفظ ''ولد الحرام'' سے مُراد محض کج فطرت اور شریر لوگ ہوتے ہیں۔ اس سے لغوی معنی مراد نہیں ہوتے۔

(ج) مولوی عبد الحق غزنوی نے انوار الاسلام کی اشاعت سے قبل حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو نہایت گندی اور غلیظ گالیاں دی تھیں۔[411]

پس حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے یہ الفاظ بطور جواب کے تھے۔

(د) ''انوار الاسلام'' 1898ء میں شائع ہوئی تھی۔ مولوی عبد الحق غزنوی چالیس سال سے فوت ہو چکے ہیں۔ پس اِس حوالہ کی بناء پر عام مسلمانوں کو اشتعال کیونکر آ سکتا تھا۔ اگر مجلس احرار کے لیکچرار اور اخبار نے اِسے پیش کر کے اور مسلمانوں کو اس کا مخاطب قرار دے کر اشتعال پیدا کیا اور پھیلایا تو اس سے فساد کی ذمّہ داری احرار اور اُن کے ہمنواؤں پر ثابت ہوتی ہے یا کسی اَور پر۔

پھر یہ بھی یاد رکھنے والی بات ہے کہ مرزا صاحب نے تو کسی زمانہ میں کوئی لفظ جوابی طور پر کہا تھا مگر یہ لوگ آج تک برابر اُن الفاظ کو دُہراتے چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ الفاظ جماعتِ احمدیہ کی طرف سے پچھلے پچاس سال سے دُہرائے نہیں گئے۔ ظالم وہ ہوتا ہے جو حملہ کو لمبا لئے چلا جاتا ہے یا ظالم وہ ہوتا ہے جو جواب دیتا ہے اور پھر چُپ ہو جاتا ہے؟ آخر اِن الفاظ کے بعد وہ کون سا ذریعہ تھا جس سے مخالفوں کو جواب دیا جا سکتا اور پھر اِس جواب کے بعد گزشتہ پچاس برس کے لمبے زمانے میں کسی ذمّہ دار احمدی نے اس قسم کے الفاظ غیروں کے متعلق کبھی استعمال نہیں کئے۔

ایک اور اعتراض اور اُس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ موجودہ امامِ جماعتِ احمدیہ نے ان کو ابو جہل کہا ہے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ انہوں نے ان کو ہرگز ابو جہل نہیں کہا۔ امامِ جماعتِ احمدیہ نے تو ابو جہل کے ایک فعل کو بطور مثال کے پیش کیا ہے اور وہ بھی آفاق کے ایڈیٹر کا جواب دینے

اور اُس کے ایک بے جا و ناروا خیال کی لغویت ظاہر کرنے کے لئے نہ کہ سارے مسلمانوں کے متعلق۔ ''آفاق'' کے ایڈیٹر نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ زمینوں کی ملکیت کے متعلق امام جماعت احمدیہ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان خیالات کے اظہار کا اُنہیں کوئی حق نہیں کیونکہ وہ تھوڑے ہیں اور ہم زیادہ ہیں۔ اس پر اُنہوں نے مثال دی تھی کہ اگر تھوڑے ہونا کسی شخص کی زبان بندی کر دیئے جانے کے لئے کافی ہے تو پھر ابوجہل کا بھی یہ دعویٰ صحیح ہو گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بندی ہونی چاہئے کیونکہ وہ تھوڑے ہیں اور ہم زیادہ ہیں۔ پس وہاں یہ بتانا مقصود تھا کہ تمہارا دعویٰ غلط ہے۔ یہ بتانا مقصود نہیں تھا کہ تم ابوجہل ہو اور باوجود اس کے آخر میں آپ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ تم جو کچھ چاہو کرو ہم تو تمہارے ساتھ محبت اور پیار ہی کا سلوک کریں گے۔[412]

اور اِس اعتراض کا جواب خود بانیٔ سلسلہ احمدیہ بھی اپنی کتابوں میں دے چکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے:-

''لَیْسَ کَلَامُنَا ھٰذَا فِیْ اَخْیَارِھِمْ بَلْ فِیْ اَشْرَارِھِمْ''۔[413]

ہم نے جو سخت الفاظ استعمال کئے ہیں وہ غیر احمدیوں میں سے نیک لوگوں کے متعلق نہیں بلکہ وہ ان میں سے شرارتی لوگوں کے متعلق ہیں۔

اور آپ نے فرمایا ہے:-

''غرض ایسے لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں انصارِ دین کے دُشمن اور یہودیوں کے قدموں پر چل رہے ہیں مگر ہمارا یہ قول کُلّی نہیں ہے۔ راستباز علماء اِس سے باہر ہیں۔ صرف خاص مولویوں کی نسبت یہ لکھا گیا ہے''۔[414]

پھر آپ نے فرمایا:-

''وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھَتْکِ الْعُلَمَاءِ الصَّالِحِیْنَ وَ قَدْحِ الشُّرَفَاءِ الْمُھَذَّبِیْنَ سَوَاءً کَانُوْا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَوِ الْمَسِیْحِیِّیْنَ

اَوِ الْاٰرِیَۃَ بَلْ لَا نَذْکُرُ مِنْ سُفَھَاءِ ھٰذِہِ الْاَقْوَامِ اِلَّا الَّذِیْنَ اشْتَھَرُوْا فِیْ فُضُوْلِ الْھَذْرِ وَ الْاِعْلَانِ بِالسَّیِّئَۃِ وَالَّذِیْ کَانَ ھُوَ نَقِیُّ الْعِرْضِ عَفِیْفُ اللِّسَانِ فَلَا نَذْکُرُہٗ اِلَّا بِالْخَیْرِ وَ نُکْرِمُہٗ وَ نُعِزُّہٗ وَنُحِبُّہٗ کَالْاِخْوَانِ"۔[415]

یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم نیک علماء کی ہتک اور مہذّب شرفاء کی عیب چینی کریں۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا مسیحی ہوں یا ہندو ہوں بلکہ ہم اُن اقوام میں سے جو بیوقوف ہیں، اُن کے لئے بھی سخت کلامی نہیں کرتے۔ ہم صرف اُن کے متعلق سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں جو بیہودہ گوئی میں مشہور ہیں اور بد کلامی کی اشاعت جن کا کام ہے لیکن وہ جو اِن باتوں سے پاک ہیں اور اُن کی زبان گند سے آلودہ نہیں ہم ایسے لوگوں کا ذِکر ہمیشہ نیکی سے کرتے ہیں اور اُن کی عزّت کرتے ہیں اور اُن کو بُلند درجہ پر بٹھاتے ہیں اور اُن سے اپنے بھائیوں کی طرح محبت کرتے ہیں۔

پھر لکھا ہے:-

"ہماری اِس کتاب میں اور رسالہ "فریادِ درد" میں وہ نیک چلن پادری اور دوسرے عیسائی مخاطب نہیں ہیں جو اپنی شرافتِ ذاتی کی وجہ سے فضول گوئی اور بد گوئی سے کنارہ کرتے ہیں اور دِل دُکھانے والے لفظوں سے ہمیں دُکھ نہیں دیتے اور نہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے اور نہ اُن کی کتابیں سخت گوئی اور توہین سے بھری ہوئی ہیں۔ ایسے لوگوں کو بِلا شُبہ ہم عزّت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور وہ ہماری کسی تحریر کے مخاطب نہیں ہیں بلکہ صرف وہی لوگ ہمارے مخاطب ہیں، خواہ وہ بگفتن مسلمان کہلاتے یا عیسائی ہیں جو حدِّ اعتدال سے بڑھ گئے ہیں اور ہماری ذاتیات پر گالی اور بد گوئی سے حملہ کرتے یا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ بزرگ میں توہین اور ہتک آمیز باتیں مُنہ پر لاتے اور اپنی کتابوں میں شائع کرتے ہیں۔

سو ہماری اِس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا کوئی اشارہ
ایسے معزّز لوگوں کی طرف نہیں ہے جو بدزبانی اور کمینگی کے طریق کو
اختیار نہیں کرتے"۔ 416

سوال نمبر 9 متعلق اعتراض کہ جماعت احمدیہ نے اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے علیحدہ رکھا ہے؟

نہم: کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں سے الگ رہنے کی کوشش کی ہے مثلاً ربوہ بنایا ہے۔

اِس کا جواب یہ ہے کہ ربوہ بنانا مسلمانوں سے الگ رہنے کے لئے نہیں ہے بلکہ مرکزی انتظام کی درستی کے لئے ہے۔ جہاں یونیورسٹیاں بنتی ہیں یونیورسٹی کے تمام متعلقات وہاں اکٹھے کر دیئے جاتے ہیں۔ انگلستان میں آکسفورڈ اور کیمرج یونیورسٹیوں کو آکسفورڈ اور کیمرج کے شہروں کے معاملات میں دخل دینے کے مواقع بہم پہنچائے گئے ہیں اور ایسا ماحول پیدا کیا گیا ہے جس سے یونیورسٹی زیادہ آسانی سے چل سکے۔ اس کے یہ معنے تو نہیں کہ وہ ایک الگ گورنمنٹ ہے اور انگلستان کے خلاف منصوبے کر رہی ہے۔ چونکہ احمدی بعض باتوں میں دوسرے مسلمانوں سے گو عقیدۃً یا شرعاً نہیں لیکن عملاً اختلاف رکھتے ہیں مثلاً سُود کو جائز نہیں قرار دیتے، سینما دیکھنا پسند نہیں کرتے، ناچ گانے پسند نہیں کرتے۔ اگر وہ اپنا مرکز ایسی جگہ بنائیں جہاں سینما بھی ہوں، ناچ گانے بھی ہوں، سُود کے سامان بھی ہوں تو وہ اپنے نوجوانوں اور اپنے کمزوروں کی عادتوں کی اصلاح میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح جو بیرونی مقامات سے لوگ آتے ہیں اگر ہر قسم کی عیّاشی کے سامان جو دوسرے شہروں میں پائے جاتے ہیں اُن کے مرکز میں بھی پائے جائیں تو باہر سے آنے والے لوگوں کے وقت کو پوری طرح دین میں مشغول نہیں رکھا جا سکتا۔ کوئی شخص ایک دن کے لئے آتا ہے کوئی دو دن کے لئے آتا ہے۔ اگر وہ اس وقت میں سے بھی کچھ بچا کر سیر اور تماشے میں لگا دے تو اُس کے آنے سے

پورا فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا۔ اِسی لئے احمدیوں نے اپنا الگ مرکز بنایا ہے۔ اِس سے کوئی سیاسی غرض یا مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی غرض کہاں سے نکلی۔

جماعتِ اسلامی کا مجوزہ مرکز

سب سے زیادہ معترض اِس پر مولانا مودودی ہیں لیکن مولانا مودودی نے خود بھی ایسا ہی مرکز بنایا ہے اور اس میں بھی یہی شرط رکھی ہے کہ اس میں صرف جماعتِ اسلامی کے لوگ ہی زمین خرید سکتے ہیں۔ ہم ان کا اعلان ذیل میں درج کرتے ہیں۔ طفیل محمد قیم جماعتِ اسلامی لکھتے ہیں:-

"تمام وہ لوگ جنہوں نے مرکزِ جماعتِ اسلامی میں اراضی کی خرید کے لئے رقوم جمع کرائی تھیں مطلع ہوں کہ کیمل پور سٹیشن سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر راولپنڈی کیمل پور کی پختہ سڑک کے اُوپر جماعت نے ایک سَو ایکڑ زمین خرید لی ہے۔ یہ زمین ہمیں چار سو روپے ایکڑ کے حساب سے مِل گئی ہے لیکن خرید اراضی کے اس وقت تک کے اور آئندہ پلاٹ بنا کر تقسیم تک کے مصارف مِلا کر غالباً پانچ سو روپے یا اس سے کم و بیش فی ایکڑ تک قیمت چڑھ جائے گی۔ زمین بارانی مگر مزروعہ ہے اور پانی بہت زیادہ گہرائی میں ہے۔ اِس لئے ٹیوب ویل لگائے بغیر چارہ نہیں اور اِس پر بھی شاید کثیر رقم صرف ہو گی۔ تعمیر کا کچھ سامان خرید اجا چُکا ہے اور بھٹے کی کوشش ہو رہی ہے۔

اِس وقت ہمارے پاس ساٹھ ایکڑ اراضی قابلِ فروخت ہے لیکن مجلسِ شوریٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ اَب صرف ارکانِ جماعت کو ہی مرکز میں اراضی خریدنے کی اجازت دی جائے اور وہ بھی صرف دو کنال فِی کس کے حساب سے۔ جس میں سے ایک کنال حسب قاعدہ جماعت لے لے گی اور ایک کنال خریدار کے پاس رہ جائے گی۔ جو لوگ پہلے سے خریدار بنے ہوئے ہیں اور اُن کی رقمیں مرکز میں موجود ہیں

اُن کے حقوق پر یہ فیصلہ اثر انداز نہ ہو گا۔ بجز اس کے کہ غیر ارکان کے بارے میں یہ تحقیقات کی جائے گی کہ آیا فی الواقع وہ ہمدردوں کی تعریف میں آتے ہیں یا نہیں اور اُن کو نظامِ جماعت سے موجودہ علیحدگی محض کسی مجبوری یا صرف جماعت کے عدمِ اطمینان کی بناء پر ہے یا کسی اور وجہ سے۔ جو لوگ فی الواقع ہمدرد ثابت ہوں گے اُن کی خریداری کو باقی رکھا جائے گا اور دوسرے احباب سے درخواست کی جائے گی کہ وہ اپنی رقوم واپس لے لیں اور اس طرح دارُالاسلام کی بستی کو خالصۃً ایک نمونہ کی بستی بنانے میں مدد دیں۔

(خاکسار طفیل محمد قیم جماعتِ اسلامی ذیلدار پارک اچھرہ لاہور)"۔[417]

سوال نمبر 10 متعلق مخالفتِ پاکستان

دہم: یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ پاکستان کے مخالف ہیں اور عقلاً بھی وہ مخالف ہونے چاہئیں کیونکہ وہ ایک امام کو مانتے ہیں اور اِس طرح وہ ایک متوازی حکومت بنانے کے مجرم ہیں۔

امام اور سیاست

اس کا جواب یہ ہے کہ امام کو ماننا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص امام کی بیعت میں نہ ہو وہ اپنی زندگی رائیگان کر دیتا ہے۔[418] اور امام کا ہونا بڑی اچھی بات ہے۔ اِس کے بغیر تو کوئی انتظام ہو ہی نہیں سکتا۔ جو لوگ امام کو سیاست کا حق دیتے ہیں اُن پر تو یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ وہ ایک متوازی حکومت بناتے ہیں لیکن جو لوگ اپنے امام کو سیاست کا حق نہیں دیتے اُن پر یہ اعتراض کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ایک متوازی حکومت بناتے ہیں۔ جماعت احمدیہ کا تو اعتقاد یہ ہے کہ جس حکومت کے تحت میں رہو اُس حکومت کی اطاعت کرو۔ کیسی عجیب بات ہے کہ انگریز کے وقت میں تو اس امر پر زور دیا جاتا اور بڑے شدّ و مد سے یہ پروپیگنڈا

کیا جاتا کہ احمدی اسلام کے غدّار ہیں کیونکہ انگریز کی اطاعت کرتے ہیں اور پاکستان میں آکر اس کے بالکل برخلاف یہ کہا جارہا ہے کہ احمدی پاکستان کے خلاف متوازی حکومت بنارہے ہیں۔ ایک ہی تعلیم دو جگہ پر دو مختلف نتیجے کس طرح پیدا کر سکتی ہے۔ احمدی تعلیم کی رُو سے تو صرف احمدی جماعت ہی نہیں بلکہ احمدی جماعت کا امام بھی پاکستان کی حکومت کے تابع ہیں اور اُن کا فرض ہے کہ پاکستان کی حکومت کے تابع رہیں۔ باقی رہا یہ بے وقوفی کا سوال کہ اگر کسی وقت امام حکومت کے خلاف حکم دے تو پھر احمدی کیا کریں گے؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم اُس شخص کو امام تسلیم کرتے ہیں جو سب سے زیادہ شریعت کی پابندی کرنے والا اور دوسروں کو پابند بنانے والا ہو۔ پس یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ حکومت کے خلاف حکم دے۔ کل کو اگر کوئی کہے کہ اگر تمہارا مذہب چوری اور ڈاکہ ڈالنے کا حکم دے تو تم کیا کرو گے؟ تو ہم اس کو بھی یہی جواب دیں گے کہ ہمارا مذہب چوری اور ڈاکہ کا حکم دے ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ اُس کی رُوح کے خلاف ہے۔ اگر یہ اعتراض پڑتا ہے تو مودودی صاحب پر البتہ پڑتا ہے جو امیر بھی ہیں اور سیاست بھی اُن کے مقاصد میں داخل ہے۔ اُن کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ اگر وہ پاکستان کے خلاف ہوئے تو اُن کی جماعت کیا کرے گی۔
وَاٰخِرُ دَعْوٰنا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"۔(الناشر الشرکۃالاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

1: آل عمران: 191، 192 2: الشمس: 9 3: الروم: 31

4: العنکبوت: 70 5: الاعراف: 36

6: نہج البلاغہ صفحہ 101 مطبوعہ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ 1967ء

7: الانبیاء: 17 8: الانبیاء: 31 9: المؤمنون: 116

10: الذاریات: 57 11: البقرۃ: 139

12: بخاری کتاب الاِسْتِئْذَان باب بدء السَّلام

13: پیدائش باب 1 آیت 27

14: البقرۃ: 31 15: الاحزاب: 73

16: النساء:59 | 17: الدھر: 4 | 18: البلد: 9تا11
19: الشمس: 9 | 20: الشمس:11,10 | 21: الحج: 76
22: البقرة: 39 | 23: الحدید :27
24: البقرة: 88تا90 | 25: فاطر: 25 | 26: الرعد: 8
27: الحدید: 27 | 28: الانعام: 92 | 29: البقرة: 171
30: المائدہ: 105 | 31: المومن:35 | 32: الجن: 8

33: قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الاحقاف: 31)

34: رسالہ خاتم النبیین شائع کردہ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی صفحہ 41

35: سبا: 29 | 36: الاعراف: 159 | 37: النساء: 80
38: المائدة: 4 | 39: البقرة: 151، 152
40: یوحنا باب 16 ، آیت 12، 13
41: طٰہٰ: 2، 3 | 42: بنی اسرائیل :83 | 43: الحجر: 2، 3
44: بخاری کتاب الادب۔ باب رَحمة الْوَلَدِ وَ تَقْبِيْلِهٖ وَ مُعَانَقَتِهٖ
45: آل عمران: 32 | 46: الحجر: 3 | 47: النساء: 138
48: بخاری کتاب التفسیر باب وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (الخ)
49: بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوة فی الاسلام
50: بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب و السُنّة باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سُنَنَ مَنْ كَان قبلکم (مفہوماً)
51: السجدة: 6
52: ترمذی ابواب الشهادة باب مَا جاء فی شَهَادة الزُّوْر
53، 54: کنز العمال جلد 11 صفحہ 181 مطبوعہ حلب 1974ء
55: سنن ابی داؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال

56: صحیح مسلم کتاب الایمان باب الحث علیٰ المبادرة بالأعمال

57: الاعراف: 34 تا 36

58: سنن ابو داؤد کتاب الملاحم باب ما یذکر فی قرن المائةَ

59: افضل الاعمال فی جواب نتائج الاعمال صفحہ 25

60: الیواقیت و الجواھر جلد 1 صفحہ 25 مطبوعہ مصر 1321ھ

61: الطبقات للشعرانی صفحہ 17 تا 19

62: تاریخ الاسلام للذھبی جزو 9 صفحہ 311 مطبع دار الکتب العربی بیروت لبنان، الطبعة الاولیٰ 1987ء

63: الیواقیت و الجواھر جلد 1 صفحہ 14 مطبوعہ مصر 1321ھ

64: الیواقیت و الجواھر جلد 1 صفحہ 14 مطبوعہ مصر 1321ھ

65: تاریخ الاسلام للذھبی جزو 14 صفحہ 338 مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت لبنان، الطبعة الاولیٰ 1987ء

66: انوار احمدیہ صفحہ 3

67: سوانح عمری مؤلفہ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری صفحہ 134۔ نیز ملاحظہ ہو
The Indian Musalmans by W.W. Hunter page 10.

68: یٰس: 31

69: ابن ماجہ ابواب الفتن باب الصبر علی البلاء

70: مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 61 مطبوعہ بیروت 1994ء

71: ابراھیم: 15,14

72: فتح البیان جلد 11 صفحہ 280 مطبوعہ بیروت 1992ء

73: یٰس: 19 74: الاعراف: 89 75: الکافرون: 7

76: البقرة: 257 77: آل عمران: 168

78: السیرة الحلبیة جلد 3 صفحہ 92 مطبوعہ مصر 1935ء

79: ملت بیضاء پر ایک عمرانی نظر، صفحہ 17، 18 مطبوعہ اقبال اکیڈمی لاہور
80: فتنہ ارتداد اور پولٹیکل قلابازیاں از چوہدری افضل حق صفحہ 46 سٹیم پریس وطن بلڈنگز لاہور
81: رسالہ دلگداز بابت ماہ جون 1906ء
82: اخبار "ہمدرد" دہلی 26 ستمبر 1927ء
83: زمیندار 24 جون 1923ء
84: زمیندار 7 دسمبر 1926ء
85: بحوالہ اخبار "وکیل" از "بدر" 25 مئی 1905ء صفحہ 8
86: اخبار "وکیل" امر تسر
87: علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ بحوالہ تشحیذ الاذہان 1908ء جلد 8 نمبر 3 صفحہ 332، 333
88: تہذیب نسواں بحوالہ تشحیذ الاذہان 1908ء جلد 3 نمبر 10 صفحہ 383
89: زمیندار 8 جون 1908ء بحوالہ بدر 25 جون 1908ء صفحہ 13
90: یوحنا باب 14 آیت 30
91: یوحنا باب 12 آیت 31
92: رسالہ خاتم النّبیّین صفحہ 21، 22
93: آزاد 27 فروری 1953ء صفحہ 5 کالم 2
94: اثبات الالہام والبیعۃ صفحہ 148
95: دیوان حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ صفحہ 56 مطبوعہ نولکشور نومبر 1868ء
96: الیواقیت و الجواھر جلد 2 صفحہ 84، 85 مصنفہ امام عبدالوہاب شعرانی مطبوعہ مصر 1351ھ
97: تفہیمات الٰہیہ۔ از حضرت شاہ ولی اللہ جلد 2 صفحہ 32 مطبع حیدری مغربی پاکستان مطبوعہ 1967ء
98: حٰمٓ السجدۃ: 31 تا 33

99: تفسیر بیضاوی جلد 7 صفحہ 399 مطبوعہ بیروت 1383ھ

100: النحل : 33 **101**: الاعراف: 36

102: سنن ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب بدء الاذان

103: بذل الجھود فی حل ابو داؤد جلد ا مطبوعہ میرٹھ صفحہ 279، 280

104: صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ (الخ)

105: بخاری کتاب فضائل اصحاب النَّبِیّ صلی اللہ علیہ وسلم باب مناقب عمر بن الخطاب (الخ)

106: مثنوی مولانا روم دفتر چہارم صفحہ 46 مطبع کانپور

107: الشوریٰ: 52

108: تفسیر روح المعانی زیر آیت ما کان لبشرٍ ان یکلّمہ اللہ الاّ وحیًا جلد 13 صفحہ 54 مطبوعہ بیروت 2005ء

109: لسان العرب جلد 15 صفحہ 240 زیر لفظ وحی مطبوعہ بیروت 1988ء

110: تاج العروس جلد 10 صفحہ 385

111: نھایہ لابن الاثیر جلد 4 صفحہ 72 مطبوعہ مصر 1311ھ

112: تفہیماتِ الٰہیہ جلد 2 صفحہ 148 مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ مطبع حیدری مغربی پاکستان مطبوعہ 1967ء

113: تفہیماتِ الٰہیہ مصنّفہ حضرت شاہ ولی اللہ جلد 2 صفحہ 161 مطبع حیدری مغربی پاکستان مطبوعہ 1967ء

114: تفہیماتِ الٰہیہ جلد 1 صفحہ 60، 61 مطبع حیدری مغربی پاکستان مطبوعہ 1967ء

115: تفسیر عرائس البیان زیر آیت ینزل الملائکۃ بروح من امرہ علٰی من یشاء من عبادہ جلد 1 صفحہ 521

116: منصب امامت اُردو ترجمہ صفحہ 39، 40 مطبوعہ لاہور 1949ء (مفہوماً)

117: اقتراب الساعۃ صفحہ 162، 163 مطبوعہ آگرہ۔ 1301ھ

118: مسلم کتاب الفتن و أشراط الساعة باب ذکر الدجال
119: روح المعانی جلد 11 صفحہ 219 مطبوعہ بیروت 2005ء
120: اسعاف الراغبین صفحہ 143
121: اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الابصار صفحہ 142
122: طٰہٰ : 90
123: تفسیر کبیر للامام رازی جلد 22 صفحہ 104 زیر آیت افلا یرون اَلَّا یرجع الیھم مطبوعہ طہران
124: الاعراف: 149
125: تفسیر کبیر للامام رازی جلد 15 صفحہ 7 زیر آیت واتخذ قوم موسیٰ من بعدہ من حلیھم مطبوعہ طہران
126: الانبیاء: 64 تا 67
127: رسالہ خاتم النّبیّین شائع کردہ پنجاب ریلیجس بُک سوسائٹی لاہور
128: الاحزاب: 41
129: الکوثر: 2 تا 4
130: تفسیر البحر المحیط الجزء الثامن صفحہ 519 مطبوعہ ریاض 1329ھ
131: النساء : 159
132: الحج: 76
133: الفاتحة: 6، 7
134: النساء: 69
135: النساء: 70، 71
136: البقرة: 144
137: آل عمران: 194
138: النساء: 146، 147
139: الحجر: 33
140: الاعراف: 12
141: مفردات راغب صفحہ 442 زیر لفظ کتب مطبوعہ بیروت 2002ء
142: تفسیر بحر محیط جلد 3 صفحہ 387 مطبوعہ مصر
143: الاعراف: 36
144: المرسلات: 12
145: تفسیر القُمّی صفحہ 23 مطبوعہ ایران 1313ھ
146: مسلم کتاب الفتن و اشراط الساعة باب ذکر الدجال

147: حجج الکرامہ صفحہ 426 مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال
148: حجج الکرامہ صفحہ 426 مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال
149: حجج الکرامہ صفحہ 431 مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال
150: ابن ماجہ ابواب ما جاء فی الجنائز باب ما جاء فی الصلوٰۃ علیٰ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
151: کنز العمال جلد 11 صفحہ 472 کتاب الفضائل من قسم الافعال الفصل الثالث باب فی فضائل المتفرقہ ذکر ولد ابراھیم مطبوعہ حلب 1974ء
152: مسند احمد بن حنبل صفحہ 1216 مطبوعہ لبنان 2004ء حدیث 17280
153: ترمذی اَبْوَاب المناقب عَنْ رَسُوْلِ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ باب مَا جَاء فی فَضْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
154: در منثور جلد 5 صفحہ 386 مطبع دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ 1990ء
155: در منثور جلد 5 صفحہ 386 زیر آیت خاتم النّبیّین مطبع دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ 1990ء
156: در منثور جلد 5 صفحہ 386 زیر آیت خاتم النّبیّین مطبع دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان، الطبعۃ الاولیٰ 1990ء
157: فتوحات مکیہ جلد 2 باب 73 صفحہ 3 مطبوعہ بیروت
158: فتوحات مکیہ جلد 2 باب 73 صفحہ 90 مطبع دار صادر بیروت
159: فتوحات مکیہ جلد 2 صفحہ 90 سوال نمبر 83 مطبع دار صادر بیروت
160: فتوحات مکیہ جلد 2 باب 188 صفحہ 376 مطبع دار صادر بیروت
161: شرح فصوص الحکم فصل حکمۃ قدریہ صفحہ 167، 168 مطبوعہ مصر 1321ھ
162: الانسان الکامل باب السادس و الثلاثون فی التوراۃِ جلد 1 صفحہ 69 مطبع الازھریۃ مصریۃ مطبوعہ 1316ھ

163: موضوعاتِ کبیر ملا علی قاری صفحہ 58، 59 مطبوعہ دھلی 1346ھ
164: ابن ماجه کتاب الجنائز باب ما جاء فی الصلوٰة علیٰ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم (الخ)
165: ملاحظہ ہو بیان مولانا داؤد غزنوی صاحب، رُو برو عدالت ہذا مورخہ 15 اکتوبر 1953ء گواہ نمبر 67 آخری سطر
166: الیو اقیت و الجو اھر جلد 2 صفحہ 39 مطبوعہ مصر 1321ھ
167: نہج البلاغۃ صفحہ 101 مطبوعہ بیروت، الطبعۃ الاولیٰ 1967ء
168: مجمع البحرین زیر لفظ ختم صفحہ 514
169: فتوح الغیب مقالہ نمبر 4 صفحہ 7 ناشر محمد تقی اردو بازار جامع مسجد دہلی 1348ھ
170: تفہیماتِ الٰہیہ مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ تفہیم نمبر 54 جلد نمبر 2 صفحہ 85 مطبع حیدری مغربی پاکستان 1967ء
171: تحذیر الناس مولانا محمد قاسم نانوتوی صفحہ 3 مطبع خیر خواہ سرکار پریس سہارن پور 1309ھ
172: تحذیر الناس مولانا محمد قاسم نانوتوی صفحہ 28 مطبع خیر خواہ سرکار پریس سہارن پور 1309ھ
173: تحذیر الناس مولانا محمد قاسم نانوتوی صفحہ 10 مطبع خیر خواہ سرکار پریس سہارن پور 1309ھ
174: تحذیر الناس مولانا محمد قاسم نانوتوی صفحہ 43 مطبع خیر خواہ سرکار پریس سہارن پور 1309ھ
175: رسالہ دافع الوسواس فی اثر ابن عباس صفحہ 16 مطبوعہ لکھنو بار دوم
176: مثنوی مولانا روم دفتر پنجم صفحہ 13 مطبوعہ کانپور
177: مثنوی مولانا رومؒ دفتر پنجم صفحہ 20 مطبوعہ کانپور
178: مثنوی مولانا رومؒ دفتر ششم صفحہ 5، 6 مطبوعہ کانپور
179: مقالات مظہری صفحہ 88
180: مکتوبات امام ربّانی مکتوب نمبر 301 صفحہ 141 مطبوعہ لاہور 1331ھ
181: عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد 16 صفحہ 36 مطبوعہ مصر
182: ارشاد الساری قسطلانی جلد 6 صفحہ 22 باب مطبوعہ مصر 1304ھ

183: غایۃ المقصود جلد 2 صفحہ 123 مطبع شمس الہند لاہور 1318ھ
184: غایۃ المقصود جلد 2 صفحہ 38 مطبع شمس الہند لاہور 1318ھ
185: مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 232
186: ایک غلطی کا ازالہ، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 207
187: کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15، 16
188: تجلیاتِ الٰہیہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 411، 412
189: حاشیہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 360
190: براہین احمدیہ حصّہ، پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 360
191: براہین احمدیہ حصّہ، پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 355
192: تتمہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 503
193: اخبار بدر مورخہ 5 مارچ 1908ء صفحہ 2
194: الجن: 27، 28
195: ایک غلطی کا ازالہ، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 216
196: انجام آتھم، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 27 حاشیہ
197: حقیقۃ النبوۃ، انوار العلوم جلد 2 صفحہ 459
198: حقیقۃ النبوۃ، انوار العلوم جلد 2 صفحہ 460
199: ضمیمہ الفضل 2۔ اگست 1914ء نمبر 2 جلد 2 صفحہ ج
200: الفضل 20 مئی 1950ء صفحہ 3
201: آزاد 17 جنوری 1950ء صفحہ آخری کالم 4
202: حوالہ از تعمیر نو گجرات 5 دسمبر 1949ء صفحہ 8 کالم 3
203: بیان سیّد زین العابدین گیلانی سابق صدر ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ملتان میونسپل کمشنر 30 جولائی 1952ء مندرجہ پوسٹر بعنوان سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی سیاسی قلابازی ملتان میں کشت و خون اور حسب معمول احراری لیڈروں کی

بے وفائی۔ مطبوعہ پاکستان پبلسٹی پرنٹنگ ورکس چوک شہیداں ملتان شہر

204: سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی صفحہ 41 مطبوعہ ازھر 1331ھ

205: بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم

206: آل عمران: 56

207: مستدرک حاکم جلد 1 صفحہ 405 کتاب الامامہ والصلوٰۃ الجماعۃ۔ باب التأمین مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 1990ء

208: مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب مَایُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَہُ الْمَوْتُ

209: البقرۃ: 282 **210**: المائدۃ: 117، 118

211: بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ المائدہ باب وَ کُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا

212: الفتاوٰی محمود شلتوت صفحہ 50 تا 58 مطبوعہ قاہرہ

213: بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ المائدۃ

214: مجمع بحار الانوار جلد 1 صفحہ 286 مطبوعہ نولکشور 1314ھ (قَالَ مَالِکٌ مَاتَ)

215: المحلّٰی جز اول صفحہ 23 مطبع النھضۃ بمصر مطبوعہ: 1347ھ

216: بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ذکر ادریس علیہ السلام (الخ)

217، **218**: بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ وَ اذْکُرْ فی الکتاب مریم (الخ)

219: الزخرف: 58

220: تذکرہ صفحہ 47، 241۔ ایڈیشن چہارم

221: نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 382 حاشیہ

222: نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 487

223: حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 153

224: حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 152

225: حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 114

226: حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 406

227: استفتاء، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 676

228: آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 226۔ در ثمین اُردو صفحہ 17

229: الفضل کراچی 8 جولائی 1953ء صفحہ 3

230: فتویٰ 1892ء از اشاعۃ السنہ جلد 13 نمبر 7 صفحہ 204

231: رسالہ صاعقہ ربّانی بر فتنہ قادیانی مؤلفہ عبد السمیع فاروقی بدایوانی مطبوعہ روہتک صفحہ 9

232: اشاعۃ السنہ جلد 13 نمبر 6 صفحہ 186

233: اشاعۃ السنہ جلد 13 نمبر 7 صفحہ 201

234: اشاعۃ السنہ جلد 13 نمبر 6 صفحہ 190

235: اشاعۃ السنہ جلد 13 نمبر 6 صفحہ 191، 192

236: اشاعۃ السنہ جلد 13 نمبر 6 فتویٰ 1892ء

237: اشاعۃ السنہ جلد 14 نمبر 1 تا 6

238: ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 102

239: ایّام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 322 تا 324

240: ابو داؤد کتاب السنة باب الدلیل علٰی زیادة الایمان و نقصانه میں کَفَّرَ کی بجائے اَکْفَرَ ہے۔

241: الحجرات: 15 242: النساء: 95 243: البقرة: 132

244: المائدة: 45

245: المفردات فی غریب القرآن صفحہ 248 مطبوعہ بیروت 2002ء

246: بخاری کتاب الصلوٰۃ باب فضل استقبال القبلة

247: سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب فی الغزو مع آئمة الجور

248: کنز العمال جلد 1 صفحہ 32 کتاب الایمان و الاسلام الفصل الاول فی حقیقة الایمان مطبوعہ بیروت 1998ء

249: کنز العمال جلد ا صفحہ 31 کتاب الایمان و الاسلام مطبوعہ بیروت 1998ء
250: کتاب الایمان صفحہ 17 مصنفہ امام ابن تیمیہ مطبوعہ دہلی۔ 1311ھ
251: کتاب الایمان صفحہ 171 مصنفہ امام ابن تیمیہ مطبوعہ دہلی۔ 1311ھ
252: کتاب الایمان صفحہ 125 مصنفہ امام ابن تیمیہ مطبوعہ دہلی۔ 1311ھ
253: مشکاۃ المصابیح جزء3 صفحہ 113 کتاب الآداب باب السلام۔ الفصل الاول الناشر المکتب الاسلامی بیروت 1985ء
254: لسان الحکام بر حاشیہ معین الحکام صفحہ 202
255: لسان الحکام بر حاشیہ معین الحکام صفحہ 206
256: لسان الحکام بر حاشیہ معین الحکام صفحہ 254
257: الاعراف: 157 258: الذاریات: 57 259: الفجر: 30،31
260: مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ایڈیشن سوم صفحہ 107
261: تفسیر معالم التنزیل تفسیر سورۃ ھود الجزء الثانی عشر صفحہ 263 مطبوعہ بیروت 1985ء (لَیَأْتِیَنَّ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ)
262: حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 123
263: حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 168،169
264: حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 185
265: کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15،16
266: حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 184
267: حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 180
268: ، 269: الفضل یکم مئی 1935ء صفحہ 7
270: دیباچہ تفسیر القرآن انوار العلوم جلد 20 صفحہ 456،457
271: تفسیر کبیر جلد نہم صفحہ 471 (سورۂ زلزال) مطبوعہ نظارت اشاعت ربوہ
272: احمدیت کا پیغام، انوار العلوم جلد 20 صفحہ 569

273: دیکھو رُوح المعانی جلد 8 صفحہ 41۔ زیر آیت مَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا (سورۃ اسراء) مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

274: احمدیت کا پیغام، انوار العلوم جلد 20 صفحہ 569

275: ضمیمہ انجام آتھم، روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ 311 تا 319 (مفہوماً)

276: مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 299و300

277: فتویٰ شائع کردہ النجم لکھنؤ۔ فتاویٰ عالمگیریہ جلد 2 صفحہ 283 و فتاوٰی عزیزی از خاندان شاہ ولی اللہ صاحب صفحہ 191، 192

278: حدیقۃ الشہداء صفحہ 65

279: شرح اصولِ کافی جلد 3 صفحہ 61

280: ردالتکفیر علی الفحاش الشنظیر صفحہ 11 مطبوعہ 1910ء

281: حسام الحرمین صفحہ 73 تا 78 فتویٰ احمد رضا خان بریلوی مطبوعہ بریلی

282: حسام الحرمین صفحہ 78 فتویٰ احمد رضا خان بریلوی مطبوعہ بریلی (مفہوماً)

283: فتوائے علماء اسلام مشتہرہ مہر محمد قادری لکھنؤ

284: مجموعہ فتاویٰ صفحہ 54، 55

285: النساء: 138

286: سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی قتال الخوارج

287: کتاب الامامۃ و السیاسۃ لا بن قُتَیبہ الجزء الاول صفحہ 149 مطبع مصطفٰی البابی الحلبی بمصر مطبوعہ 1969ء

288: کتاب الایمان صفحہ 115 مطبوعہ 1311ھ

289: مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بَعْدَ قولہٖ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

290: کتاب الاُم للشافعی جلد 6 صفحہ 159

291: التوبۃ: 74

292: کتاب الاُمُ للشافعی جلد 6 صفحہ 147، 148

293: رسالہ ذکرِ صوت یا عبادتِ شہداء جلیگور بلوچستان

294: اشاعۃ السنۃ جلد 13 نمبر 6 صفحہ 85

295،296: شرعی فیصلہ صفحہ 31

297: فتویٰ شریعت غرّاء صفحہ 9

298: صاعقہ ءربّانی بر فتنہ قادیانی مؤلفہ عبدالسمیع فاروقی بدایوانی صفحہ 9 مطبوعہ روہتک

299: فتویٰ شریعتِ غرّاء صفحہ 4

300: شرعی فیصلہ صفحہ 25

301: شرعی فیصلہ صفحہ 20

302: شرعی فیصلہ صفحہ 31

303: شرعی فیصلہ صفحہ 24

304: حسام الحرمین صفحہ 81 تا 83 فتویٰ احمد رضاخان بریلوی مطبوعہ بریلی

305: فتویٰ شریعتِ غرّاء صفحہ 6

306: اشاعۃ السنۃ جلد 13 نمبر 6 صفحہ 185

307: اشاعۃ السنۃ جلد 13 نمبر 6 صفحہ 201

308: فتویٰ در تکفیرِ منکرِ عروج جسمی و نزولِ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام

309: فتویٰ شریعتِ غرّاء صفحہ 12

310: اشاعۃ السنۃ جلد 13 نمبر 6 صفحہ 201

311: فتویٰ 1893ء منقول از فتویٰ در تکفیر منکرِ عروج جسمی و نزول عیسیٰ علیہ السلام

312: شرعی فیصلہ صفحہ 31

313: فتویٰ مولوی عبداللہ و مولوی عبدالعزیز صاحبان لدھیانہ از اشاعۃ السنۃ جلد 13 نمبر 12 صفحہ 381

314: فتویٰ در تکفیر منکر عروجِ جسمی و نزولِ عیسیٰ علیہ السلام مطبوعہ 1311ھ

315: ابن ماجہ کتاب النکاح باب الاکفاء

316: بخاری کتاب النکاح باب ذب الرجل عن ابنته فی الغیرة و الانصاف

317: مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِيْنِ الْمَلِكِ...... (یوسف:77)

318: متی باب 22 آیت 17 تا 21

319: مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 332 تا 334 حدیث نمبر 1742 مطبوعہ دار الاحیاء التراث العربی بیروت لبنان مطبوعہ 1994ء

320: سوانح احمدی کلاں صفحہ 71 مؤلفہ مولوی محمد جعفر تھانیسری اسلامیہ سٹیم پریس لاہور (مفہوماً)

321: تاریخ الاسلام للامام الذهبی جزو 1 صفحہ 184 ناشر دار الکتب العربی بیروت لبنان مطبوعہ 1987ء

322: مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 197، 198

323: مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 188

324: مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ 191

325: کتاب البریّہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 3

326: تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 155

327: بخاری کتاب فضائل اَصْحَابِ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ باب مناقب فَاطِمَةَ رضی اللہ عنہا

328: المائدة: 83

329: اخبار زمیندار مورخہ 27 نومبر 1952ء صفحہ 3 کالم 5

330: رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر 10 جلد 6 صفحہ 288

331: رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر 10 جلد 6 صفحہ 292

332: رسالہ اشاعۃ السنۃ نمبر 10 جلد 6 صفحہ 293

333: سوانح احمدی مؤلفہ مولوی محمد جعفر تھانیسری صفحہ 139

334: زمیندار 11 نومبر 1908ء

335: زمیندار 9 نومبر 1911ء

336: انجام آتھم، روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 68
337: نور الحق، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 33و34
338: الحج : 40 تا42 339: البقرة: 191 تا194
340: الممتحنه:9، 10 341: التوبة :36
342: بخاری کتاب الجهاد والسير باب يُقَاتَلُ مِن وراء الامام
343: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 3
344: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 3، 4
345: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 4و5
346: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 5
347: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 5و6
348: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 6و7
349: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 8
350: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 11و12
351: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 12
352: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 13
353: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 17
354: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 18
355: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 18 (مفہوماً)
356: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 20و21
357: گورنمنٹ انگریزی اور جہاد روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 22
358: الفرقان:53
359: مفرداتِ امام راغب صفحہ 106 زیر لفظ جهد مطبوعہ بیروت 2002ء
360: البقرة: 194

361: رسالہ اشاعۃ السُنّۃ جلد 6 نمبر 10 صفحہ 288
362: کلمۂ حق صفحہ 21، 22 شائع کردہ مرکزی خلافت کمیٹی بمبئی
363: رسالہ موعظۂ حسنہ صفحہ 68
364: "اسبابِ بغاوتِ ہند" صفحہ 31، 32 مصنفہ سر سید احمد خان مطبع سنگ میل پبلیکیشنز لاہور 1997ء
365: تفسیر المنار جلد 10 صفحہ 307، 309 مطبوعہ بیروت 1931ء
366: زمیندار مورخہ 11 نومبر 1911ء
367: اخبار عام لاہور 26 مئی 1908ء
368: المفردات فی غریب القرآن صفحہ 512 مطبوعہ بیروت 2002ء "نسخ"
369: ازالۂ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 197 و 198
370: "ضربِ مجاہد" مؤلفہ ایم اسلم صاحب صفحہ 35
371: صیانۃ الانسان۔ مصنفہ ولی اللہ صاحب لاہوری صفحہ 232 مطبوعہ مطبع مصطفائی لاہور 1873ء
372: رسالہ "جہاد فی سبیل اللہ" مصنفہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ 30، 31 مطبوعہ 1964ء
373: فتنۂ ارتداد اور پولٹیکل قلابازیاں از چوہدری افضل حق صفحہ 46 سٹیم پریس وطن بلڈنگز لاہور
374: یہ مضامین الفضل مورخہ 9 جون 1920ء صفحہ 3 تا 4 و 20 جون 1925ء صفحہ 3 تا 6 میں شائع ہوئے ہیں۔
375: الفضل 26 مارچ 1923ء و الفضل 26 اپریل 1923ء
376: الفضل 9 اپریل 1923ء و الفضل 12 اپریل 1923ء
377: الفضل 13 مئی 1927ء صفحہ 5 تا 8
378: الفضل 10 جون 1927ء صفحہ 6 تا 9
379: الفضل مورخہ 4 مئی 1947ء

380: الفضل 12 جولائی 1932ء و الفضل 24 جولائی 1932ء و الفضل 23 اگست 1932ء و الفضل 8 ستمبر 1932ء و الفضل 18 ستمبر 1932ء صفحہ 1، الفضل 25 جون 1933ء صفحہ 9

381: اعلان کمانڈر انچیف افواج پاکستان از الفضل 23 جون 1950ء صفحہ 8

382: ترجمان القرآن جون 1948ء صفحہ 119

383: زمیندار 11 اکتوبر 1947ء صفحہ 8

384: اخبار ہمدرد دہلی 24 ستمبر 1927ء

385: فتویٰ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی از اشاعۃ السنۃ جلد 13 نمبر 7 صفحہ 204

386: فتویٰ مولوی مسعود صاحب دہلوی از اشاعۃ السنۃ جلد 13 نمبر 6 صفحہ 189

387: فتویٰ مولوی عبدالحق صاحب از اشاعۃ السنۃ جلد 13 نمبر 6 صفحہ 189

388: فتویٰ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب از اشاعۃ السنۃ جلد 13 نمبر 6 صفحہ 191

389: فتویٰ مولوی عبدالصمد غزنوی از اشاعۃ السنۃ جلد 13 نمبر 7 صفحہ 201

390: از مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اشاعۃ السنۃ جلد 14 نمبر 1 تا 6

391: اشتہار ضرب النِعال علیٰ وجہ الدجّال از مولوی عبدالحق صاحب غزنوی

392: آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 429، 430

393: آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 547، 548 (عربی عبارت کا ترجمہ)

394: آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 388، 389

395: الحکم جلد 11 نمبر 7 بابت 24 فروری 1907ء صفحہ 12 کالم نمبر 2

396: القلم: 11 تا 14

397: تفسیر کبیر جلد 30 صفحہ 85 زیر آیت عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ (سورۃ القلم) مطبوعہ طہران

398: تفسیر حسینی صفحہ 382 تفسیر سورۃ القلم مطبوعہ 1274ھ

399: الفروع الکافی جلد سوئم کتاب الروضہ صفحہ 135 مطبوعہ نولکشور لکھنؤ 1886ء

400: اخبار مجاہد لاہور 14 مارچ 1936ء

401: فروع کافی جلد 2 صفحہ 216 کتاب النکاح مطبوعہ نولکشور 1886ء
402: کتاب الوصیت صفحہ 39 مطبوعہ حیدر آباد دکن
403: قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ أَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (المائدة: 61)
404: نجم الہدیٰ، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 54
405: نجم الہدیٰ، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 63 تا 67
406: نجم الہدیٰ، روحانی خزائن جلد 14 حاشیہ صفحہ 79، 80
407: نجم الہدیٰ روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 88
408: نجم الہدیٰ، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 86 حاشیہ
409: انوار الاسلام، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 30 و 31
410: انوار الاسلام، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 38
411: رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد 13 صفحہ 185 مطبوعہ 1892ء
412: الفضل 3 جنوری 1952ء صفحہ 3، 4 (مفہوماً)
413: الہدیٰ، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 314 حاشیہ
414: اشتہار بعنوان قیامت کی نشانی ملحقہ آئینہ کمالاتِ اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 610
415: لُجّۃ النور، روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 409
416: ٹائیٹل پیج "ایّام الصلح" روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 228
417: "کوثر" لاہور 9 مارچ 1948ء
418: کنز العمال جلد 6 صفحہ 26 مطبع دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان مطبوعہ 1998ء